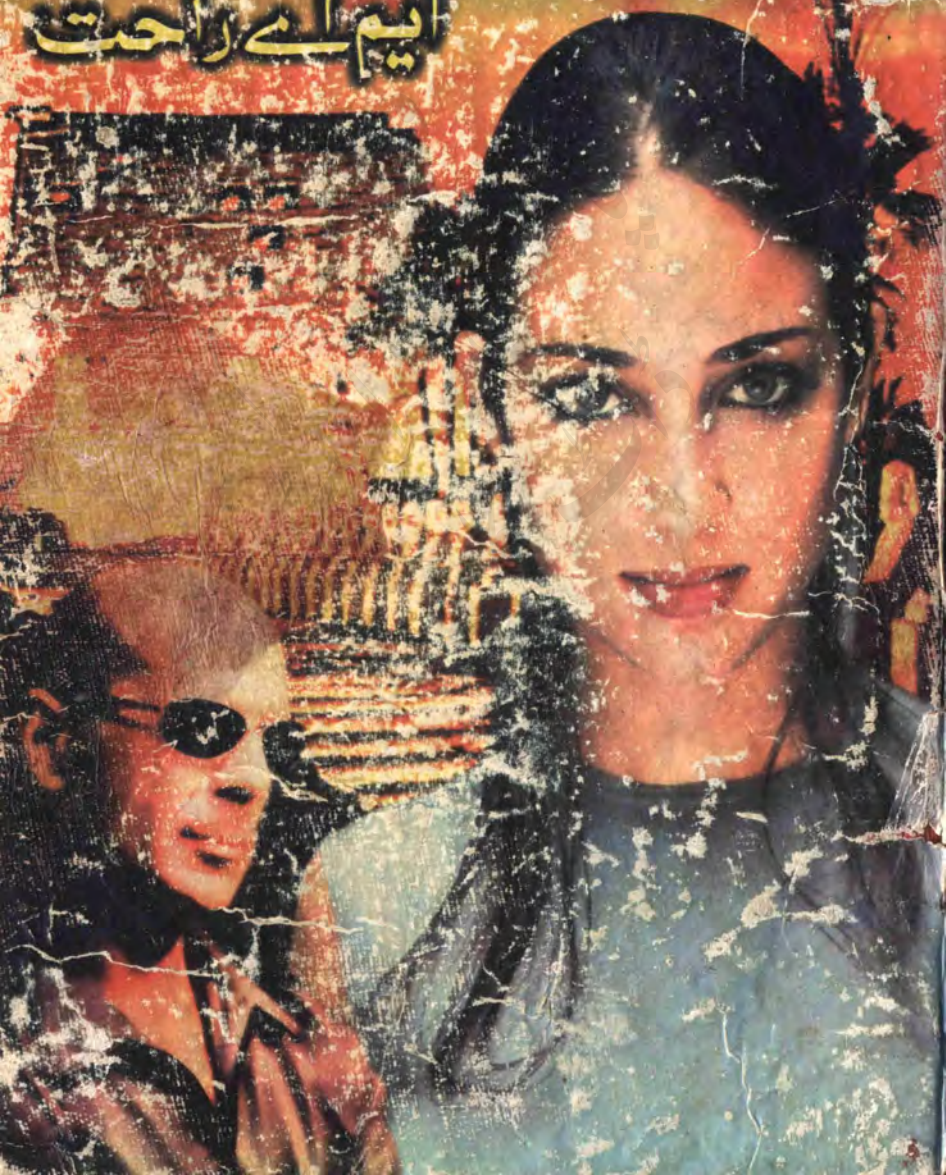


خوف کے سائے



ایم اے راحت



تقریب شیخ سلطان کی خوبصورت رہائش گاہ میں تھی..... شیخ سلطان انتہائی اہم شخصیت کا مالک تھا اور اعلیٰ ترین حلقوں میں نام رکھتا تھا، اس کے پوتے کی سالگرہ تھی اور اس کے اہل خاندان یہ خوشی منا رہے تھے..... شاندار کوٹھی کے لان پر وسیع و عریض جگہ میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور تقریب بڑی خوش اسلوبی سے جاری تھی..... بے شمار افراد موجود تھے اور عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، ہر طرح کی خوشیاں ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گئی تھیں اور افلاس زدہ جھوپڑوں میں زندگی کی اس اہمیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا.....

مہمان مسرور تھے..... بچے کے والدین یعنی شیخ سلطان کے بیٹے، بیٹی اور بہوؤں کو غیرہ اپنے طور پر خوشیاں منا رہے تھے، بہت بڑے بڑے لوگ اس میں شامل تھے..... اس لئے پولیس سیکورٹی کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی..... شیخ سلطان کے ویسے تو بڑے روابط تھے لیکن اس کے خاص دوستوں میں چند افراد تھے جو اس وقت بھی یہاں موجود تھے..... مرزا اعظم بیگ، راجیل رضا، جابر زمان اور ڈاکٹر حیات یہ شیخ سلطان کے خاص دوست تھے..... تقریب جاری رہی اور اس کے بعد رنگ رلیوں کا دور دورہ ہو گیا..... بہت سے ٹیلی ویژن اور فلم کے آرٹسٹ آئے ہوئے تھے، ورائٹی شو کا اہتمام تھا لیکن بزرگوں کو ایسی تفریحات سے دلچسپی نہیں ہوتی، چنانچہ مرزا اعظم بیگ اپنے اہل خاندان کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑا، پھر اس کے پیچھے راجیل رضا پھر جابر زمان اس کے بعد ڈاکٹر حیات یہ سب شیخ سلطان کے ایک مخصوص کمرے میں جمع ہو گئے تھے جو ساؤنڈ پروف تھا..... آخری آدمی جو وہاں پہنچا وہ شیخ سلطان تھا، مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا اور اس کے بعد اس نے دیواروں پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر کئی بٹن دبائے اور پورا کمر ساؤنڈ پروف ہو گیا، اندر نشستوں پر اس کے

چاروں دوست بیٹھے ہوئے تھے..... شیخ سلطان خود بھی مسکراتا ہوا صوفے پر آ بیٹھا، پھر اس نے کہا۔

”بھئی ہماری میٹنگز مہنگی ترین ہوتی ہیں، کیا خپیل ہے آپ لوگوں کا؟“

”نہیں صورت حال ایسی تھی کہ مختصر وقت میں دوبارہ میٹنگ کرنا ضروری تھی۔“

”میں جانتا تھا اور اسی لئے میں نے پوتے کی ساگرہ میں یہ اہتمام کر ڈالا۔“

”مجبوری ہے شیخ سلطان ہمیں عام لوگوں سے ذرا مختلف انداز میں اپنے کام کرنے پڑتے ہیں، حالانکہ ڈاکٹر حیات کا کلینک ہم دل کے مریضوں کے لئے بہترین جگہ ہے اور ہمارا شاندار میٹنگ ہال، خوش قسمتی سے ہم چاروں ہی دل کے مریض ہیں اور ڈاکٹر حیات دل کے ڈاکٹر لیکن ایک ہی جگہ بار بار ملنا ذرا غیر فطری ہو جاتا ہے، اس لئے میٹنگ کی ترتیب کا انداز بدلتے رہنا ضروری ہے، اب اگر کوئی اور میٹنگ فوری طور پر ضروری ہوئی تو میرا خیال ہے اس کے لئے جاہر زمان انتظامات کریں گے۔“

”دل و جان سے حاضر ہوں اور میرا خیال ہے کہ اب مختصر وقت میں ہمیں مطلب کی گفتگو پر آ جانا چاہئے.....“ ہاں اس وقت جو سنگین صورت حال ہمیں درپیش ہے میں سمجھتا ہوں ہمیں اس کے خطرناک اثرات سے بچنے کے لئے شدید محنت کرنا ہوگی..... آپ لوگ کہا کرتے ہیں اس سلسلے میں؟“

”اس بات سے انکار کیا ہی نہیں جاسکتا، صورت حال بہت زیادہ بگڑ گئی ہے..... باڑی مکمل۔ پورٹ مل چکی ہے اور وہاں کوئی ایسے شواہد نہیں ملتے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہت۔ کاری مداخلت ہوئی ہے بلکہ تفصیلات یہی معلوم ہو سکی ہیں کہ منشیات کی پیداوار کرنے والے اور انہیں سپلائی کرنے والے گروہوں میں آپس ہی میں زبردست جنگ چھڑ گئی تھی اور اس جنگ کے نتائج انتہائی ہولناک برآمد ہوئے..... انہوں نے ایک دوسرے کے ذخیرے تباہ کر دیئے اور بے دریغ انسانی خون بہایا جہاں تک دانی شاہ کا تعلق ہے، دانی شاہ کو کیسے گرفتار کیا گیا..... اس کی تفصیل بالکل نہیں معلوم ہو سکی، ویسے کمبخت سالار نے مٹی خراب کر دی اس کی وجہ سے یہ ساری ہنگامہ آرائی ہوئی، اس نے کس طرح کچھ لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیا..... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی اور پھر اتنی اعلیٰ کارکردگی کا مالک دانی شاہ آخر کسی کے جال میں کیسے پھنس گیا..... سوچ کر ہی حیرت ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ

اس وقت ہمارا سارا نظام درہم برہم ہو گیا ہے، ابھی تو سب سے بڑا مسئلہ یہ باقی ہے کہ بین الاقوامی پیمانے پر ہم سے اس ناہمواری کی وجہ پوچھی جائے گی..... ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے، میں سمجھتا ہوں موجودہ حالات میں ہمیں اپنے آپ کو ہر طرح کے ہنگامی اقدامات کے لئے تیار کر لینا چاہئے، صورت حال جس قدر مشکل ہو گئی ہے اس میں ذرا سی بھی کوئی غفلت مصیبت کا باعث بن سکتی ہے، اس بات سے آپ سب لوگ واقف ہیں۔“

”بالکل بھلا اس سے کسے انکار ہے۔“

”اب آ جاتے ہیں ہم موجودہ واقعے کی طرف تو اس سلسلے میں او۔ ایس نے جو کارروائی کی ہے ہم اسے ایک انتہائی موثر کارروائی کہہ سکتے ہیں، لیکن اس وقت ہمارے تمام ذرائع مفلوج ہو گئے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایک مطمئن انسان سمجھ کر بہت سے ایسے معاملات سے غافل ہو گئے جو ہمارے لئے انتہائی ضروری تھے۔“

”مثلاً؟“

”مثلاً یہ کہ ہم نے جو پولائنٹس بنا رکھے تھے اور جو لوگ ہمارے لئے ہر طرح کی خبریں فراہم کرتے تھے ان سے طویل عرصے سے ہمارے رابطے منقطع ہیں اور یہ بات ہمارے لئے بہت خوفناک ہے..... مثلاً اگر میں یہ سوال کروں کہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں اعلیٰ ترین حکام کے درمیان کیا کارروائی ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں کون کون مصروف عمل ہے تو کیا ہم میں سے کوئی اس بات کا جواب دے سکے گا؟“ کسی نے کچھ نہ کہا شیخ سلطان بولا۔

”وہ تو خیر ٹھیک ہے، ہم ایک بار ایک خصوصی میٹنگ کر کے اپنے ان معاملات کو از سر نو ہموار کریں گے اور اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لیں گے، اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ جیل میں دانی شاہ اور اس کے دو آدمیوں کے علاوہ اکیس مزید قیدی ہلاک ہو گئے ہیں..... آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں ڈاکٹر حیات؟“

”او۔ ایس۔“ ڈاکٹر نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”سوری مسٹر او۔ ایس آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟“

”آپ مجھے ایک بات بتائیے اگر صرف ان تین افراد کو ہلاک کیا جاتا تو کیا پوری توجہ اس جانب مبذول نہ ہو جاتی کہ آخر جیل میں ان افراد کو کیوں اور کیسے ہلاک کر دیا گیا اور اس کے بعد صرف چند مخصوص افراد نگاہوں میں آ جاتے، یعنی رمضان خان وغیرہ۔“

”مر رمضان خان کو تواب بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔“

”ہاں لیکن آپ اس خوبصورت پلان کی داد نہیں دیں گے، یعنی صورت حال یہ ہے کہ جیل کے مختلف بلاکوں میں جو کھانا سپلائی کیا جاتا ہے ان میں ایک ایک برتن یعنی دیگ ٹائپ کی چیز جاتی ہے اور اس میں پورے بلاک کے لئے کھانا ہوتا ہے..... ایک بلاک میں چند پلیٹوں میں اگر صرف دانی شاہ اور اس کے دونوں ساتھیوں کو زہر ملا کھانا دیا جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتے اور کیا اس کی خصوصی تحقیقات نہ ہوتی، بے شک رمضان خان اس بات سے انحراف نہیں کرے گا کہ سالن اسی نے پکویا تھا اور بلاک تک پہنچایا تھا اور اس سالن میں ایک زہر ملا سانپ گر پڑا حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ایک سانپ کا زہر اتنی آسانی سے چوبیس افراد کو ہلاک نہیں کر سکتا، مردہ سانپ لے جا کر کھانے میں ڈال دیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ایسا مخصوص زہر جو سانپوں ہی سے حاصل کیا جاتا ہے اور اسے انتہائی اعلیٰ پیمانے پر ریفرن کیا جاتا ہے، یعنی زہر کا جزو حاصل کر لیا جاتا ہے تو سانپ کے ساتھ ساتھ زہر کے اس جزو کے بھی چار ڈراپ کھانے میں ڈالے گئے تھے..... اگر ایسا نہ ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ سانپ کے زہر سے بے ہوش ہو جاتے اور پھر انہیں علاج کے ذریعے بہتر کر لیا جاتا لیکن ان کی ہلاکت ضروری تھی..... رمضان خان یہی کہے گا کہ کھانے کے اس برتن میں سانپ کسی طرح پہنچ گیا اور صورت حال تبدیل ہو گئی، لیکن زہر خورانی کا شکار وہ تمام افراد ہوئے جنہوں نے اس برتن کا کھانا کھایا تھا، بات نیچرل ہو جاتی ہے۔“

”اور اگر رمضان خان کی زبان کھلوائی گئی تو؟“ شیخ سلطان نے کہا۔

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں رمضان خان کی زبان اتنی آسانی سے نہیں کھلوائی

جاسکتی۔“

”مجھے آپ سے اختلاف ہے مسٹر او۔ ایس۔“

”کیوں۔“

”تو آپ کا کیا خیال ہے پولیس کا طریقہ کار۔“

میں سمجھتا ہوں لیکن آپ اطمینان رکھیں، رمضان خان کو صورت حال کا مکمل احساس

ہے اور پھر اس کے پاس ایک جواز ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ خود کھانا نہیں پکاتا، بس ایک ذمے دار آدمی ہے،

یعنی ٹھیکیدار اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔“

”کیا؟“

”اگر ہم رمضان خان کو راستے سے ہٹا دیں تو کیسا رہے گا۔“ مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

”بالکل غلط رہے گا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ پھر یہ بات مستحکم ہو جائے گی کہ کھانے میں سانپ یا زہر جان بوجھ کر ڈالا گیا تھا اور ٹھیکیدار اس میں ملوث نہیں تھا، بلکہ اس کا ایک پس منظر تھا، ہم نے تو دانی شاہ کو بھی اسی طرح ختم کر دیا ہے۔“

”ابھی تک یہ بات نہیں معلوم ہو سکی کہ دانی شاہ نے زبان کھولی یا نہیں؟“

”اتنی گہرائیوں میں جائیں گے تو مشکلات کا شکار ہو جائیں گے، ہمیں اس کے لئے زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔“ وہ سب گہری گہری سانسیں لینے لگے، پھر شیخ سلطان نے کہا۔

”میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ بہت زیادہ گہرائیوں میں جانے سے ہم اپنے

پیچھے شبہات کی ایک لکیر چھوڑ جاتے ہیں اور کوئی بھی ذہین شخص اس لکیر کا تعاقب کرتے

ہوئے ہم تک پہنچ سکتا ہے..... ہمیں اس سے گریز کرنا چاہئے، جو قدم ہم اٹھا چکے ہیں وہ اب

تک ہمارے لئے کارآمد رہا ہے، یعنی یہ کہ دانی شاہ ختم ہو گیا ہے اور عارضی طور پر ہم خطرات

سے محفوظ ہو گئے ہیں، لیکن اگر دانی شاہ نے زبان کھولی ہے تو اس کے اثرات ہمارے سامنے

آئیں گے اور جب یہ اثرات ہمارے سامنے آئیں گے تو ہم اس پر غور کر کے آگے قدم

بڑھائیں گے..... یہی کیفیت رمضان خان کی ہے..... رمضان خان پر نگہ رکھی جا رہی

ہے..... دیے وہ ایک مستحکم آدمی ہے، اسے سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے..... بے شک غیر تعلیم

یافتہ شخص ہے لیکن بہت مضبوط۔ آپ خود سوچ لیجئے..... اس نے جیل خانہ جات کا ٹھیکہ لیا

ہے اور وہاں کی سپلائی اپنے ذمے لی ہے۔ کام اتنا آسان نہیں ہے، چنانچہ ایسا شخص مشکل سے

بان کھولے گا لیکن اگر وہ زبان کھول ہی لیتا ہے اور ہمارے علم میں آ جاتا ہے تو پھر ہم ان

ثرات کا جائزہ لیں گے..... ہم لوگ بھی اتنے غیر مستحکم نہیں ہیں لیکن کوئی بات علم میں

آئے بغیر اگر ہم شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور بھاگ دوڑ شروع کر دیتے ہیں تو آپ یہ

بھٹے کہ اپنے آپ کو مشکوک کرتے ہیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں مسٹر اولیس، تو اب آپ کے خیال میں خاموشی اختیار کی جائے۔“

”اس وقت تک جب تک کہ کوئی اہم صورت ہمارے سامنے نہ آئے۔“ چند لمحات کے

لئے مکمل خاموشی طاری ہو گئی اور اس کے بعد شیخ سلطان نے کہا۔

”بالکل ٹھیک ہے، تو پھر آئیے باہر ورائٹی شو شروع ہو چکا ہو گا اور اب ہم اس قدر عمر

رسیدہ بھی نہیں ہیں کہ بچوں کے رقص و موسیقی کے ہنگاموں سے لطف اندوز نہ ہوں۔“

”لیکن ایک ایک کر کے۔“ اعظم بیگ نے کہا اور سب لوگ مسکرانے لگے پھر وہ ایک

ایک کر کے اس میٹنگ ہال سے باہر نکل آئے تھے۔



مینا نے اپنی کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی کے سامنے روکی..... جوہر خان نے فوراً ہی

دروازہ کھول دیا تھا..... مینا کار لے کر اندر داخل ہو گئی..... احاطے میں شہاب کی کار موجود

تھی..... مینا نے ایک گہری سانس لی اور کار سے اتر کر اندر کی جانب چل پڑی..... شہاب کو

فون کیا تھا اس نے اور سخت لہجے میں کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچنے کے لئے کہا تھا.....

بہر حال اندر داخل ہوئی تو ڈرائنگ روم میں شہاب اس کا منتظر تھا..... مینا کو دیکھ کر اپنی جگہ

سے کھڑا ہو گیا اور مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا..... مینا سنجیدہ چہرہ بنائے ہوئے آگے

بڑھ گئی تھی۔

”ہیلو مینا..... خیریت..... کیا بات ہے..... کچھ سنجیدہ نظر آرہی ہو؟“ مینا صوفے پر

بیٹھ گئی تو شہاب بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا..... مینا نے ناراض سی شکل بنا رکھی تھی۔

”مینا کیا بات ہے خیریت تو ہے..... واسطی صاحب ٹھیک ہیں، امی ٹھیک ہیں؟“ مینا

نے نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا..... معصوم سی شکل بنائے بیٹھا ہوا تھا..... مینا کو ہنسی آگئی تو

شہاب بولا۔

”خدا کا شکر ہے یہ اداکاری چل رہی تھی..... بھی ایسے مجھے پریشان نہ کر دیا کریں بیگم۔“

”دیکھو شہاب!“

”جی جی..... فرمائیے فرمائیے۔“ شہاب جلدی سے بولا۔

”بس..... میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کہوں؟“

”کوئی بات نہیں، جب سمجھ میں آجائے تو کہہ دیجئے گا، ویسے آپ خیریت سے تو

ہیں ناں۔“

”اپنی خیریت کی؟“

”میں کہہ دیتی ہوں تم سے۔“

”ابھی تک تو کچھ کہا نہیں ہے..... کیا کہیں گی اللہ جانے؟“

”کیا ہے یہ سب کچھ؟“

”یہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی ہے اور یہ اس کا ڈرائنگ روم ہے اور میں تمہارے

سامنے ہوں۔“

”شہاب پلیز..... تھوڑی دیر کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔“

”وقت بتا دیجئے کتنی دیر کے لئے یہ سنجیدگی ہونی چاہئے؟“

”نہیں مانو گے ناں تم۔“

”کس سلسلے میں..... میں تو مان گیا ہوں مینا۔“

”مجھے بتاؤ پلیز..... پلیز شہاب!“

”کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“ شہاب نے اس بار واقعی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”تمہیں سب معلوم ہے..... میں جانتی ہوں..... وہ لوگ تمہاری مرضی کے بغیر

نہیں آئے ہوں گے۔“

”کون لوگ؟“

”تمہارے اہل خاندان۔“

”اوہو ہاں..... امی، بھائی فائق حسین اور ثریا بھابی گئے تھے تمہارے گھر۔“

”بھئی وہ میری شادی کرنا چاہتے ہیں تم سے..... واسطی صاحب سے ملاقات کرنے

گئے تھے۔“

”شرارتوں سے باز نہیں آؤ گے۔“

”کمال ہے بھئی..... اب بھی شرارت..... اگر کسی اور سلسلے میں کہنا چاہتی ہو تو وہ کہہ

دو اس کا بھی سنجیدگی سے جواب دوں گا۔“

”یہ اچانک تمہیں کیا سوچھی؟“

”اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ عمر تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے..... اس عمر میں شادی نہیں کی تو بڑھاپے میں بچے پیدا ہوں گے اور ان کی پرورش میں دقت پیش آئے گی۔“
 ”خدا تمہیں سمجھے..... سنجیدگی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کرتے ہو۔“
 ”یہی باتیں تو سنجیدگی کی ہوتی ہیں بیٹا..... آخر انسان کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہئے۔“

”پہلے تو کبھی نہیں سوچا۔“

”اس بات پر ناراض ہو۔“ شہاب نے کہا اور بیٹا اسے گھورنے لگی۔

”تم سے باتوں میں جیت سکتی ہوں میں۔“

”کس بات میں جیت سکتی ہو وہ بات بتا دو..... میں تمہیں جیتنے کا پورا پورا موقع دوں گا۔“

”مجھے نہیں بتایا تھا تم نے کہ ان لوگوں کو بھیج رہے ہو۔“

”اب ہر بات تو نہیں بتائی جاسکتی ناں بیٹا..... کچھ باتوں میں ایسی رومانیت ہوتی ہے کہ

بس دل چاہتا ہے کہ انہیں اپنے آپ میں ہی رکھا جائے۔“

”میں سب سمجھتی ہوں۔“

”کیا؟“

”یہ کہ اچانک تم نے یہ فیصلہ کیوں کیا اور ان لوگوں کو کیوں بھیجا؟“

”سمجھتی ہو تو پھر بتا کیوں رہی ہو؟“

”تم نے میری اس بات کا برامانا تھا ناں شہاب؟“

”کون سی بات کا؟“

”وہی جو میں نے جاہر زمان کے سلسلے میں کہی تھی۔“

”یعنی یہ کہ غیر شادی حیثیت میں کسی حادثے کا شکار ہونے والی بات؟“

”ہاں۔“

”مگر بیٹا میں نے برا نہیں مانا تھا اس بات کا بلکہ تمہارے موقف کو تسلیم کیا تھا اور

بہر حال جب انسان کسی کا موقف تسلیم کر لیتا ہے اور کسی کی شکایت کا تدارک کرنا چاہتا ہے تو

پھر اسے مخلصانہ طور پر عمل کرنا چاہئے۔“

”میرا یہ مطلب بالکل نہیں تھا۔“

”جناب میرا تو تھا..... اچانک ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ واقعی مس بیٹا ٹھیک کہتی ہیں اور پھر انسان اپنی چیزوں کو کہاں کھونا چاہتا ہے..... بس بیٹا میں نے یہ بات مان لی۔“
 ”جلدی نہیں کر بیٹھے۔“

”نہیں..... بس یوں سمجھو بیٹا کہ یہ سارے معاملات اتفاقات کے سہارے ٹل رہے تھے لیکن میں نے سوچا کہ اب ان کا ٹلنا مناسب نہیں ہے۔“

”کیسا لگے گا شہاب؟“

”تم بتاؤ؟“ شہاب نے مسخرے پن سے کہا اور بیٹا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا..... اس

نے گردن جھکا لی تھی۔

”خدا کی قسم..... یہ منافع والی باتیں ہیں۔“

”کیسا منافع؟“

”یہ شرمناک، یہ آنکھوں کا جھکنا، چہرے کا سرخ ہونا..... بس سمجھ لو کہ یہ ہی منافع

ہے میرا۔“

”مگر دیکھو شہاب ہم جلد بازی کر رہے ہیں..... تھوڑا اور انتظار کر لینے میں کوئی حرج

ہے کیا؟“

”جناب حرج ہے۔“

”میری عمر بڑھ رہی ہے۔“ شہاب نے کہا اور بیٹا اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

”بس اب میں بد تمیزی پر اتر آؤں گی۔“

”ابھی نہیں..... شادی کے بعد۔“ شہاب نے کہا اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی..... کچھ لمحے

خاموش رہی اور پھر بولی۔

”لیکن جلدی مت کرنا۔“

”نہیں کچھ وقت لگے گا..... ابھی امی وغیرہ ایک آدھ بار پھر جائیں گی..... تاریخ طے

کریں گی اور اس کے بعد انتظامات ہوں گے..... تمہاری طرف سے بھی اور ہماری طرف

سے بھی..... وقت تو لگ جائے گا بیٹا۔“

”شہاب سارا سیٹ اپ بدل جائے گا۔“

”بدل جائے گا..... مگر تو نہیں جائے گا۔“

”ہو نہہ..... گویا تم ادھار کھائے بیٹھے ہو۔“
 ”یہی سمجھ لو۔“ شہاب نے کہا اور بیٹنا خاموش ہو گئی..... کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

”اس سلسلے میں کوئی قدم آگے بڑھا رہے ہو؟“
 ”ہاں بالکل..... زیورات اور کپڑے وغیرہ اپنی پسند سے خریدوں گا۔“
 ”میں اس کی بات نہیں کر رہی۔“ بیٹنا غرا کر بولی۔
 ”اچھا اچھا پھر؟“

”میرا مطلب ہے ان پانچ افراد کے سلسلے میں۔“

”بیٹنا کچھ وقت آرام کر لیتے ہیں بعد میں دیکھا جائے گا..... ویسے سزا ان کا مقدر ہے وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اصل میں بات ڈی آئی جی صاحب کی ہے، حالانکہ میں ان کی مجبوری بھی سمجھتا ہوں اور ان کی مجبوری کو بہر حال دیکھنا ہوگا، لیکن انہیں اپنی اس لچک کی سزا بھگتنا پڑے گی۔“ شہاب نے کہا اور بیٹنا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”نادر حیات صاحب کی بات کر رہے ہو؟“

”ہاں..... انہی کی بات کر رہا ہوں۔“

”نہیں شہاب..... نادر حیات صاحب جس قدر نفیس شخصیت کے مالک ہیں انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔“

”تکلیف نہیں پہنچے گی لیکن میں انہیں اپنے موقف کا قائل ضرور کروں گا..... ویسے بیٹنا میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ لوگ جتنی بڑی حیثیت کے مالک ہیں، انہیں براہ راست نقصان پہنچانا خطرناک بھی ہوگا اور مشکل بھی لیکن شہنشاہ آزاد ہے۔“ بیٹنا مسکرا پڑی تھی۔
 ”تو شہنشاہ معظم..... اس غریب کنیز کو کیوں جال میں گرفتار کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔“

”کنیز نہیں..... ملکہ عالیہ۔“ شہاب نے ہنس کر کہا اور بیٹنا بھی مسکرا نے لگی پھر بولی۔

”مگر اب ایک بات تو ذرا سنجیدگی سے بتاؤ..... میرے دل میں کیسے کیسے خیالات ہیں..... تمہیں ان کا اندازہ ہے؟“

”چلو سنجیدہ..... سنجیدہ..... سنجیدہ۔“

”یہ سلسلہ کب تک ہوگا؟“

”تم چاہو تو کل ہی۔“

”نہیں نہیں..... نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔“

”تو پھر؟“

”تھوڑا سا وقت تو لگاؤ اس میں۔“

”تھوڑا سا وقت تو خود بخود لگے گا بیٹنا لیکن ایک بات بتاؤں اب اس مسئلے کو میں ٹالوں گا نہیں۔“

”میری اتنی سی بات اتنی بری لگ گئی۔“

”ارے مال کر تو دیا..... مات بری لگنے کی ہے بلکہ یوں سمجھو کہ دل میں جذبات کا طوفان جاگ اٹھا ہے..... میرا تو بس نہیں چلتا بیٹنا..... بیٹنا..... بیٹنا۔“ شہاب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا..... بیٹنا نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا اور پھر مسکرا کر گردن جھکا لی۔

”ویسے بیٹنا ایک بات بتاؤ..... ہنی مون منانے کہاں چلیں گے؟“

”میں تم سے ایک بات کہوں شہاب؟“ بیٹنا نے اچانک ہی سنجیدہ ہو کر کہا۔

”ہنی مون کے بارے میں؟“

”ہاں۔“ بیٹنا بولی۔

”ارشاد ارشاد..... بڑی رومانی بات ہو گی..... میں سننے کے لئے بے چین ہوں۔“

”یہ سارا چکر جو ہے ناں..... ہنی مون وغیرہ کا..... یہ ایک احقانہ قدم ہے..... ہمارا ہنی مون کسی ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں کچھ مجرم ہنگامہ آرائی کر رہے ہوں اور ہم ان کی گردن دبوچ لیں۔“

”میں نے اپنے ذہن پر نقش کر لیا ہے۔“ شہاب نے کہا۔

”نہیں تم مجھے بتاؤ..... کیا یہ ساری حماقتیں نہیں ہیں..... ہم عملی زندگی کے لوگ ہیں..... ہنی مون وہ مناتے ہیں جو اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے خواہش مند ہوتے ہیں..... زندگی کسی تنگ اور تاریک جھوپڑی میں بھی اتنی ہی خوبصورت ہو سکتی ہے، اگر ذہن سے ذہن کے راستے کشادہ ہوں..... جتنی خوبصورت کسی پر فضا پہاڑی مقام پر..... ہم ہر جگہ لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور ویسے بھی ہم کہاں نہیں گئے..... ہر طرح کی تفریحات کی ہیں، ہر

جگہ بیکار ہے ہیں..... ساتھ ساتھ رہے ہیں ہر جگہ..... حسین سے حسین مقام پر، چلو ٹھیک ہے یہ سب کچھ تو ہوتا ہے، جس کا آغاز تم نے کر دیا ہے..... ایک زندگی کا آغاز ہوتا ہے..... بات کسی ایک تنہا فرد کی نہیں ہوتی..... اب تمہاری امی جان ہیں، بھابی ہیں، بھائی ہیں اور دوسرے اہل خاندان ہیں..... ایک کام کر رہے ہیں وہ تمہارے لئے ہی سہی لیکن اپنی تمام تر خوشیوں کے ساتھ دلہن رخصت ہو کر گھر جاتی ہے اور اس کے بعد ہنی مون کا آغاز ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ صحیح طور سے صورت اور مزاج آشنا بھی نہیں ہو پاتے کہ ایک، ڈیڑھ، دو مہینے صاحبزادگان باہر گزار دیتے ہیں..... بھئی ان کی تو پوری زندگی پڑی ہوئی ہے تقریبات کے لئے..... کم از کم ان لوگوں کو محروم کیوں کیا جائے جن کا زندگی سے اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔“

شہاب نے تعریفی نگاہوں سے مینا کو دیکھا اور بولا۔

”مینا یہ بات تم جیسی لڑکیاں ہی سوچ سکتی ہیں ورنہ اس وقت اس معاشرے میں ایک عجیب و غریب سماجی چپقلش موجود ہے..... اولاد اور والدین کے درمیان، بہو اور سسرال والوں کے درمیان..... خیر یہ ہمارا شعبہ نہیں ہے..... اس لئے ہم اس پر زیادہ نہیں سوچتے لیکن حقیقت یہ ہی ہے..... تصور یہ لیا جاتا ہے کہ زندگی کے یہ ہی ابتدائی دن تنہائی میں شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کو جاننے کے لئے ہوتے ہیں..... بھئی پہلی بات تو یہ کہ ہمارا کس ذرا مختلف ہے..... ہم اتنا جانتے ہیں ایک دوسرے کو کہ مزید جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے لیکن ہمارا مینا نہ بھی تو بہر حال طویل زندگی میں خاصے مواقع ہوتے ہیں جن کا حق ہے انہیں بھی تو دینا چاہئے۔“

”بالکل میں تم سے اتفاق کرتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے مینا..... ہم فوراً ہی ہنی مون نہیں منائیں گے..... ویسے یہ ہمارے موڈ کی

بات ہے کہ جب دل چاہے۔“

”ہو نہہ..... ویسے تم نے واقعی ہمیشہ کی طرح ایک ایسا قدم اٹھایا ہے جس کے بارے

میں سوچ بھی نہیں رہی تھی میں۔“

”تو اب سوچنا شروع کر دو..... مگر رات کو بستر پر صرف ڈیڑھ گھنٹے تک..... میں نہیں چاہتا کہ زیادہ جاگنے کی وجہ سے تمہاری آنکھوں میں سرخی پیدا ہو جائے، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری حسین آنکھوں کی سرخی بہت خوبصورت لگے گی، لیکن آنکھوں

میں تکلیف بھی ہو سکتی ہے اور میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا مینا۔“

”بس پلیز خاموش ہو جاؤ۔“ مینا نے کہا..... اس کا چہرہ جذبات میں ڈوب گیا تھا۔



رمضان خان سختی سے اپنے موقف پر اڑا ہوا تھا..... درحقیقت غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ انتہائی سخت آدمی تھا..... ایک پوری ٹیم اس سلسلے میں تحقیقات کر رہی تھی..... واقعے کی نوعیت بھی بڑی خوفناک تھی اور اس سلسلے میں بہت سے افراد باقاعدہ ملوث ہو گئے تھے اور ان کی نوکریاں خطرے میں پڑ گئی تھیں..... خاص طور سے جیلر، سپرنٹنڈنٹ جیل اور کئی ذمے دار افراد تو شدید مشکلات کا شکار تھے..... رمضان خان ٹھیکیدار سے مسلسل تفتیش ہو رہی تھی..... اس وقت بھی جیل کے ایک وسیع و عریض کمرے میں بہت سے افسران موجود تھے اور نہایت جدید پیمانے پر رمضان خان سے معلومات حاصل کی جا رہی تھیں..... وہ باورچی بھی موجود تھے جو کچن میں کام کیا کرتے تھے..... ایک افسر اعلیٰ نے رمضان خان سے کہا۔

”کافی وقت دے دیا ہے ہم نے تمہیں رمضان خان! سوچنے کے لئے..... کیا اب بھی تم اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہو؟“

”دیکھو صاحب..... معاف کرنا..... اب تک ہمارے ساتھ آپ لوگوں نے جو سلوک کیا ہے وہ اس سے مختلف نہیں ہے جو ہم باہر والے لوگوں سے سنتے رہتے ہیں..... پولیس مانی باپ ہوتی ہے، جس کے خلاف کچھ کرنے کو تیار ہو جائے پھر اسے آسانی سے کوئی نہیں روک سکتا..... ہم جانتے ہیں صاحب..... آپ کو اس کا بھی اختیار ہے کہ جیل سے باہر نکال کر ہمیں کتے کی موت مار دو..... ہم کیا آپ کا بگاڑ سکیں گے صاحب، لیکن کیا کہیں بولو..... کیا کہیں..... یہ کہہ دیں کہ ہم نے جان بوجھ کر اپنی روزی پر لات ماری ہے..... ہم نے جان بوجھ کر کھانے میں زہر ملایا ہے، تاکہ چوئیس بندے ہلاک ہو جائیں صاحب..... انسان کو کسی ایک آدھ سے دشمنی ہو سکتی ہے۔ چوئیس آدمیوں سے نہیں اور پھر یہ بات تو آپ بھی جانتے ہو کہ ہم خود کھانا نہیں پکاتے..... ٹھیکیداری کرتے ہیں، جن لوگوں نے کھانا پکایا وہ یہ سامنے موجود ہیں..... ان سے الگ لے جا کر پوچھ لو..... ان سے یہ ہی کہلوادو صاحب کہ کھانے میں ہم نے سانپ ڈالا ہے..... صاحب اگر یہ کہتے ہیں تو یہ بھی آپ کی مرضی ہے کہ یقین کر لیا

نہ کرنو..... ہم نے کچھ نہیں کیا ہے صاحب..... ان مردودوں کی کھال اتار دو ان کی..... انہیں پھانسی دے دو صاحب..... ہمیں بھی پھانسی دے دو..... ہم تیار ہیں..... پر آپ بتاؤ جو کام ہم نے نہیں کیا..... ہم اس کے بارے میں آپ سے کیا کہیں..... کیا کہیں آپ سے صاحب! ہم پر تو زبردستی ظلم ہو رہا ہے..... آپ مالک ہو صاحب..... ہم یہ نہیں کہتے کہ ذمے داری ہماری نہیں تھی لیکن صاحب بس جو ہونا تھا ہو گیا..... ہم اس سلسلے میں کچھ جانتے نہیں ہیں۔“ وہ لوگ رمضان خان کو دیکھتے رہے..... رمضان خان کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو جھلک رہے تھے..... ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس سلسلے میں حتمی طور پر رمضان خان پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا تھا..... لیبارٹری رپورٹ میں کوئی خامی بھی ہو سکتی تھی..... ویسے بہت سی باتیں زیر غور تھیں..... سانپ کا وہاں آجانا بھی ذرا مشکل سی بات تھی..... کوئی ایسا ذریعہ سامنے نہیں آ رہا تھا لیکن بہر حال حکام اس بات پر متفق ہونے لگے تھے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے..... ہاں ذمے داروں کی غفلت کے نتیجے میں انہیں سزا ضرور ملنی چاہئے، لیکن کم از کم رمضان خان اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث نہیں ہے، چنانچہ کچھ دن کے بعد رمضان خان کو رہا کر دیا گیا..... البتہ وہ افراد جو اس کھانے پکانے کے ذمے دار تھے..... ان کا معاملہ عدالت میں پہنچا دیا گیا تھا اور یہ فیصلہ عدالت ہی کو کرنا تھا کہ بے پروائی کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی سزا ان لوگوں کو کیا دی جاسکتی ہے، لیکن بہر حال رمضان خان آزاد ہو گیا تھا۔

مرزا طاہر بیگ ایک کاروباری مینٹگ سے واپس لوٹ رہا تھا، وہ جو کاروبار کرتا تھا اس کے سلسلے میں یہ مینٹگ منعقد کی گئی تھی..... ڈنر بھی تھا..... رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ مینٹگ کے مقام سے واپس لوٹ رہا تھا اور اپنی کار خود ڈرائیو کرتا ہوا آ رہا تھا کہ ایک پتلی سی گلی میں کار موڑتے ہوئے اسے گلی کے کنارے نالی کے پاس ایک شخص زمین پر اوندھا پڑا ہوا نظر آیا اور مرزا طاہر بیگ نے کار کے بریکوں پر دباؤ ڈال دیا..... ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں بہت سے سو سے جاگے، ہو سکتا ہے کسی نے اسے قتل کر کے یہاں پر ڈال دیا ہو..... ہو سکتا ہے کوئی اور حادثہ ہوا ہو..... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، لیکن پھر انسانیت کے جذبات اس پر غالب آ گئے..... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص مدد کا طالب ہو..... اس میں زندگی باقی ہو..... اسے مدد کی ضرورت ہو اور وہ اپنا انسانی فرض

کھو بیٹھے، چنانچہ اس نے کار اس شخص کے قریب روکی..... پھرتی سے اتر کر نیچے آیا..... وہ زندہ تھا لیکن ایک عجیب سے تشنج کا شکار..... اس کے بدن میں تھر تھراہٹیں ہو رہی تھیں..... ظاہری کیفیت سے مرزا طاہر بیگ نے چند ہی لمحوں میں اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص نشتے کا عادی ہے اور اس وقت شدید نشتے کے عالم میں ہے..... اس کے منہ سے جھاگ اُبل رہے تھے..... طاہر بیگ نے اس کے گندے بدن کے باوجود اسے بازوؤں میں اٹھا کر کار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور یہ فیصلہ کیا کہ اسے فوری طور پر کسی ہسپتال پہنچائے..... بہر حال اس کی تجربہ کار نگاہوں نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ وہ شخص بری حالت میں ہے لیکن بات نشتے کی ہی ہے، پھر اسے فوراً ہی ہسپتال کے اس شعبے کا خیال آیا جو اس کے باپ نے بنوایا تھا..... اسے اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ وہ نشتے کے مریض کو وہاں لے جائے..... کار برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو گئی اور پھر اس نے اسے اس شعبے کے سامنے روک دیا جو نشتے کے مریضوں کے علاج کے لئے تھا..... ریسپشن پر اس وقت کوئی موجود نہیں تھا..... وہ رابداریوں میں مارا مارا پھرنے لگا، پھر ڈیوٹی ڈاکٹرز کے روم میں داخل ہو گیا..... یہاں دو ڈاکٹر اور تین نرسیں بیٹھی ہوئی کافی پیر ہی تھیں..... کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں ریگ رہی تھی..... انہوں نے اسے دیکھا تو مرزا طاہر بیگ نے کہا۔

”کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب! نہ کوئی وارڈ بوائے نظر آیا..... نہ آپ کے ریسپشن پر کوئی موجود ہے..... یہ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟“

”ملاحظہ فرمائیے..... حضور آپ شاعر ہیں۔“ ایک ڈاکٹر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

”جی..... میں نے آپ کو کوئی شعر سنایا ہے؟“

”انداز بڑا شاعرانہ ہے..... خیر فرمائیے کیا بات ہے؟“

”ایک مریض کو لے کر آیا ہوں..... زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہے۔“

”کیا مرض ہے اسے؟“ ڈاکٹر نے بے پروائی سے پوچھا..... وہ لوگ تفریح لینے کے موڈ میں تھے۔

”یہ تو آپ ہی تشخیص کر سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب..... میں کیا عرض کروں۔“

”کہاں ہے بھائی..... کیوں جان کھار ہے ہو جاؤ..... یار دیکھ لو..... ذرا کون ہے وارڈ

بوائے کہاں گئے..... موجود نہیں ہیں؟“

”کوئی نہیں ہے۔“

”نرس تم ذرا دیکھو جا کر..... مریض کو اٹھا کر کمرے میں پہنچا دو..... ایک نرس بڑی بے زاری سے اپنی جگہ سے اٹھی اور بولی۔

”آئیے..... طاہر اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا..... نرس نے ایک کمرے سے دو وارڈ بوائے کو اٹھایا اور وہ سڑ پچے۔ کمرے چل پڑے۔ طاہر نفرت بھری نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا..... ابھی اس نے اپنا تعارف ان سے نہیں کر لیا تھا، لیکن ان کا جو انداز تھا اسے دیکھ کر وہ بے حد بددل ہوا تھا..... بہر حال مریض کو سڑ پچر پر ڈال کر اندر لایا گیا اور طاہر بیگ اس کے پاس کھڑا ہو کر ڈاکٹروں کے آنے کا انتظار کرنے لگا..... دو منٹ، پانچ منٹ، دس منٹ اور پھر پندرہ منٹ..... نرس بھی چلی گئی تھی..... وہ خود تنہا مریض کے پاس موجود تھا..... اس کے دل و دماغ غصے سے پھٹے جا رہے تھے..... یہ شعبہ اس کے باپ نے بڑی امگنوں اور نیک جذباتوں کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور یہاں یہ سب ہو رہا ہے..... اس نے نوجوان کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا..... اس کا شناختی کارڈ برآمد ہوا، اس پر رشید احمد ولد کریم احمد لکھا ہوا تھا، پتا بھی درج تھا..... خدا خدا کر کے ڈاکٹر صاحب آئے، انہوں نے مریض کا معائنہ کیا پھر بولے۔

”یہ سب کیا ہے..... ختم ہو گیا ہے بھائی یہ تو..... لاش کو لے کر آئے ہو تم کہاں سے اٹھالائے اسے۔“ طاہر کی آنکھوں میں جنون اتر آیا، اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے مجھے پورے تیس منٹ ہو گئے..... ڈاکٹر اور اس سے پہلے یہ زندہ تھا، مکمل طور سے زندہ تھا..... پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کی موت کا وقت بتائے گی اور آپ لوگوں کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آدھے گھنٹے تک آپ نے بے پروائی اور غفلت سے کام لیا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

”اپنا نام بتاؤ۔“

”سر میں کھلی ہو رہی ہے کیا لڑنے آئے ہو مجھ سے، میں اگر چاہوں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ نشے سے ہونے والی موت نہیں ہے بلکہ اسے ہلاک کیا گیا ہے۔“

”اور اس کے بعد مجھے اس کے قتل کے جرم میں پھنسا دو گے یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟“

”یہ بات ہی ایسی کر رہے ہو۔“

”ٹھیک ہے ڈاکٹر میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے باپ نے زبردست رقم خرچ کر کے نشے میں ڈوبے ہوئے افراد کے لئے یہ شعبہ قائم کرایا ہے اور تم لوگ یہاں یہ کر رہے ہو۔“

”باپ نے؟“

”ہاں میں مرزا اعظم بیگ کا بیٹا ہوں جس کے نام کی بڑی سی سل آپ لوگوں نے اس شعبے کے باہر لگوائی ہے اور آپ میرے باپ کی نیک نفسی کا مذاق اڑا رہے ہیں۔“

”نہیں معافی چاہتا ہوں دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ ہم بھی انسان ہیں، کام کا شدید لوڈ ہے ہم بھی تھک جاتے ہیں تو تھوڑا سا آرام کر لیتے ہیں اور پھر یہ شخص آپ یقین کریں یہ نشے کی انتہائی حد تک پہنچا ہوا آدمی ہے اور اگر ہم اسے بچانے کی کوشش بھی کرتے تو اس میں کامیاب نہ ہوتے نرس..... ڈاکٹر فضل کو بلا کر لاؤ۔“ تھوڑی دیر کے بعد ہسپتال کا پورا عملہ وہاں جمع ہو گیا..... ڈاکٹر طاہر بیگ کی خوشامدیں کرنے لگے اور ہر طرح سے مستعد ہو گئے..... طاہر بیگ نے پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اس کے باوجود میں یہ نظر انداز نہیں کر سکتا ڈاکٹر کہ آپ لوگ آدھے گھنٹے کے بعد یہاں پہنچے جبکہ میں خود اسے لے کر یہاں آیا۔“

”ٹھیک ہے آپ کا جو دل چاہے کچھ رپورٹ کر دیجئے ہماری لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ بتا دے گی کہ ہیروئن کے استعمال سے یہ شخص اندر سے بالکل گل سڑ چکا تھا اور اس کی موت ناگزیر تھی، ویسے اگر ہو سکے تو آپ یہ سب کچھ نہ کریں۔“ طاہر بیگ وہاں سے واپس پلٹ پڑا تھا، لیکن اس کے دل میں غم و غصے کا طوفان تھا، کم از کم اپنے باپ سے یہ بات کرنا چاہتا تھا کہ اے نیک نفس انسان تو نے اپنی محنت کی کمائی سے عوام کی بھلائی کے لئے جو کچھ کیا ہے وہاں یہ ہو رہا ہے، پھر اس نے ان لوگوں سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا جو اس نوجوان کے ماں باپ تھے اور رات کا یہ وقت حالانکہ آرام کے لئے تھا لیکن آخر کار گھر جانے کی بجائے وہ معلومات حاصل کرنا ہوا اس کچی بستی میں پہنچ گیا جہاں رشید احمد کا مکان تھا..... بستی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی..... کتے بھونک رہے تھے، اس نے مکان نمبر تلاش کر کے اس

کے دروازے پر دستک دی، بوسیدہ سے جھونپڑے نما مکان کے دروازے میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نمودار ہوا..... بڑی سی داڑھی، لاغر چہرہ، لاغر بدن، بوسیدہ لباس، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طاہر بیگ کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

”جی صاحب!“

”کریم احمد صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”میں ہی ہوں۔“

”کریم صاحب! رشید احمد آپ کا بیٹا ہے؟“

”ہاں بھائی کیا کچھ ہو گیا؟“

”کریم صاحب آپ میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟“

”کہاں بھیا؟“

”بتا سکتے ہیں کہ رشید احمد کب سے یہاں سے غائب ہے؟“

”صبح سے نہیں ہے بھیا مگر کوئی بات ہو گئی ہے تو بتادو تمہیں خدا کا واسطہ؟“ بوڑھے کی

آواز لرز گئی۔

”گھر میں اور کون کون ہے؟“

”بیوی ہے میری اور میں ہوں، زندگی کا بوجھ گھیٹ رہے ہیں ہم خدا غارت کر دے ان لوگوں کو جنہوں نے گھروں کے چراغ بجھادیئے ہیں، وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے بھیانہ جانے کس طرح میں نے اسے ایف اے تک تعلیم دلوائی اور پھر بس تقدیر کا پالا مار گیا اسے نشے کا عادی ہو گیا اور اب وہ کچھ بھی نہیں ہے، گھر آجاتا ہے..... ہم لوگوں کو تنگ کرتا ہے، پیسے مانگتا ہے، گھر کا سارا سامان بیچ چکا ہے اور نشے میں لے جا کر خرچ کر دیتا ہے..... بھیا موت مانگ رہے ہیں، اللہ سے اپنے لئے کیونکہ بیٹے کی موت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔“

بوڑھا رونے لگا۔

”آئیے میرے ساتھ اگر چاہیں تو اپنی بیگم کو بھی لے لیجئے۔“

”کچھ ہو گیا ہے کیا رشید احمد کو؟“

”ہاں وہ ہسپتال میں ہے۔“ طاہر نے جواب دیا..... اس سے زیادہ کوئی کاوش کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی بوڑھے کے گھر کا چراغ آخر کار گل ہو چکا تھا..... کریم احمد اور اس

کی بیوی کو ہسپتال کے دروازے تک چھوڑنے کے بعد اس نے کہا۔

”یہ کارڈ رکھ لیجئے آپ ڈاکٹر کو دکھادیں اور سنئے یہ تھوڑی سی رقم بھی آپ کے کام

آئے گی۔“ طاہر بیگ نے کچھ نوٹ نکال کر کریم احمد کو دیئے اور اندر جانے کا اشارہ کر دیا.....

کریم احمد دعائیں دیتا ہوا اندر چلا گیا تھا..... اس بیچارے کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ رقم اس کے

نوجوان اور اکلوتے بیٹے کے کفن و دفن کے لئے دی گئی ہے..... طاہر اس سے زیادہ خود بھی

برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس کا دل ڈوب رہا تھا..... گھر واپس آنے کے بعد بہت دیر تک وہ

افردگی کے عالم میں پڑا رہا، پھر برداشت نہ کر سکا، حالانکہ رات زیادہ ہو چکی تھی، لیکن

مرزا اعظم بیگ بار بار یہ بات کہہ چکے تھے کہ رات کے جاگنے سے ضمیر روشن ہوتا ہے، یقینی

طور پر وہ اپنی رہائش گاہ جسے وہ حجرہ کہتے تھے میں جاگ رہے ہوں گے..... جا کر انہیں بتائے تو

سہی کہ ان کے بنائے ہوئے شعبے میں نشے کے مریضوں کا علاج کس طرح ہوتا ہے اور وہاں

کیا کیا جارہا ہے..... دل میں غم و غصے کا طوفان تھا، وہ کریم احمد کی کیفیت کا اندازہ کر رہا تھا،

بہت مختصر وقت میں ایک المناک کہانی اس تک پہنچی تھی، لیکن ایسے المیے نہ جانے کون کون

سے گھروں میں بکھرے ہوئے ہوں گے..... بوڑھے ماں باپ کی ترسی ہوئی آنکھیں جوان

بیٹے کے دکھ میں آنسو بہاتی ہوئی، بے شمار بہنوں کے بھائی اور ماؤں کے بیٹے، بیویوں کے

شوہر اس لعنت کا شکار ہیں اور کسی کو ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہے..... کون کس طرح اس

لعنت میں گرفتار ہوتا ہے..... یہ تو ایک الگ بات ہے لیکن قصور قصور واروں کا ہے، سزا بے

گناہوں کو ملتی ہے، اس نے بہت سی باتیں سوچیں..... اپنے باپ کو بتائے گا وہ کہ یہ طریقہ کار

موثر نہیں ہے، ذمے دار یوں کو پورا نہ کرنے والے ایک ٹھوس حیثیت رکھتے ہیں..... صرف

ایک شعبہ بنوادیئے سے کام نہیں بنے گا..... انسانوں کو تلاش کرنا ہو گا جو دکھوں کے ماروں کا

علاج کرنے کے لئے مستعد نظر آئیں۔ اور پھر اس جیسے کی جانب چل پڑا جو در دراز کو تھا

اور مرزا اعظم بیگ وہیں موجود ہوتا تھا، دور ہی سے اس نے دیکھ لیا کہ بند دروازے کی

دوسری جانب سے روشنی چھلک رہی ہے، وہ دروازے کے قریب پہنچا اور آہستہ سے

دروازے پر دستک دی..... دروازہ ہلکا سا دبا، گویا وہ اندر سے بند نہیں تھا، لیکن دوسری جانب

سے آواز نہیں آئی، دوسری اور تیسری دستک پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو طاہر نے سوچا کہ

شاید اس کا باپ عبادت میں مصروف ہو، چنانچہ دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہو گیا.....

تھا..... طاہر بیگ اپنی زندگی کی سب سے شدید حیرت کا شکار تھا..... جب یہ سب کام ختم ہو گیا تو اس نے کچھ بٹن چھیڑے، ایک جگہ Rewind لکھا ہوا تھا..... سر سر اہٹ سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ کوئی کیسٹ Rewind ہو رہا ہے، پھر جب ٹھک کی آواز کے ساتھ سر سر اہٹ رُک گئی تو اس نے باقی بٹنوں کو دیکھ کر Play بٹن دبا دیا اور ایک کھڑکھڑاہٹ سی بلند ہوئی، کچھ لمحوں کے بعد ایک مدہم سی آواز ابھری۔

”مرزا اعظم بیگ اس وقت پتا نہیں تم کہاں ہو..... رات کے اس حصے میں تمہیں موجود نہ پا کر حیرت ہوئی ہے، لیکن بہر حال پیغام ریکارڈ کیا جا رہا ہے..... سنو سنڈ کیٹ کے تین اعلیٰ افسران باڑی میں ہمارے اڈوں کی تحقیقات کرنے کے لئے ہانگ کانگ سے آرہے ہیں..... پہلا میسج پہنچ گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کے آنے کی تاریخ منہج کا بعد میں اعلان کیا جائے گا اور ہم سب کو آگاہ کر دیا جائے گا، لیکن بہر حال دوسرا پیغام جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے رہے اس لئے ایک تحقیقاتی مشن بھیجا جا رہا ہے..... آپ لوگوں کو سمجھنا چاہئے واقعات خاصی سنگین نوعیت اختیار کر چکے ہیں، اپنی سرگرمیاں فی الحال معطل کر دیں اور منشیات کے جتنے اڈوں سے سپلائی ہو رہی ہے..... وہاں فوری طور پر سپلائی روک دیں..... ہم جانتے ہیں کہ سپلائی رُک جانے سے بہت بڑے نقصانات ہوں گے، لیکن زیادہ بڑے نقصانات سے بچنے کے لئے یہ قدم اٹھانا ضروری ہے، چنانچہ مرزا اعظم بیگ آپ اپنے ستور ز پر ہدایت کر دیجئے کہ ایک میسج کی کوئی چیز فروخت نہ کی جائے اور گاہکوں سے کہہ دیا جائے کہ اگر ان کا دماغ خراب نہیں ہے تو وہ آئندہ ادھر کارخ نہ کریں..... انتہائی سخت اقدامات ہونے چاہئیں..... میں نے فوری طور پر یہ پیغام آپ کو دینا چاہا لیکن آپ چونکہ ٹرانسمیٹر پر موجود نہیں اس لئے یہ پیغام ریکارڈ کیا جا رہا ہے اس کے علاوہ آپ کو علم ہو گا کہ رمضان خان کو جیل سے آزادی دے دی گئی ہے لیکن اس گدھے نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا کہ وہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا ہے..... کہاں بھاگا ہے اس کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا، بات صرف یہ ہے کہ اگر پولیس حکام کو دوبارہ اس کی ضرورت ہوئی تو اسے موجود نہ پا کر وہ اس پر شبہ کریں گے اور پھر یہ شبہ ہم تک بھی پہنچ سکتا ہے، جیل میں ہلاک ہونے والے چوبیس افراد کے بارے میں فرداً فرداً تحقیقات ہو رہی ہیں..... یہ الگ مشکل مرحلہ ہے کیونکہ اس میں دانی شاہ کا نام بھی سامنے آئے گا..... بہر حال

صاف و شفاف حجرے میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اور ہر طرف خاموشی اور سنائے کا راج تھا، اس نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا اور آگے تک بڑھتا چلا گیا..... پتا نہیں مرزا اعظم بیگ کہاں چلا گیا، واش روم پر پہنچ کر اس نے واش روم کا دروازہ بھی کھول کر دیکھا، لیکن وہاں بھی خاموشی تھی..... واش روم کا دروازہ بند ہی کر رہا تھا کہ اچانک پرندوں کے پنجرے میں ایک چڑیا زور سے چیچی اور وہ چونک کر اس جانب متوجہ ہو گیا..... پرندے اس وقت کیوں چیخ رہے ہیں اس خیال کے تحت وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پنجرے کے پاس پہنچ گیا، لیکن پنجرے میں موجود پرندے خاموش تھے اور ان میں سے کسی کے انداز سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں، لیکن چڑیا کے چیخنے کی آواز دوبارہ ابھری اور اس بار طاہر بیگ کی آنکھوں نے اس چھوٹے سے چوکور بکس کا جائزہ لیا جو ایک کونے میں نصب تھا..... تیسری بار جب چڑیا کی آواز نکلی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز اسی بکس سے آرہی ہے اور پرندے نہیں چیخ رہے، لیکن پرندوں کے انداز میں اس آواز سے چونکنے کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا..... شاید وہ اس آواز کے عادی تھے، لیکن یہ کیا ہے..... طاہر بیگ حیرانی سے سوچنے لگانے جانے کیوں اس کے ذہن میں کچھ عجیب سے خیالات آنے لگے تھے..... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا، نہ جانے کیوں اس کے دل میں خیال ابھرا تھا کہ یہاں کی تلاشی لینی چاہئے..... چڑیا کے چیخنے کی آواز بے معنی نہیں ہو سکتی اور اسے پرندوں کے پنجرے میں کیوں لگایا گیا ہے..... ایک عجیب سی سنسنی اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی تھی، بس کوئی غیبی قوت ہی تھی جو اسے اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ وہ یہاں کی تلاشی لے، ایک ایک چیز کا جائزہ لیتا ہوا وہ ایک الماری تک پہنچ گیا اور پھر گہری نگاہوں سے الماری کا جائزہ لینے لگا..... الماری میں ایک سگار بکس دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں..... مرزا اعظم بیگ کبھی سگار استعمال نہیں کرتے تھے، پھر ان کی الماری میں سگار بکس کیوں موجود ہے..... اس نے وہ بکس نکال لیا، اسے ایک میز پر رکھ کر کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اندر سگار نہیں ہیں بلکہ ایک عجیب سی مشینری موجود ہے جس پر پوائنٹر بنے ہوئے ہیں..... زمانہ ناشناس نہیں تھا، کچھ ہی لمحوں کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ ٹرانسمیٹر ہے..... ننھے ننھے بلب اسپارک کر رہے تھے، وہ انہیں دیکھتا رہا کوئی دویا تین منٹ تک یہ بلب سپارک کرتے رہے اور اس کے بعد ایک بٹن روشن ہوا جس پر اوکے لکھا

ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھئے، ابھی میننگ کا کوئی پروگرام نہیں ہے..... میننگ کا وقت متعین ہونے پر آپ کو اطلاع دی جائے گی..... اوکے۔

طاہر کا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا..... اس پر حیرتوں کے دورے پڑ رہے تھے، کیا ہے خدایا یہ کیا ہے..... اس کے ذہن میں چلتی ہوئی آندھیوں سے آواز ابھری دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا، پھر بری طرح چونک پڑا اس نے سگار بکس نمائرا نسیمیٹر میں وہ بٹن تلاش کیا جس سے یہ لیسٹ فارورڈ کیا جاسکتا تھا..... کیسٹ Rewind ہونا شبہ میں بھی ڈال سکتا تھا اس نے اپنے ذہن و دل پر قابو پا کر پہلے کیسٹ کو اس جگہ تک فارورڈ کیا جہاں وہ آواز ختم ہوئی تھی اور اس نے بعد بٹن بند کیا، سگار بکس کو بند کر کے اسے واپس الماری میں رکھا اور الماری جی بند کر دی..... اسے چاروں طرف خوفناک سائے سے نظر آرہے تھے..... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لاتعداد آنکھیں اسے دیکھ رہی ہوں، لیکن ہر طرف نظر آنے والی آنکھیں مرزا عظیم بیگ کی ہی تھیں، سوچنے سمجھنے کی قوتیں جواب دیئے جارہی تھیں اور اس وقت اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس جگہ موجود دوسری چیزوں کا جائزہ لے، بس دل و دماغ میں ایک عجیب سا ہیجان برپا تھا، ہاتھ پیروں میں اٹھن ہورہی تھی سوچنا سمجھنا اس وقت اس کے بس کی بات نہیں تھی، لرزتے قدموں سے وہ باہر نکل آیا، دروازے کو اسی طرح بند کیا۔

اور پھر مہندی کی پاؤں کی آڑ لے کر تیز رفتاری سے دوڑنے لگا، حلق خشک ہو رہا تھا۔ آنکھیں حلقوں میں ڈکھ رہی تھیں نہ جانے کس طرح گرتا پڑتا وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا، وہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا..... مرزا طاہر بیگ اور ناظم بیگ شادی شدہ اور کئی کئی بچوں کے باپ تھے، طاہر ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے والدین سے منع کر دیا تھا..... فطرتاً نیک نفس نوجوان تھا، ویسے تو مرزا عظیم بیگ کے باقی دونوں بیٹے بھی فطرتاً ہی نیک انسان تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے باپ نے انہیں پیروں پر کھڑا کیا تھا لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنی ذمے داریاں جس طرح سنبھالی تھیں وہ قابل فخر بات تھی اپنے کاروبار کو انہوں نے چار چاند لگا دیئے تھے اور اپنے ملازمین کے ساتھ بہترین سلوک کرتے تھے..... نتیجے میں انہیں ان کی نیک نفسی کا صلہ بھی مل رہا تھا، لیکن طاہر بڑا پر جوش نوجوان تھا..... اپنے باپ پر جان دیتا تھا لیکن اس وقت اس کے دل و دماغ میں دھماکا ہو رہے تھے..... اس کا ساری زندگی کا مان لوٹ رہا تھا جو کچھ ٹیپ ریکارڈ میں سنا تھا اور

انداز میں اس تک رسائی ہوئی تھی وہ اب تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا..... بمشکل تمام جوتے اتارے اور کپڑوں سمیت بستر میں جا گھسا، کیا عجیب رات ہے دماغ کے پرچے اڑ کر رہ گئے ہیں..... وہ حادثہ ہی کیا کم تھا جس میں ایک شخص ہلاک ہو گیا اور دو مظلوم ماں باپ کی زندگی تارک ہو گئی، دل میں تو نہ جانے کیا کیا احساسات لے کر آیا تھا کہ باپ سے شکایت کرے گا، لیکن اس وقت جو انکشاف ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا، کوئی ایک بات جو سمجھ میں آرہی ہو اس کا مطلب ہے کہ مرزا عظیم بیگ کی ظاہری زندگی کے پس پردہ ایک پراسرار زندگی بھی ہے، وہ پیغام کس کا تھا، آواز کس کی تھی، سنڈکیٹ کے ممبر کون سے تھے اور کس سلسلے میں آرہے تھے، اس انداز میں کوئی کاروباری مسئلہ تو نہیں ہو سکتا تھا..... پھر یہ سب کیا تھا اور اس کے لئے یہ پراسرار طریقہ کار کیوں اختیار کیا گیا تھا آہ وہاں کیا کیا ہے مرزا عظیم بیگ، اس کا آئیڈیل، اس کا باپ جس کا احترام وہ باپ سے زیادہ ایک نیک نفس انسان کی حیثیت سے کیا کرتے تھے، کیا دہری زندگی کا مالک ہے اور دوسری زندگی میں وہ کیا کر رہے ہیں، وقت مرزا طاہر بیگ کے دماغ پر دستک دے رہا تھا اور یہ احساس دلارہا تھا کہ یہ سب کچھ کوئی نیک عمل نہیں ہے بلکہ اس کا اشارہ کسی اور ہی سمت ہے..... کم از کم پتا تو چلنا چاہئے، نقد پر اسی طرح انکشافات کرتی ہے، حادثے اسی طرح رونما ہوتے ہیں..... چوبیس افراد کا قتل دانی شاہ رمضان خان یہ سارا قصہ کیا ہے، اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی، ورنہ زندگی مشکل ہو جائے گی، پتہ تو چلنا چاہئے کہ آخر اصل معاملہ کیا ہے..... نیند اڑ گئی تھی اور دل و دماغ بری طرح تھک گئے تھے، پھر اس نے دل میں آخری فیصلہ کیا..... فیصلہ یہ تھا کہ مناسب وقت دیکھ کر مرزا عظیم بیگ کی اس پراسرار رہائش گاہ کے تالے کی چابی بنوائی جائے اور اس کے بعد اس وقت جب مرزا عظیم بیگ اپنے حجرے میں موجود نہ ہو اس کی بھرپور تلاشی لی جائے، ابھی اس سلسلے میں زبان بند رکھی جائے..... بھائیوں یا بہن سے تذکرہ بھی غیر مناسب رہے گا..... زبان سے نکلی بات نہ جانے کیا شکل اختیار کر لیتی ہے..... خدا کرے میرے ابو کسی مجرمانہ کارروائی میں ملوث نہ ہوں، خدا ہمیں کوئی برا وقت نہ دکھائے..... اگر میں نے یہ کاوشیں جاری رکھیں، بھائیوں کو اس میں شریک کر لیا اور ابو کسی برائی میں ملوث نہ نکلے تو انہیں کتنا دکھ ہو گا کہ میں ان پر کس طرح کا شک کرتا ہوں، وہ شک کے قابل تو نہیں ہیں لیکن پھر وہ جیتی چڑیا پرندوں کا بنجرہ، ٹرانسمیٹر اور اس میں ریکارڈ ہونے والا پیغام

سے الگ بیانات شائع ہوئے تھے اور وضاحت مانگی گئی تھی اور ان تمام ہنگامہ خیزیوں نے جن لوگوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا ان میں نادر حیات صاحب بھی تھے، اس وقت بھی تمام اخبارات اور ان کی طلب کردہ رپورٹیں ان کے سامنے پڑی ہوئی تھیں..... انہوں نے اپنے سنی ماتحت اداروں کو اس کام پر مامور کیا ہوا تھا، لیکن جو رپورٹیں انہیں حاصل ہوئی تھیں وہ بالکل بے مقصد اور بے کار تھیں، ان کی روشنی میں وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے..... اور اس دن کے بعد سے شہاب سے بھی نادر حیات صاحب کی ملاقات نہیں ہوئی تھی.....

شہاب کے جانے کے بعد انہوں نے شہاب کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا اور اب ان لوگوں کی اتنی انڈر سٹینڈنگ ہو چکی تھی کہ نادر حیات صاحب، شہاب کا موڈ سمجھ گئے تھے اور انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت زیادہ ناراض ہو گیا ہے..... نادر حیات صاحب دل سے اس کی عزت کرتے تھے اور وہ تھا بھی قابل عزت جس طرح اس نے محکمے کی ناک اونچی کر رکھی تھی وہ نادر حیات صاحب کے لئے بھی باعث فخر تھی، اس کا ناراض ہو جانا اپنی جگہ بالکل درست تھا لیکن نادر حیات صاحب کی مجبوریاں بھی اپنا ایک مقام رکھتی تھیں، ملک کی سیاست کو متحرک یا ڈسٹرب کرنے کی اجازت تو کسی کو نہ دی جاسکتی تھی اور جن لوگوں کے نام اس نے پیش کئے تھے ان میں کچھ تو ایسے تھے جنہیں چھوٹا بھی غضب ہو جاتا..... بہر حال نادر حیات صاحب اس وقت بے حد پریشان تھے، انہیں غصہ بھی آ رہا تھا کہ شہاب نے اس سلسلے میں بالکل خاموشی اختیار کر رکھی ہے، بہت غور و خوض کرتے رہے پھر اچانک ہی انہیں ایک اور احساس بھی ہوا، وہ اخبار جس نے اس تحریک کو دوبارہ زندہ کیا تھا..... نادر حیات صاحب اس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ شہاب ہی نے قائم کیا ہے اور کچھ ایسے تجربہ کار صحافیوں کو اس نے مراعات دے کر یہ اخبار نکلوایا ہے..... گو اس کا تعلق کبھی اس اخبار سے ظاہر نہیں ہوا تھا، لیکن کچھ ایسے لوگ تو بے شک اس بارے میں جانتے تھے جو شہاب سے بہت زیادہ قربت رکھتے تھے..... نادر حیات صاحب کو بھی ایک بار اس طرح کے شبہات ہوئے تھے لیکن ان کی براہ راست کوئی تصدیق نہیں ہو سکی تھی، بہر حال اب اس وقت مجبوری تھی..... انہوں نے خود بھی شہاب سے ملاقات سے گریز کیا تھا، لیکن اب یہ گریز ناممکن تھا، چنانچہ انہوں نے فون پر شہاب کو مخاطب کیا۔

”ہیلو۔“

میرے خدا میرے خدا، مرزا طاہر بیگ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا، دلی آرزو تھی کہ اس وقت نیند آجائے تاکہ ان خوفناک خیالوں سے پیچھا چھوٹ جائے لیکن ایک ایک تصور دل کو بے چین کر رہا تھا اور رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی، اس کجخت کے گزرنے کی رفتار بھی تیز نہیں ہے، صبح ہی ہو جائے تاکہ دوسری مصروفیات میں ذہن کو کچھ سکون ملے اس نے سوچا تھا۔



جیل میں زیر حراست چوبیس قیدیوں کی ہلاکت اتنا معمولی واقعہ بھی نہیں تھا کہ اسے صرف اتفاق قرار دے کر ختم کر دیا جائے، جو کارروائی سرکاری پیمانے پر ہوئی تھی وہ بھی قابل اطمینان نہیں تھی..... رمضان خان ٹھیکیدار کو رہا کر دیا گیا تھا..... باقی افراد پر مقدمہ قائم ہو گیا تھا، لیکن اخبارات اس واقعے کو فراموش نہیں کر سکے اور چند روز کی خاموشی کے بعد اچانک ہی یہ سلسلہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر شروع ہو گیا..... اخبارات نے اس سلسلے میں جواب طلب کیا تھا کہ قانون کی حفاظت اور حراست میں موجود لوگ کیا اتنے ہی ناقابل اعتناء تھے کہ ان کی موت بس ایک اتفاقی حادثہ قرار دے دی گئی، اگر یہ حادثہ بھی تھا تو اس حادثے کے ذمے داروں کے لئے فوری طور پر کیا کیا گیا..... سوال خاص طور سے اعلیٰ حکام سے کیا گیا تھا اور اس کے بعد ایک طوفان اگیا، ملک بھر کے اخبارات نے اس سلسلے میں اپنے اپنے تجربے شائع کئے اور حکومت سے سوالات کئے جانے لگے..... ایک ستم ظریف اخبار کے خصوصی رپورٹر نے تو قیامت ہی ڈھادی اور ان تمام لوگوں کے کوائف شائع کئے جو اس حادثے میں ہلاک ہوئے تھے..... ہلاک نمبر سولہ ان قیدیوں کے لئے مخصوص تھا جو جیل ریٹائرڈ پر جیل آئے ہوئے تھے، مقدمے مکمل بھی نہیں ہو سکے تھے اور صرف ان کے چالان پیش کئے گئے تھے..... ان تمام لوگوں کی تفصیلات اس نامہ نگار نے شائع کی تھیں کہ ان کے جرائم کیا کیا تھے اور ان میں سے کسی ایک پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا تھا اور انہیں اس طرح سزائے موت دے دی گئی تھی، ان میں سے لا تعداد لوگ ایسے تھے جو بے گناہ بھی قرار پاسکتے تھے، ان کی موت کا حساب کس کے ذمے ہے..... اخبارات کی ان ہنگامہ خیزیوں سے محکمہ داخلہ بھی گھبرا گیا اور ایک بار پھر اس کیس میں جان پڑ گئی، ہوم منسٹری سے سوالات کئے جانے لگے اور اس سلسلے میں ٹھوس اور مدلل جواب دینے کی تاکید کی گئی، ہائی کورٹ کی طرف

”ہوں گویا ہر قسم کے تعاون سے انکار کرتے ہو؟“
 ”مجال ہے آپ یقین فرمائیے میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔“
 ”اور اگر تم سمجھتے ہو کہ میں اس اخباری تحریر کے بارے میں نہیں جانتا تو میرا خیال ہے تمہارا یہ سوچنا غیر مناسب ہے۔“

”نہیں حضور والا یقینی طور پر تمام ذمہ دار حضرات اخبار ضرور پڑھتے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے شہاب ایک بحر ان آیا ہے، آخر کار ختم ہو جائے گا زیادہ سے زیادہ کچھ لوگوں کو استغفے دینے پڑیں گے، ہو سکتا ہے میں بھی ان میں شامل ہوں لیکن توقع نہیں ہے کہ تم اس حد تک نظر انداز کر سکتے ہو۔“ شہاب کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے جنون کے آثار ابھرے، نادر حیات صاحب اس وقت اسی کی طرف دیکھ رہے تھے..... انہوں نے اچھی طرح شہاب کی اس کیفیت کو محسوس کیا اور نہ جانے کیوں انہیں جھرجھری سی آگئی..... ایک عجیب رنگ دیکھا تھا انہوں نے شہاب کا پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”لکھ کر دیجئے کہ ان پانچوں افراد کو میں اپنے ہاتھ سے سزائے موت دے دوں، واقعات نئے اور اجنبی نہیں ہیں..... روزانہ اخبار میں اس قسم کے واقعات آتے رہتے ہیں..... پولیس مقابلے ہوتے رہتے ہیں، ہلاکتیں ہوتی ہیں کیا صرف کچھ مخصوص لوگوں کے لئے یہ ہلاکتیں جائز ہیں..... میں جانتا ہوں قانون کے رکھوالے قانون کی خواہش پوری کرنے کے لئے کچھ ایسے عمل کرتے ہیں جنہیں مختلف نام دے دیئے جاتے ہیں لیکن جناب یہ ناجائز ہے کہ یہ صرف چند ہی لوگوں کی تقدیر ہو، ہر شخص ملک کی بقاء کے خلاف اگر کام کرے تو اس کا قانون کی گرفت میں آنا ضروری ہے۔“

”شہاب، شہاب، شہاب، میں سمجھتا ہوں کم از کم تم جیسے پولیس آفیسر نے کبھی کسی ایسے شخص کو پولیس مقابلے میں ہلاک نہیں کیا ہو گا جو درحقیقت مجرم ہے۔“
 ”ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے اس کے بعد میری زبان کا بند ہو جانا ضروری ہے۔“

”شہاب کوئی موثر حل تلاش کرو کوئی ایسا طریقہ کار فوری طور پر اختیار کرو جس سے کم از کم تھوڑی بہت تسلی ہو، تم دیکھ رہے ہو اخبارات کس طرح لے دے کر رہے ہیں۔“
 ”سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں، جناب ایسا کرتے ہیں کچھ اخبارات کے

”نادر حیات بول رہا ہوں۔“
 ”لیں سر!“

”میرے پاس آؤ۔“

”بہتر سر۔“ شہاب نے مستعدی سے کہا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ نادر حیات کے کمرے میں داخل ہو گیا، سیلوٹ کیا اور آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا..... نادر حیات صاحب نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

”بیٹھو۔“ شہاب شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس طرح اس کیس سے چشم پوشی کر لو۔“

”میں سمجھا نہیں جناب عالی؟“ شہاب نے کہا۔

”جو کچھ ہوا ہے اس کا تمہیں اندازہ ہے اور اس کے جو نتائج سامنے آرہے ہیں اس کا بھی یقیناً تمہیں اندازہ ہو گا۔“

”بالکل ہے حضور عالی! لیکن اب دیکھئے نایہ اتنے بڑے لوگ ہیں کہ دو چار اس قسم کے جرائم تو ان کے حساب میں لکھے بھی نہیں جاسکتے، ملک و قوم کو انہوں نے جو کچھ دیا ہے اس کے احسانات پورے ملک پر اس قدر ہیں کہ دس بیس اور پچاس آدمیوں کو مار دینا ان کا حق ہے، اب آپ بتائیے ہم ان سے یہ حق کیسے چھین سکتے ہیں؟“

”شہاب میں اپنے عہدے سے ہٹ کر بھی اپنی دانست میں تمہارے لئے ایک حیثیت رکھتا ہوں کیا میرے ساتھ تمہارا یہ سلوک مناسب ہے؟“

”اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو ہر سزا کے لئے تیار ہوں..... افسران بالا تو بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور میں ہمیشہ افسران بالا کی بھرپور عزت کرتا ہوں، اس کے باوجود اگر کوئی گستاخی ہو گئی ہو تو۔“

”گویا تم میرے اس حق کو مسترد کر رہے ہو؟“

”توبہ توبہ احقر کی یہ مجال جناب عالی! اپنی جان کون مصیبت میں ڈالنا پسند کرے گا، میں تو ویسے بھی ایک بے وسیلہ آدمی ہوں، میرے پاس تو ایسی کوئی سفارش بھی نہیں ہے کہ کوئی میرے معطل ہو جانے پر میری نوکری بحال کرادے..... حضور انور حکم فرمائیے جو حکم دیں گے اس کی تعمیل کروں گا، نوکری تو کرنی ہی ہے۔“

ڈیکلریشن منسوخ کرائے دیتے ہیں یا پھر پہلے انہیں وارننگ دے دی جائے کہ اس بارے میں کوئی خبر شائع نہ کریں اور اگر وہ اس وارننگ کو نہیں مانتے تو پھر ان پر کوئی الزام لگا دیتے ہیں۔“ نادر حیات خاموش ہو گئے، دیر تک خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم جس طرح مناسب سمجھو۔“

”نہیں سر آپ کے احکامات ہر حالت میں ضروری ہیں، اصل میں کچھ عجیب سی کیفیت ہے میری سر یہ بات آپ خود جانتے ہیں کہ انسان کسی فیلڈ میں آنے کے بعد اپنے لئے مختلف راستے تلاش کر لیتا ہے اور مجھے دیکھے کتنی بار ترقی ہوئی اور کتنی بار تنزلی میں نے ترقی سے زیادہ تنزلی کو اہمیت دی اور اس کی وجہ آپ جانتے ہیں اور پھر میرے اور آپ کے درمیان جس رشتے کا آپ نے تذکرہ کیا ہے اس کی بنیاد یہی تھی کہ ہم کسی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر اپنے قانونی فرائض قانونی طریقے سے سرانجام دیں گے جس کی کوئی بہت بڑی اہمیت ہو اور جو دوسروں کے لئے ناقابل تسخیر ہو، یہ معاہدہ تھاندار حیات صاحب میرے اور آپ کے درمیان میں نے آپ کو جو تفصیل پیش کی تھی وہ ٹھوس اور مدلل تھی اور آپ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن وہی مجبوریاں آڑے آگئیں۔“

”مجھے صرف ایک بات بتاؤ کیا تم اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر میں اپنے طور پر کوشش بھی کروں اور ان شخصیتوں کی گرفتاری کے لئے حکام بالا سے درخواست کروں تو کیا وہ درخواست منظور ہو جائے گی؟“ شہاب خاموش ہو کر سوچنے لگا تو نادر حیات صاحب نے کہا۔

”اور اگر نہیں یقین کر رہے تو پھر ٹھیک ہے مجھے بتاؤ کیا چاہتے ہو، میں آغاز کرتا ہوں اور اس کے بعد ہم ہر طرح کے نتائج کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں گے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہر ذمے داری اپنے آپ قبول کروں گا اور تم پر آج نہیں آنے دوں گا۔“ شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے کہا۔

”سر! ایک اجازت چاہتا ہوں؟“

”کیا؟“

”شادی کرنے کا خواہش مند ہوں۔“ نادر حیات صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے

پھر بولے۔

”کیا مطلب کیا اس کے لئے بھی مجھ سے اجازت لینا ضروری ہے؟“

”جی ہاں اپنے اس رشتے کی وجہ سے جو میرے اور آپ کے درمیان قائم ہے۔“

”بھئی بھئی کچھ نہیں سمجھ سکا ہوں کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو، کیا کہنا چاہتے ہو بتاؤ تو سہی؟“

”سر شادی کرنا چاہتا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔“

”تو کر لو بھائی، میں نے انکار کیا ہے۔“

”اس کے بعد ہنسی مون پر تو جانا ہی ہو گا۔“ نادر حیات صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ شہاب کو غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، شہاب نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

”حالات کا مقابلہ کیجئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم لوگ نرم رویہ اختیار کریں، آخر کار معاملہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کر جائے گا، لیکن اس کے بعد نادر حیات صاحب۔۔“ اس کے بعد نادر حیات صاحب سر جھکا کر خاموشی سے سوچنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

”ہاں دونوں ہی صورتیں خوفناک ہیں اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کیا رائے ہے تمہاری؟“

”بس وہی جو کہ عام طور سے ہوتا ہے تھوڑی سی بھاگ دوڑ، کچھ لوگوں کی گرفتاری، ہنگامہ خیزی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ حالات کے معتدل ہو جانے کا انتظار اس کے علاوہ اور کچھ کیا جاسکتا ہے لیکن بعد میں.....“

”ہاں مجھے یہی اندازہ ہو رہا ہے تم سے مشورہ لینا چاہتا تھا، ٹھیک ہے ٹھیک ہے لیکن اپنے دماغ کو قابو میں کرو مجھ سے منحرف ہونے کی ضرورت نہیں اگر تمہارے پاس کوئی حل ہے تو مجھے بتانا میں تعاون کروں گا۔“

”بہتر۔“ شہاب نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا..... نادر حیات صاحب مسکرا کر بولے۔

”اب بھی ناراض ہو؟“ شہاب نے نادر حیات صاحب کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

”آپ جیسے افسر سے ناراض ہو کر دل کو ڈکھ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔“

”سچ کہہ رہے ہو۔“

”ہاں۔“

”شکریہ۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب سیلوٹ کر کے ان کے کمرے سے باہر نکل آیا، درحقیقت اس نے نادر حیات صاحب کو جو مشورہ دیا تھا وہ اس وقت کی مصلحت تھی، اس ہنگامہ خیزی کو ٹالنا ہی تھا، یہ الگ بات ہے کہ اس ہنگامے کا آغاز اس نے اپنے دیرینہ دوستوں کے تعاون سے کیا تھا اور اس میں مکمل طور سے کامیاب رہا تھا۔



یہ روایت یہاں غلط ہوتی نظر آرہی تھی کہ غلط کمائی سے پرورش پانے والی اولاد غلط ہی ہوتی ہے، اللہ کے کام اللہ ہی جانتا ہے کہ کہاں کیا کرنا ہے..... غالباً مرزا اعظم بیگ کے چاروں بچے مرزا اعظم بیگ سے انتہائی مختلف شخصیت رکھتے تھے..... طاہر بیگ تو اپنے کالج کا سٹوڈنٹ لیڈر بھی رہا تھا، انتہائی پر امن اور تعمیری تصورات کا حامل اس کی ایک شاندار رپورٹ تھی اور اس کے علاوہ ذہنی طور پر بھی وہ مختلف قسم کا انسان تھا..... ہمدرد انسانیت کا پرستار، برائیوں سے گریزاں ان سب کے لئے ان کا باپ ایک آئیڈیل شخصیت رکھتا تھا اور وہ باپ ہونے کے علاوہ ایک انسان کی حیثیت سے بھی مرزا اعظم کا دل سے احترام کرتے تھے کیونکہ وہ بہت مختلف شخصیت کا مالک تھا، غریبوں سے ہمدردی رکھنے والا ان کے لئے بساط بھر بہت کچھ کرنے والا چنانچہ مرزا اعظم بیگ کی رہائش گاہ میں طاہر نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے اسے دیوانہ کر دیا تھا، بار بار اپنے آپ کو سمجھاتا تھا کہ ہو سکتا ہے اس کا تمام خیال غلط ہو..... ہو سکتا ہے صرف نگاہ کا دھوکا ہو، مرزا اعظم بیگ کی شخصیت کے ساتھ تو کسی ایسی برائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جو اس وقت اس کے دل میں شبہ بن گئی تھی، باپ کے کسی عمل پر چشم پوشی بھی اختیار کی جاسکتی تھی، لیکن کبخت دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے، مان کر ہی نہیں دے رہا تھا اور اس کا صرف یہی حل تھا کہ اس کی چھان بین کی جائے..... باپ سے براہ راست کوئی سوال کرنا تو بے حد خطرناک تھا، پہلی بات تو یہ کہ باپ پر اس طرح کی گرفت کی ہی نہیں جاسکتی تھی..... پھر یہ کہ اگر صورت حال غلط نکلی تو مرزا اعظم بیگ کو ٹھیس پہنچے گی، آہ کیا کروں اس سلسلے میں اپنا رازدار بھی نہیں بنا سکتا، کسی کو آخر کار یہی فیصلہ کیا کہ خود ہی جس طرح ممکن ہو سکے چھان بین کی جائے اور اس کے لئے اس نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا..... سب سے پہلے اس نے اس حجرے کی ایک چابی بنوائی اور اس کے بعد منتظر رہا کہ مرزا اعظم بیگ کا کوئی ایسا پروگرام ہو جس میں اسے یقین ہو کہ اسے خاصا

وقت اس جگہ کی تلاشی کامل جائے گا تو پھر کارروائی کرے اور چھ یا سات دن کے بعد اسے اس کا موقع ملا تھا، اس دوران وہ مرزا اعظم بیگ کے تمام پروگراموں پر گہری نگاہ رکھ رہا تھا، ابھی تک اس نے اپنے انداز میں کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہونے دی تھی جس سے مرزا اعظم بیگ کو کسی قسم کا کوئی احساس ہو جائے لیکن آج یہ معلوم کر کے کہ مرزا اعظم بیگ اس رات گھر پر موجود نہیں ہوگا، اس نے اپنے طور پر مکمل ارادہ کر لیا کہ آج کی رات وہ مرزا اعظم بیگ کے حجرے میں گزارے گا اور تمام تر صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے گا..... رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے جب سارا گھر اپنی ذمے داریوں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے بیدرومز میں داخل ہو گیا اور خاصا وقت گزر گیا تو طاہر بیگ اپنی جگہ سے اٹھا اور دھڑکتے دل کے ساتھ باپ کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا، ذہن میں لا تعداد سنسنی خیز خیالات لئے دکی ٹکٹس کا شکار اس کے قدم آہستہ آہستہ حجرے کی جانب بڑھ رہے تھے، وہ جس کیفیت سے دوچار تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ باپ سے بے پناہ الفت تھی، ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور عیش و عشرت میں پل کر اپنے ماحول سے منحرف ہو جاتے ہیں، لیکن یہ وہ تھے جنہیں ان حالات کے باوجود اپنے ماں باپ سے بے پناہ الفت تھی اور کسی بھی طور کبھی وہ مرزا اعظم بیگ سے منحرف نہیں ہوئے تھے..... اس میں کوئی بھی شک نہیں تھا کہ مرزا اعظم بیگ ایک بے مثال باپ تھا..... اپنے بچوں کے لئے اس نے ہر طرح کی راہیں ہموار کر دی تھیں اور کسی کو بھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اپنے تمام وسائل سے کام لے کر ان کی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں لگ جاتا اور آخر کار ایسا کر کے ہی دم لیتا..... ایک ایسے باپ کے لئے دل میں اس قسم کے شکوک و شبہات خود طاہر بیگ کے لئے بڑے اذیت ناک تھے لیکن اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ چکا تھا اسے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، ٹرانسمیٹر پر مخصوص طریقے سے ریکارڈ شدہ پیغام باقاعدہ مرزا اعظم بیگ کے نام تھا اور اس تمام وقت سے طاہر بیگ اس کوشش میں مصروف رہا تھا کہ اس پیغام کی حقیقت تلاش کرے..... ویسے طریقہ کار بھی عجیب تھا..... پرندوں کے پنجرے، چڑیا کے چیخنے کی آواز اور وہ صرف ایک نشانی ہوتی تھی کہ ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام موصول ہوا ہے..... ان تمام چیزوں کو نظر انداز تو نہیں کیا جاسکتا تھا..... وطن دشمن لا تعداد تھے اور وطن عزیز کو نقصان پہنچانے والوں کی کارروائیوں کو بڑی ڈھک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا..... طاہر بیگ ہی

نہیں بلکہ مرزا بیگم کے باقی تینوں بچے بھی ذہنی طور پر وطن پرست تھے۔ ان کے افکار و خیالات سے یہ اندازہ با آسانی لگایا جاسکتا تھا اور مرزا طاہر بیگ تو وطن کے معاملے میں بہت ہی جذباتی تھا۔ اس کا اظہار بھی بارہا ہو چکا تھا۔ اپنے کالج کی یونین کالیدز بھی رکھتا تھا اور وطن پرستی میں بہت سے بیانات ہی نہیں بلکہ بعض غیر ملکی معاملات پر اس نے ہڑتالیں بھی کی تھیں۔ وہ سب دکھاوا نہیں تھا، بلکہ سچ مچ وہ ایک جذباتی نوجوان تھا اور اب دل پر جو گھاؤ لگا تھا اس نے اسے بے قرار کر دیا تھا۔ قرب و جوار کا جائزہ لینے کے بعد وہ حجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مدہم مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس بات پر اسے یقین تھا کہ مرزا اعظم بیگ واپس ابھی نہیں پہنچے گا۔ اس کی اپنی معلومات یہ ہی تھیں۔ پراسرار ماحول میں خاموشی طاری تھی۔ پرندے سو رہے تھے، پرندوں کی یہاں موجودگی صرف ایک دکھاوا تھی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔ بہر حال مرزا طاہر بیگ نے ہر طرح کے خطرات مول لے کر حجرے کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ الماری میں وہ ٹرانسمیٹر موجود تھا۔ اسے کھول کر اس نے اس پر پیغام کو سنا لیکن اب وہ پیغام اس میں ریکارڈ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی نیا پیغام موجود تھا۔ ٹرانسمیٹر کے ٹیپ ریکارڈ کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا اور اس کے بعد الماریوں وغیرہ کا جائزہ لینے لگا۔ ان تمام کاموں کے لئے اس نے اپنا طریقہ کار مکمل کر لیا تھا، لیکن مرزا اعظم بیگ بھی بے وقوف نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک اسے اس بات کا کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے معاملات کو جاننے کے لئے کوئی کوششوں میں مصروف رہتا ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنے طور پر محتاط رہتا تھا اور اس پیغام کو سننے کے بعد اس نے صاف کر دیا ہو گا۔ یہاں کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہوئی جو باپ کے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکتی۔ سوائے ایک ڈائری کے۔ یہ ایک چھوٹی سی ڈائری تھی جو مسہری کے سرہانے کی میز کی دراز میں ملی لیکن اس ڈائری پر جو کچھ درج تھا، وہ مرزا طاہر بیگ کے لئے ناقابل فہم تھا۔ غالباً کوئی کوڑ زبان تھی۔ چھوٹے چھوٹے نام لکھے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے ہندسے اور لکیریں جو بالکل سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ وہ دیر تک ڈائری کو دیکھتا رہا۔ اس ڈائری کو یہاں سے لے جانا کسی طور مناسب نہیں تھا، کیونکہ اس سے باپ کو شبہ ہو جاتا اور پھر پتا نہیں مرزا اعظم بیگ اس بارے میں کیا سوچتا۔ کافی دیر تک طاہر بیگ اس حجرے کی تلاشی

لیتا رہا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں پھیل گئیں۔

”اس بات پر میں یقین نہیں کر سکتا ڈیڈی کہ یہ ٹرانسمیٹر بے مقصد ہے۔ یقینی طور پر اس کے پس پردہ کچھ ہے اور میں، میں آپ کے قدموں کی خاک ہوں، ایک حقیر ذرہ ہوں آپ کے لئے لیکن میرا وطن، میرا پیارا وطن، ڈیڈی شاید ترازو کے دو پلڑوں میں اگر ایک طرف آپ کو رکھا جائے، دوسری طرف میرے وطن کے نام کو۔ تو میں اپنے وطن کے نام کو وزنی دیکھنا پسند کروں گا۔ آپ کو نہیں۔ آپ میرے باپ ہیں، میرے جنم داتا ہیں۔ آپ لیکن جس مٹی سے میں نے جنم لیا ہے۔ وہ میرے سینے پر زیادہ بھاری ہے۔ آہ ڈیڈی کاش، کاش وہ سب کچھ نہ ہو جو میں سوچ رہا ہوں۔ کاش کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ وہ نہیں ہیں جو میرے سامنے آئے ہیں۔“ وہ گویا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ مرزا طاہر بیگ کی آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن پھر اس نے یہ آنسو خشک کر ڈالے۔ ہر چیز اس کی جگہ رکھی۔ دروازے تک پہنچا اور واپس پلٹ کر بڑبڑایا۔

”ڈیڈی! آپ کو میں انتہائی تلاش کروں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ کاش میں بھی وطن کے لئے ان شہیدوں میں اپنا نام لکھوا جاؤں جو وطن پرستی میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔“ وہ آہستہ سے دروازہ بند کر کے اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا۔ دوسرے دن ناشتے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔ مرزا طاہر بیگ ان دنوں تکدر کا شکار رہتا تھا۔ رات کی ناکامی سے وہ ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا، جسے کوئی نام نہیں دے سکا تھا، لیکن بس ذہن پر بحران سا سوار رہتا تھا اور شاید اس بات کو اس کے بڑے بھائی اطہر نے محسوس کر لیا۔ کہنے لگا۔

”طاہر تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ طاہر نے چونک کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور بولا۔

”کیوں بھائی صاحب۔۔۔ خیریت؟“

”نہیں نیر بھی کہہ رہی تھی کہ طاہر ان دنوں کچھ الجھا الجھا سا ہے۔۔۔ کوئی بات ہے؟“

”نہیں۔۔۔ نیر بھائی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”بھئی۔۔۔ اس وقت بھی دیکھو۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بے خوابی کا شکار رہے ہو۔۔۔ چہرے کی اڑی ہوئی رنگت بتا رہی ہے، ویسے میں تو اطہر سے کہہ رہی تھی کہ اب طاہر

کے لئے بھی کچھ سوچو۔“

”کیا؟“ طاہر نے کہا۔

”بھی تمہاری شادی کرنی ہے ہمیں۔“

”لیجئے..... کیوں بھابی کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔“ طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا..... یعنی جب انسان سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی شادی

کردی جاتی ہے؟“

”شادی بذاتِ خود ایک غلطی ہے۔“

”سن رہے ہیں آپ ڈیڈی! اپنے صاحبزادے کی باتیں۔“ نیر بھابی نے مسکراتے

ہوئے مرزا اعظم بیگ و مخاطب کیا جو کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا..... وہ چونک کر بولا۔

”ایں..... کیا..... مجھ سے کچھ کہا؟“

”آپ کہاں ہوئے ہوئے تھے ڈیڈی؟“

”نہیں کوئی خاص بات نہیں۔“

”یہ طاہر کو دیکھ رہے ہیں آپ..... کیسا بیمار بیمار سالگ رہا ہے۔“ مرزا اعظم بیگ نے

چونک کر طاہر کو دیکھا اور بولا۔

”ارے ہاں..... اس کی آنکھوں میں تو حلقے پڑ گئے ہیں..... خیریت کیا بات ہے

طاہر..... بیمار ہو تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔“ طاہر چند لمحوں سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

”بیماری ایسی ہے ڈیڈی! جس کے بارے میں کچھ بتاتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے۔“

”کیوں کیا ہوا خیریت؟“ مرزا اعظم بیگ نے چونک کر پوچھا۔

”خیریت..... ہم تو خیریت سے ہیں لیکن بے شمار افراد خیریت سے نہیں ہیں..... میں

اکثر اتوں کو یہ سوچتا رہتا ہوں ڈیڈی کہ ان مظلوم لوگوں کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

”کن مظلوم لوگوں کی بات کر رہے ہو بھی..... تم تو ویسے بھی ڈرائیڈر ٹائپ کے

آدمی ہو..... اب کون سے مظلوم طبقے کی بات سامنے لے آئے ہو؟“

”ڈیڈی چند روز پہلے ایک عجیب واقعہ ہوا ہے اور میں یہ سوچتا ہوں کہ آپ نے بچپن

لاکھ روپے سالانہ کی رقم جس ہسپتال کے لئے مخصوص کی ہے یا پینتالیس لاکھ روپے سے

منشیات کے عادی افراد کے لئے شعبہ بنایا ہے، وہاں موجود ذمے دار افراد آپ کی دی ہوئی رقم

سے عیش کر رہے ہیں..... خوب مزے لے رہے ہیں..... ان لوگوں کے لئے کچھ نہیں ہے

جن کیلئے آپ نے اپنے درد مند دل سے کام لیتے ہوئے اتنی بڑی رقومات خرچ کر ڈالی ہیں۔“

”کیوں کیا ہوا؟“ مرزا اعظم بیگ نے چونک کر سوال کیا اور طاہر گزرے ہوئے

واقعات بتانے لگا۔

”اس نوجوان کو میں بری حالت میں ہسپتال لے گیا تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ میں آپ

کا بیٹا ہوں..... جو طریقہ کار انہوں نے اختیار کیا اور رویہ اختیار کیا گیا اس کے نتیجے میں اس

شخص کی موت واقع ہو گئی۔ ڈیڈی یہ ہے آپ کی دولت کا مصروف؟“

”اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔“

”بس ڈیڈی میں سخت بد دل ہوں۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... ان لوگوں کو اس کی سزا ملے گی، میں کل ہی اس سلسلے

میں ایکشن لیتا ہوں۔“ ناظم بیگ اور اطہر بیگ خاموشی سے یہ تفصیل سن رہے تھے، صدف

نے کہا۔

”میں تو کہتی ہوں ڈیڈی! جتنے ذمے دار منشیات فروش ہوتے ہیں اتنے ہی ذمے دار وہ

لوگ بھی ہیں جو ان کا علاج کرتے ہیں..... اس علاج سے اگر گردن موڑی جائے تو میں سمجھتی

ہوں کہ وہ لوگ قابل سزا ہیں۔“

”میں اس سلسلے میں پورا پورا ایکشن لون گا، تم لوگ بے فکر رہو۔“ بعد میں جب

مرزا اعظم بیگ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور باقی لوگ بھی ناشتے کی میز سے چلے آئے تو طاہر نے

صدف سے کہا۔

”صدف کیا خیال ہے آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“

”چلے بھائی جان! میں خود اس سلسلے میں کئی ایسے لوگوں کو دیکھ چکی ہوں..... ایک

نوکرانی آتی ہے ہمارے ہاں کام کرنے کے لئے..... میری اس سے بات ہو گئی تھی اور میں

نے بھی ایک کام کیا ہے۔“

”کیا؟“

”تین بچے تھے اس کے، شوہر ہیروئن استعمال کرتا تھا..... اسے مارتا تھا، ساری تنخواہ

کے پیسے چھین لیا کرتا تھا..... ایک دن میں نے اس کے رخسار پر ایک زخم دیکھا تو اس سے

رمضان خان سارے معاملات سے گزر رہا تھا..... جنونی قسم کا آدمی تھا، جاہل، مکمل طور سے غیر تعلیم یافتہ، دولت کے لئے سب کچھ کر ڈالنے والا..... چوبیس افراد ہلاک ہو گئے تھے، لیکن اس کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوا تھا..... کچھ بھی نہیں سوچا تھا اس نے اس بارے میں..... بس اپنے طور پر اپنا دفاع کرتا رہا تھا..... پیسے اتنے مل گئے تھے کہ دل پر کوئی داغ نہیں آسکا تھا..... مرنے والے مر گئے..... انہیں مرنا ہی تھا..... اس دوران جس طرح انکوائری ہوتی رہی..... اس نے پوری ہمت کے ساتھ سب کچھ برداشت کیا تھا اور آخر کار رہا ہو گیا تھا..... رہا ہونے کے بعد اس نے کئی دن تک خاموشی اختیار کئے رکھی..... ڈاکٹر حیات سے بھی کوئی رابطہ نہیں قائم کیا گیا تھا..... اہل خاندان ان سارے معاملات سے ہمیشہ ہی بے نیاز رہا کرتے تھے..... اب بھی انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ رمضان خان کیا کر بیٹھا ہے، پھر اس نے خود ہی ڈاکٹر حیات سے رابطہ قائم کیا۔ ڈاکٹر حیات نے اسے ہدایت کردی تھی کہ کبھی کلینک وغیرہ میں اس سے بات نہ کرے، بلکہ گھر ٹیلی فون کرے اور ٹیلی فون بھی اپنے گھر سے نہ کرے، بلکہ کسی پبلک کال بوتھ سے کرے، چنانچہ اس نے ایک پبلک کال بوتھ سے ڈاکٹر حیات کو فون کیا اور دوسری جانب سے اس کی آواز پہچان کر بولا۔

”رمضان خان بول رہا ہے صاب..... آپ کا خادم، آپ کا غلام۔“

”کیا بات ہے؟“ دوسری طرف ڈاکٹر حیات کا لہجہ ترش تھا۔

”صاحب یہ معلوم کرنا ہے کہ آگے میرے کو کیا کرنا ہے؟“

”ابھی تک تمہیں اکیلا چھوڑا گیا ہے۔“

”نہیں..... مائی باپ..... وہ تو میرے کو معلوم ہے کہ آپ لوگ ایسا نہیں کرتے ہو۔“

سوال کیا کہ یہ زخم کیسا ہے؟ پہلے تو وہ مالتی رہی اور آخر کار پھٹ پڑی..... اس نے اپنے شوہر کے بارے میں تفصیلات بتائیں، پھر بھائی جان! میں نے اپنے ملازموں کی مدد سے اس آدمی کو پکڑ دیا اور ہسپتال پہنچا دیا..... اب میں اس کی مکمل نگرانی کرتی ہوں۔“

”اگر ہم منشیات فروشوں کے خلاف بولی قدم اٹھانے کی کوشش کریں صدف تو کیا تم اس میں میرا ساتھ دو گی؟“

”خدا کی قسم دل و جان سے۔“

”اور اگر وہ منشیات فروش کچھ ایسے لوگ نکلیں، جن سے ہمارے قریبی رابطے ہوں تو تمہارا کیا رد عمل ہو گا؟“

”دیکھیں بھائی جان! انسان جب نیکیوں کے راستوں پر چلتا ہے تو پھر اپنے یا پرائے نہیں دیکھنے چاہئیں۔ ورنہ وہ کسی بھی کام میں مخلص نہیں ہو سکتا۔“

”سوچ لو صدف یہ بہت بڑا مشن ہے جو ہم لے کر چلیں گے..... اس کے لئے ہمیں بہت سے نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔“

”اگر ہمارے اس مشن سے کچھ لوگوں کی زندگی سنور جاتی ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں اس کے لئے جان دے دینی چاہئے..... اگر دل میں جذبے پیدا ہوں تو اسی پیمانے پر پیدا ہونے چاہئیں، ورنہ منافقت بے معنی چیز ہوتی ہے۔“

”سچ کہہ رہی ہو صدف؟“

”دل و جان سے بھائی جان! آپ آزما کر دیکھ لیجئے۔“

”ٹھیک ہے..... تو پھر اس مشن کا آغاز کرنا ہی ہو گا۔“ مرزا طاہر بیگ نے کہا اور پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔



”تو پھر تمہارے اوپر یہ مصیبت کیوں سوار ہوئی ہے؟“

”صاحب ہدایت تو لینا ہوتی ہے ناں..... ڈائریکٹر صاحب سے۔“

”ڈائریکٹر کے بچے! جب تک میں خود تم سے کوئی بات نہ کہوں..... ادھر آنے کی کوشش مت کرنا..... نہ کلینک، نہ گھر تم سے میرا کوئی رابطہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے۔“

”اے صاحب! اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا ہے۔“ رمضان خان کچی گولیاں نہیں کھیا ہوا..... ”پولیس والا لوگ نے کیا کیا کوشش نہیں کی مگر رمضان خان۔“

”گدھے..... ٹیلی فون بند کرو اور یہ بکواس بالکل بند کر دو..... کیا تم پاگل ہو گئے ہو یا کوئی نشے کی چیز کھالی ہے؟“

”اے بھی ٹھیک ہے صاحب! اگر غلطی ہو تو معافی۔“ رمضان خان نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا، لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس سے کچھ فاصلے پر کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے..... یہ نگرانی تو اسی دن سے جاری تھی جب سے وہ رہا ہوا تھا..... ایک سایہ سا ہمیشہ

اس کے پیچھے لگا رہتا تھا لیکن رمضان خان اس پائے کا آدمی نہیں تھا کہ ایسی باتوں کو محسوس کر لیتا..... وہ اس طرف توجہ بھی نہیں دے سکتا تھا..... اس وقت بھی وہ سایہ اس کے پیچھے لگا ہوا تھا..... رمضان خان ٹہننے والے انداز میں آگے بڑھا..... پان کی ایک دکان پر پہنچا.....

اسے پان کھانے کا شوق تھا..... دکان کھلی ہوئی تھی اس نے اپنی پسند کا پان لیا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھا..... تھوڑی دیر کے بعد ایک سیاہ رنگ کی کار اس کے پاس آکر رُک گئی اور کھڑکی سے ایک آدمی نے گردن نکال کر کہا۔

”رمضان خان اندر آ جاؤ۔“ رمضان خان چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”کیا ہوا تجھے بھی؟“

”بکواس بند کرو اور اندر آ جاؤ۔“

”ارے..... ارے..... میرا تیر کیا واسطہ؟“

”تمہیں بلایا گیا ہے اور تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے جسے ابھی فون کر رہے تھے اسی نے مجھے بھیجا ہے۔“ رمضان خان ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوبا، تو اس شخص نے کہا۔

”تمہارا دماغ واقعی خراب معلوم ہوتا ہے..... کیا سڑکوں پر اتنی بات سوچی جاتی ہے۔“

”ٹھیک ہے پہلوان..... ابھی تم رمضان خان کو بزدل مت سمجھو..... تم کوئی بھی ہو چلو چلتے ہیں۔“ پھر رمضان خان پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا اور کار سٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی۔

”اے بھی بولو..... میں کس کو فون کرتا تھا؟“

”رمضان خان! کیا اس بات کا موقع ہے کہ تم ایسی بات پوچھو؟“

”یار کمال کرتے ہو تم لوگ بھی..... جب اپنا مطلب ہوتا ہے تو خان صاحب! خان صاحب! کرتے ہو اور کام نکل جاتا ہے تو تمہارا لہجہ اتنا خراب ہو جاتا ہے کہ غصہ آنے لگتا ہے۔“

”دیکھو رمضان خان! میں تو ملازم قسم کا آدمی ہوں..... تمہیں بلا کر لانے کی ہدایت کی گئی ہے اور میں لے آیا ہوں۔“ پھر رمضان خان کو ایک ہوٹل میں لے آیا گیا اور ہوٹل میں ایک کمرے میں پہنچا کر کہا گیا۔

”تم یہاں بیٹھو..... کوئی تم سے ملے گا اور تمہیں تمام صورت حال بتا دے گا۔“ پھر جو شخص رمضان خان کے پاس پہنچا تھا اس کے چہرے پر نقاب لگی ہوئی تھی..... رمضان خان کافی پریشان ہو گیا تھا..... یہ عجیب سی مشکل آپڑی تھی اس پر..... اس نے نقاب پوش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے صاحب؟ میرے کو ادھر کیوں بلا کر لائے ہو؟“

”دیکھو رمضان خان، تم نے جو کچھ کیا ہے وہ معمولی نوعیت کا ہے..... ہم مستقل طور پر تمہارے تحفظ کے بارے میں غور کرتے رہے ہیں اور یہ فیصلہ کرتے رہے ہیں کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے..... پولیس یقینی طور پر تمہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کرے گی..... تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ شروع سے لے کر اب تک پولیس کا ایک آدمی تمہارے پیچھے لگا رہا ہے۔“

”سی آئی ڈی والا؟“

”ہاں۔“

”میں نے نہیں دیکھا صاحب!“

”وہ لوگ اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔“

”تو پھر اب میں کیا کروں؟“

”رمضان خان! پولیس والے بڑے چالاک ہوتے ہیں..... تمہیں بے شک چھوڑ دیا گیا

ہے، لیکن وہ مسلسل تمہاری نگرانی کر کے معلومات حاصل کر رہے ہیں..... تم احتیاط بھی نہیں کر رہے۔“

”صاحب! مجھے کچھ نہیں معلوم..... یہ سارا کام میں نے پہلے تو نہیں کیا۔“

”چوبیس افراد ہلاک ہوئے ہیں رمضان خان..... معمولی بات نہیں ہے..... تم اخبار بھی نہیں پڑھ سکتے..... ورنہ دیکھتے کہ اخبارات کتنا شور مچا رہے ہیں۔“

”مگر صاحب آپ کون ہو؟“

”بکواس بند کرو..... یہ فضول سوالات ہیں..... کیا اس سے پہلے سب لوگ تم سے۔“

”نہیں صاحب! میں ایسے ہی پوچھ بیٹھا۔“

”سنو..... جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ غور سے سنو..... اب اس کے بعد تم گھر سے باہر

نہیں نکلو گے..... اپنے گھر میں مقیم رہو گے..... ایک یا دو دن کے اندر تمہیں کاغذات دے

دیئے جائیں گے، جن میں تمہارا پاسپورٹ وغیرہ بھی ہو گا اور پھر تم یہ ملک چھوڑ دو گے۔“

”ابھی صاحب کیسے چھوڑ دوں گا یہ ملک..... ادھر میرے سارے بیوی بچے لوگ بھی

رہتے ہیں۔“

”ایک مہینے کے لئے رمضان خان..... صرف ایک مہینے کے لئے..... ہم اس دوران

سارا ہندوستان مکمل کر لیں گے..... ایک مہینے کے بعد تم خوشی کے ساتھ واپس آ سکتے ہو۔“

”اگر ایسا ہے صاحب! تو ٹھیک ہے پھر، پھر میرے کو اعتراض نہیں ہے۔“

”اب چلو اٹھو..... تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے، لیکن جو ہدایت دی گئی ہے اس کا

خیال رکھنا..... نہ کسی کو ٹیلی فون پر کچھ کہنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کا ٹیلی فون تم ریسیو

کرو گے..... تمہیں دھوکہ بھی دیا جاسکتا ہے..... تمہارے گھر کو کوئی ٹیلی فون آئے تو اپنے

گھر والوں سے کہہ دینا کہ منع کر دیں کہ رمضان خان موجود نہیں ہے اور خود بھی کسی کو فون

نہ کرنا..... تم نہیں جانتے..... پولیس والے کس انداز میں دھوکہ دہی کرتے ہیں۔“ اور

رمضان خان نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی، پھر اسی بند گاڑی میں اسے اس کے گھر پہنچا

گیا تھا..... رمضان خان کے سارے شہباز رفیع ہو گئے تھے جو لوگ اسے اتنی آسانی سے لاکر

اس کے گھر چھوڑ دیں وہ غلط نہیں ہو سکتے، پھر دو دن کے بعد اسے اس کے کاغذات اور

پاسپورٹ وغیرہ مل گئے، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ گھر والوں کو صرف اتنا بتائے کہ

ملک سے باہر جا رہا ہے..... کہاں جا رہا ہے یہ کچھ نہ بتائے..... رمضان خان نے ایسا ہی کیا اپنے

گھر والوں کو تفصیلات اس نے بتادی تھیں کہ وہ ملک سے باہر جا رہا ہے اور اس کے بعد وقت

مقررہ پر جس کی اسے ہدایت کر دی گئی تھی، وہ خاموشی سے ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر ایئر پورٹ

پہنچ گیا..... کاغذات مکمل تھے، ٹکٹ مکمل تھا، ساری چیزیں مکمل تھیں، ٹیکسی اسے لے کر

چل پڑی لیکن ایئر پورٹ کے راستے میں ایک سنسان جگہ ٹیکسی ایک ذیلی سڑک پر مڑ گئی اور

رمضان خان نے چونک کر ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا..... ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی اور

پستول کا رخ رمضان خان کی طرف کر کے بولا۔

”نیچے اترو۔“

”ارے کیا بات ہے؟ تم میرے کو لوٹنا چاہتے ہو..... میرا دوسرے ملک جانے کا نام

ہے، جہاز کو دیر ہو جائے گا۔“

”فکر نہ کرو رمضان خان..... دوسرے ملک بھی چلے جاؤ گے لیکن اگر تیسرے ملک جانا

چاہتے ہو یعنی آسمان کی طرف تو دیر نہ کرو، یہ پستول چلنے کے لئے بے چین ہے۔“ رمضان

خان بحالت بھوری نیچے اتر آیا تھا، پھر جس جگہ ٹیکسی رُکی ہوئی تھی وہاں سے دو تین آدمی اور

نمودار ہوئے..... ان میں سے ایک شخص قریب پہنچا اور رمضان خان اسے دیکھ کر حیران رہ

گیا..... وہ رمضان خان ہی کی شکل و صورت کا تھا..... رمضان خان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے

دیکھنے لگا..... تب بریف کیس، کاغذات، تمام چیزیں اس کے حوالے کر کے ٹیکسی ڈرائیور

سے کہا گیا کہ رمضان خان کو مطلوبہ جگہ پہنچا دو..... اسے ملک سے باہر جانا ہے..... یہ الفاظ ادا

کرنے والے کے چہرے پر بھی نقاب تھی..... اس شخص کو ٹیکسی پر بٹھا کر روانہ کر دیا گیا اور

رمضان خان کو ایک اور گاڑی میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا جو بیس ذیلی سڑک پر کھڑی ہوئی تھی

اور اس کے بعد رمضان خان کو ایک عمارت میں لے جا کر قید کر دیا گیا..... رمضان خان نے

خاصا شور مچایا تھا لیکن کسی نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور اب وہ اس جگہ قیدی بنا ہوا

تھا لیکن یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں کہ یہ کن لوگوں نے کام کیا ہے..... اس

کے سر پرستوں نے یا پولیس نے؟



عدنان واسطی بے پناہ خوش تھے، بیوی سے اس موضوع پر مسلسل بات ہوتی رہتی

تھی..... ادھر نعیمہ بیگم کی جانب سے بھی مسلسل ہی رابطہ تھا اور کئی بار اس موضوع پر گفتگو ہو چکی تھی، وہ بڑی نفاست سے سارے کام سرانجام دے رہی تھیں..... بیٹے کی شادی کی آرزو دل میں تھی..... شہاب کی بہن جو شادی شدہ تھی اور دوسری بہنیں بھی تیار یوں میں مصروف ہو گئی تھیں اور واسطی صاحب ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھے، کیونکہ اس کے بعد سے اب تک شہاب کا رابطہ نہیں ہو سکا تھا..... دل چاہتا تھا کہ ایک بار شہاب سے اس موضوع پر ضرور گفتگو کریں اور اس سے پوچھیں کہ یہ سب کچھ صرف ایک خواب تو نہیں ہے، ہمت نہیں پڑتی تھی بیٹی کے باپ تھے، پھر ایک دن اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے..... اس خوشی کو اپنے کانوں سے سننا چاہتے تھے، اس خبر کو اپنے دل میں اتار لینا چاہتے تھے..... شہاب کو تلاش کر لیا تھا انہوں نے اور آخر کار فون پر اس سے رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

”شہاب میاں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”آپ حکم دیجئے کہاں حاضر ہو جاؤں؟“

”اگر مصروفیت نہ ہو تو دفتر آ جاؤ۔“

”ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں۔“ اور پھر وہ شہاب کا انتظار کرنے لگے، مینا اب دفتر میں بہت کم آتی تھی..... انہوں نے مخصوص کمرے میں شہاب کا استقبال کیا جو سادگی سے ان کے سامنے پہنچ گیا تھا..... شہاب کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”شہاب اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت میں نے تمہیں کسی عدالتی کیس کے سلسلے میں تکلیف نہیں دی ہے بلکہ ایک ذاتی پریشانی آپڑی ہے اور اس میں تمہیں شریک کرنا چاہتا ہوں۔“

”خیریت؟“ شہاب ایک دم سنجیدہ ہو گیا..... بے شمار دوسو سے اس کے دل میں سر اُبھارنے لگے تھے، واسطی صاحب نے کہا۔

”شہاب میں کوئی ڈرامائی کیفیت نہیں پیدا کرنا چاہتا، مینا کے لئے تمہاری والدہ نے رشتہ دیا ہے اور اس سلسلے میں زور و شور سے کارروائیاں شروع ہو گئی ہیں، میں بھلا اس رشتے سے انکار کرنے کے بارے میں کیسے دج سکتا تھا، کیونکہ میرے لئے تو یہ خوشیوں کا پہلا ہے جسے سنبھالنا بھی میرے لئے انتہائی مشکل ہے، لیکن پھر بھی میرا دل یہ چاہ رہا تھا کہ میں تم سے اس موضوع پر بات کروں اور جس طرح بھی بن پڑے ایک بار تم سے کچھ سوالات ضرور کروں۔“

”جی۔“

”پہلی بات یہ کہ کیا واقعی مینا کے لئے تمہارا یہ رشتہ تمہاری خواہش کے مطابق ہے؟“

”جی ہاں۔“ شہاب نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا اور واسطی صاحب کا چہرہ کھل اُٹھا۔

”بے حد شکریہ اس بچی کی تقدیر کے ستارے شروع ہی سے روشن تھے اور نہ جانے کیوں میرا دل کہتا تھا کہ آخر کار ایک دن اسے وہ مقام حاصل ہو گا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں ہو گا اور یہی وہ مقام ہے شہاب جس کی آرزو والدین کیا کرتے ہیں۔“

”آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ مجھے یہ مقام دیتے ہیں۔“

”شہاب اصولی طور پر ایک باپ کی حیثیت سے مجھے تم سے یہ تمام باتیں نہیں کرنی چاہئے تھیں، لیکن، میں اپنی خوشیوں کو نہیں دبا سکا..... میرا دل بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ ایک بار تمہاری زبان سے بھی یہ سب کچھ سنوں اور تم پہ جہاں اکٹھے ہم یہ احسان عظیم تم نے کر دیا ہے، ہم سے بھی تو کچھ مانگو، ہم سے بھی تو کچھ لو، پھر خود ہی ہنسی آتی تھی یہ سبج ر کہ ہم تمہیں کیا دے سکیں گے۔ بہر حال اب میں ذہنی طور پر مطمئن ہو گیا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تم سے کہوں کہ شہاب مجھ سے وہ بات کرو جو مجھے ذہنی طور پر خوشیاں بخشے اور میرے اس احساس کو مکمل کر دے۔“

”میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں واسطی صاحب!“ شہاب نے کہا اور واسطی صاحب چونک پڑے۔

”اس کیا؟“ ان کا چہرہ ایک دم ست ہو گیا تھا۔

”واسطی صاحب بات دراصل میں یہ ہے کہ مستقبل میں مینا اور میں اپنے کام جاری رکھیں گے، مینا کے ساتھ کچھ ایسا ربط ہو گیا ہے کہ پچھلے میرے معاملات کو سمجھتی ہے اور انہیں میری خواہش کے مطابق سرانجام دے سکتی ہے، ایسی صورت میں مجھے اپنے معاملات میں مینا کی اشد ضرورت رہے گی..... واسطی صاحب ہم جیسے لوگوں کو ضرورت سے زیادہ منظر عام پر نہیں آنا چاہئے..... کسی بھی شکل میں، میں نہیں جانتا کہ اکلوتی بیٹی کے سلسلے میں آپ کے ذہن میں کیا کیا تاثرات ہوں گے لیکن میری خواہش ہے کہ صرف چند افراد کے ساتھ میں یہ شادی کر لوں اور اس میں کوئی ہنگامہ خیزی نہ ہو، یہ میرے مقصد کے لئے بہت ضروری ہے۔“ واسطی صاحب تعجب سے شہاب کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

”نہیں بالکل نہیں یقین کرو میرے مزاج کی بات ہے، میں تو خود بھی چاہتا تھا کہ اس میں کوئی اور بات نہیں ہے لیکن درحقیقت جو رسومات ہم نے اپنے آپ پر مسلط کر لی ہیں ان کے بارے میں ہمیں یہ یقین ہے کہ وہ بہتر نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ہم روایات کی غلامی کرتے ہیں..... اگر ہم خود ہی ان روایات کو توڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو کم از کم ہمیں ذہنی اطمینان تو ہوتا ہے لیکن تمہارے اپنے اہل خاندان۔“

”انہیں میں سنبھال لوں گا۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ واسطی صاحب نے جواب دیا پھر بہت ساری خوشیوں کے ساتھ انہوں نے شہاب کو رخصت کیا اور شہاب وہاں سے چلا آیا..... واسطی صاحب سے اپنی دل کی بات کہہ دی تھی، اپنے اہل خاندان کو بھی اب اس سلسلے میں تیار کرنا تھا، چنانچہ اس شام اس نے خود ہی یہ میٹنگ طے کی اور ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

”خواتین و حضرات آپ لوگوں کی ہنگامہ خیزیاں دیکھ رہا ہوں..... ہر شخص اپنے اپنے طور پر شور شرابے میں مصروف ہے، نہ جانے کیا کیا تیاریاں ہو رہی ہیں..... مجھے واقعی اس بات کا دلی افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی ان خواہشات کی تکمیل میرے لئے ممکن نہیں ہوگی۔“ سب کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے..... شہاب کے چہرے کی سنجیدگی یہ بتا رہی تھی کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ کسی سنگین نوعیت کی بات ہے..... نعیمہ بیگم رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

”کیا بک رہا ہے تو کیا بات ہے؟“

”سچ کہہ رہا ہوں امی۔“

”کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے۔“ فائق حسین نے غصیلی آواز میں کہا۔

”بھائی جان کچھ مشکل ہی ایسی پیش آگئی ہے۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا واسطی صاحب تیاریوں میں مصروف ہیں، اپنے اہل خاندان میں بھی انہوں نے یہ بات کہہ دی ہوگی اور ہم لوگ بھی اس بات کا چرچا کر چکے ہیں..... یہ کیا حماقت کی بات کر رہے ہو تم۔“

”اصل میں یہ بات تو آپ کو علم ہے کہ میں سرکاری نوکریوں اور ایک ایسے محکمے سے تعلق رکھتا ہوں جس پر شدید زعم داریاں ہوتی ہیں اور میں نے ان ذمے داریوں کو پورا

کرنے کا حلف اٹھایا ہے، ایسی صورت حال میں سب سے پہلے مجھے اپنے اس منصب کا خیال رکھنا ہے جس کے لئے مجھے مخصوص کیا گیا ہے..... شادی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس کے بعد بہت سی ذمے داریاں سر پر آ پڑتی ہیں، میری بات میرے افسر اعلیٰ سے ہوئی تھی، وہ اس بات سے پریشان تھے..... ان کا کہنا خاص طور سے یہ تھا کہ شادی میں مجھے جو شہرت حاصل ہوگی وہ بہت سے معاملات میں ہمارے راستے روک سکتی ہے..... اس لئے یا تو شادی اتنی سادگی سے ہو کہ اس کی کوئی ایسی بات محسوس نہ کی جائے یا پھر شادی ہو ہی نا تو زیادہ بہتر ہے..... آزادی حاصل رہے گی۔“

”دماغ خراب ہے ان افسر اعلیٰ صاحب کا کیا انہوں نے خود شادی نہیں کی۔“

”وہ شادی شدہ ہیں۔“

”تو پھر تو یہ سمجھ لو کہ حماقت کی بات کر رہے ہیں وہ۔“

”افسر اعلیٰ جو ٹھہرے۔“

”دیکھو شہاب اس بات میں مذاق نہیں برداشت کیا جاسکتا۔“ فائق حسین نے کہا۔

”تو پھر بھائی جان صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے، صرف ہم اہل خاندان خاموشی سے اس شادی میں شرکت کریں، فرائض پورے کر لئے جائیں اور بس خاموشی سے یہ کام کر لیا جائے، اس میں کوئی اضافی بات نہیں ہونی چاہئے۔“

”تو یہ تو ٹھیک ہے مگر تو، تو سرے سے ہی انکار کر رہا ہے۔“ نعیمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

”آپ سوچ لیجئے آپ کے ارمان مٹی میں مل جائیں گے میں یہ نہیں چاہتا۔“

”نہیں کوئی ارمان مٹی میں نہیں ملیں گے، شادی کرتی ہے تجھے۔“

”ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کریں۔“

”مگر امی واسطی صاحب۔“ فائق حسین نے کہا۔

”انہیں سمجھا لیں گے ساری صورت حال بتا دیں گے، ان بیچاروں کو بھلا اس بات پر کیا اعتراض ہوگا۔“ نعیمہ بیگم نے کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے آپ اس سلسلے کو اسی انداز میں لیجئے گا، میں اپنے طور پر اپنے افسر اعلیٰ کو سمجھا لوں گا۔“ شہاب نے آہستہ سے کہا، بہر حال جو کچھ وہ چاہتا تھا وہ پورا ہو گیا تھا اور اب اس کے بعد انتہائی سادگی سے باقی سارا کام بھی سرانجام پا جاتا تھا، اس سلسلے میں مینا سے بھی

لائڈ تو ہمیشہ ہی کا دیوانہ تھا..... زندگی کی بازی لگانا اس کے لئے ایک حسین کھیل تھا، حالانکہ ہیکٹر نے جھانک کر نیچے دیکھا تھا، پھر اس پائپ کی مضبوطی کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی اور اس کے بعد لائڈ سے کہا تھا۔

”دیکھو ڈیریز یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کون سی چیز کس حیثیت کی حامل ہوگی، جو کچھ تم کر رہے ہو یہ خوفناک ہے، ہم کوئی اور طریقہ کار استعمال کرتے ہیں۔“

”تمہارے ذہن میں اگر کوئی اور طریقہ کار ہو تو مجھے بتاؤ؟“

”مگر بات، تو سنو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے، بہت گہرائی ہے۔“

”تم فکر مت کرو بلکہ جس طرح بھی بن پڑے اپنے طور پر اپنے تحفظ کی کوشش کرو۔“ لائڈ نے کہا اور اس کے بعد وہ بڑی مردانگی کے ساتھ عقبی کھڑکی سے باہر نکلا اور ہوٹل کی پچھلی عمارت پر بکھرے ہوئے پائپوں میں سے ایک پائپ کو پکڑ کر نیچے پھسلنے لگا، وہ نچلی منزل پر جا رہا تھا جہاں پائپ کے نزدیک ویسی ہی کھڑکی کھلی ہوئی تھی..... جیسی کھڑکی سے یہ باہر نکلا تھا..... اس کا سا بھی ہیکٹر اسے دیکھ رہا تھا..... لائڈ نے ایک مضبوطی سے اپنی کمر سے باندھی ہوئی تھی اور اوپر سے ہیکٹر اسے آہستہ آہستہ ڈھیل دے رہا تھا..... یہاں تک کہ لائڈ ایک منزل سے گزر کر دوسری منزل پر پہنچ گیا، لیکن جس منزل پر پہنچا تھا وہ بھی ہوٹل کی عمارت کی تیرہویں منزل تھی اور اسے نیچے گہرائیوں میں سڑک پر گاڑیاں چلتی پھرتی نظر آرہی تھیں..... مدہم مدہم روشنیاں بہت ہی باریک لائڈ نیچے اترتا رہا پھر وہ اس کھڑکی پر پہنچ گیا جو اس کی مطلوبہ جگہ تھی..... اس نے اپنا بہت ہی اعلیٰ درجے کا کیمرہ نکالا اور ایک جگہ پاؤں نکا کر کارروائی کرنے لگا، ننھا سامووی کیمرہ چل گیا تھا..... اندر اسے کچھ افراد نظر آ رہے تھے،

ملاقات ہوئی تو بینا نے گردن جھکا کر کہا۔

”واقعی پروگرام بہت اچھا ہے اور مجھ سے یہ کہہ رہے تھے۔“ شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولا۔

”کیسی بے تکلفی سے اپنی شادی کے بارے میں بات چیت کر رہی ہو۔“

”دیکھو شہاب میں ایک بات کہہ دیتی ہوں مذاق نہیں اڑاؤ گے بالکل میرا سمجھے۔“

بہر حال شہاب نے واقعی اس سلسلے میں بھی ایک کارنامہ ہی انجام دیا تھا، بڑی سادگی سے یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور آخر کار ایک دن کا تعین بھی ہو چکا تھا..... نعیمہ بیگم نے بڑے حسرت بھرے انداز میں شہاب سے پوچھا۔

”ایک بات کہوں شہاب برا تو نہیں مانو گے؟“

”جی امی فرمائیے؟“

”دلہن رخصت ہو کر اسی گھر میں آئے گی نا؟“

”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے کہ تم کہیں اور تو ٹھکانہ نہیں بنا رہے؟“ جواب میں شہاب نے ایک گھن گرج قہقہہ لگایا اور بولا۔

”اپنے ٹھکانوں کو چھوڑنے والے ہمیشہ ذلیل و خوار رہتے ہیں..... امی یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ نعیمہ بیگم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے۔



لیکن یہ دیکھ کر اس کی مایوسی انتہا کو پہنچ گئی کہ ان سب کے چہروں پر نقابیں تھیں، البتہ وہ لوگ اب بھی بے نقاب تھے جن کا وہ ہانگ کا نگ سے تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچتے تھے۔
 لائڈ اور ہیکٹر کا تعلق ایک بہت بڑے ملک کے ناز کوئٹس ڈیپارٹمنٹ سے تھا اور منشیات کے سلسلے میں ان لوگوں کو بہت سے ایسے فرائض سرانجام دینے پڑتے تھے جو زندگی اور موت کے مترادف ہوتے تھے۔ ایک گروپ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے یہ دونوں ہانگ کا نگ پہنچتے تھے اور گروہ کے تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے، اس چین کے بارے میں انہیں خاصی تفصیلات معلوم تھیں اور وہ اسی سے متعلق معلومات حاصل کر کے مقامی حکام کو ان کی اطلاع دینا چاہتے تھے جس کے لئے انہیں ان کے محکمے سے ہدایات ملی تھیں، جن لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچتے تھے۔ وہ تیر ہوئیں منزل پر موجود تھے۔ یہیں سے انہیں اس میننگ کا علم ہوا تھا کیونکہ ہیکٹر اپنے طور پر ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھا، خاصی معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور اب وہ اس میننگ کی کارروائی کو ریکارڈ کر کے مقامی حکام سے ملاقات کرنا چاہتے تھے اور انہیں معلومات فراہم کرنے کے خواہش مند تھے، لیکن ایسی معلومات جن کی تردید ممکن نہ ہو سکے، لائڈ زندگی کی بازی لگا کر اس کھڑکی تک پہنچا تھا لیکن اسے ان لوگوں کے چہرے نقابوں میں دیکھ کر مایوسی ہوئی تھی، تاہم اپنے طور پر وہ اپنی کارروائی کر رہا تھا، جس قدر بھی ممکن ہو سکے ٹھیک ہے، باقی سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا، اندر کی آوازیں مدہم مدہم اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں اور وہ اس سلسلے میں اپنی کارروائیوں سے مطمئن تھا۔ یہ آوازیں بے شک لڑہ نہیں سن پارہا تھا لیکن کم از کم اس کی ریکارڈنگ مشین ان آوازوں کو ریکارڈ کر رہی تھی، بہت زیادہ رسک نہیں لیا جاسکتا تھا۔ یہی طے کر کے وہ نیچے اترا تھا کہ صرف چند منٹ اس میننگ کی کارروائی ریکارڈ کرے گا اور اس کے بعد واپس آجائے گا، جب چند منٹ گزر گئے تو اوپر سے ہیکٹر نے رسی ہلا کر اسے آگاہ کیا کہ اب اسے واپس آجانا چاہئے اور لائڈ نے نہ چاہنے کے باوجود اپنے دوست سے کئے ہوئے وعدے کا پاس کیا، اسی پائپ کے ذریعے وہ خطرناک سفر طے کرنے لگا، یہاں تک کہ اپنے کمر کی کھڑکی تک پہنچا اور ہیکٹر نے اسے سہارا دے کر اوپر گھسیٹ لیا۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ لائڈ نے اپنے بدن سے وہ تمام چیزیں کھول دی تھیں جن کے ذریعے وہ نیچے اترا تھا اور

اس کے بعد ایک صوفے پر بیٹھ کر ہانسنے لگا تھا، ہیکٹر اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔
 ”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ہی زندگی کی بازی لگاتے رہے ہو مگر میرے دوست تم نے اس وقت مجھے آدھا مار دیا تھا، نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو رہا ہے کہ تم اس کوشش سے کامیاب نہیں لو گے۔“
 ”میں اسے محبت کی انتہا ہی کہہ سکتا ہوں، ایسا سوچ لیا جاتا ہے محبت کے عالم میں لیکن مجھے افسوس ہے کہ مجھے وہ حاصل نہیں ہو سکا جو میں چاہتا تھا۔“ لائڈ نے کہا۔
 ”مطلب؟“

”وہ تینوں آدمی بے نقاب تھے جن کا تعاقب کرتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے ہیں، لیکن وہ جوان سے ملنے آئے ہیں ان کے چہروں پر نقاب ہیں۔ کاش ہم اس منزل پر اس کمرے سے باہر ان آنے والوں کا انتظار کرتے لیکن یہ صورت حال خراب ہو گئی چونکہ وہ کم از کم ہوٹل کی عمارت میں تو نقاب پہن کر نہیں داخل ہوئے ہوں گے، بلکہ ان افراد کے سامنے وہ نقاب میں پہنچے ہوں گے۔“
 ”بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں کیا کیا جاسکتا ہے لیکن سوئل یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا لیا جائے؟“
 ”ان کا تعاقب۔“

”ٹھیک ہے یہ کام میری ذمہ داری ہے۔“ ہیکٹر نے جواب دیا۔
 ”نہیں۔۔۔۔۔ میں خود بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔“

”جیسا تم مناسب سمجھو۔“ پھر خاصا وقت انہوں نے اپنے کمرے میں گزارا اور اسی موضوع پر آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میننگ جس انداز میں چل رہی تھی۔ اس سے انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ ابھی کافی دیر تک جاری رہے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ جس مشکل صورت حال میں لائڈ نے اس میننگ کی تھوڑی سی کارروائی ریکارڈ کی تھی۔ اسے جاری نہیں رکھا جاسکتا تھا، کیونکہ یہ ایک مشکل کام تھا۔ ہر طرح سے انتہائی خطرناک پھر وہ لوگ تیاریاں کر کے باہر نکل آئے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ دونوں الگ الگ میننگ ہال سے

نکلنے والوں کا تعاقب کریں گے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان کی رہائش گاہیں کہاں کہاں ہیں، حالانکہ یہ بھی ایک مشکل کام تھا لیکن بہر حال ایک بات کا انہیں اطمینان تھا، یعنی یہ کہ وہ جن تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے ہانگ کانگ سے یہاں پہنچے تھے..... وہ ان کی نگاہوں میں ہیں اور کچھ بھی ہو جائے وہ ان کی کارروائیوں سے روشناس رہ سکتے ہیں..... کم از کم اتنا ہی مناسب تھا..... ہاں اس سلسلے میں مقامی لوگوں کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل ہو جائیں تو یہ بڑی بڑی بات تھی..... اس کمرے کے سامنے سے..... تین بار گزرے، جس میں میٹنگ ہو رہی تھی..... یہ کمرانچلی منزل کا تھا اور وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ میٹنگ جاری ہے کہ نہیں، حالانکہ وقت کافی ہو گیا تھا لیکن پھر بھی ہوٹل کی رونقوں میں کوئی کمی نہیں تھی..... راہداری میں بھی لوگ آ جا رہے تھے..... میرے بھی تھے..... جو کمرے کے کینوں کی ضروریات پوری کر رہے تھے..... اس لئے وہ زیادہ وقت اس راہداری میں نہیں گزار سکتے تھے، کیونکہ یہ مشکوک بات ہو جاتی..... بحالت مجبوری ایک بے مقصد جدوجہد کر رہے تھے..... ہو سکتا ہے اس میں انہیں کامیابی حاصل نہ ہو..... دونوں ہوٹل کے بڑے دروازے سے نکل کر ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں آ گئے..... ہیکٹر نے کہا۔

”ہم ان کوششوں کو اپنی ناکامی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ بہر حال میٹنگ کی کچھ کارروائی ہمارے پاس ریکارڈ ہے اور اس کے علاوہ وہ تینوں افراد ہماری نگاہوں میں، ہاں اگر تعاقب والوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو جائیں تو ہم اسے اضافی کارروائی کہہ سکتے ہیں۔“

”اضافی کارروائی ہی نہیں بلکہ ہم اسے اپنی زبردست کامیابی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس قدر برق رفتاری سے کام کر لینا آسان بات نہیں ہے۔“

”بے شک..... پارکنگ لاٹ پر وہ بہت دیر تک انتظار کرتے رہے اور پھر خود انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا..... لوگ ہوٹل سے باہر نکل رہے تھے..... مقامی شخصیتوں کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتے تھے..... اعلیٰ درجے کی کاریں پارکنگ لاٹ سے باہر جاری تھیں اور وہ سب کچھ ہو رہا تھا جو ہونا چاہئے تھا..... مسئلہ صرف اتنا سا تھا کہ جانے والے اگر ان میں سے کچھ وہ افراد ہوئے جو میٹنگ میں شریک تھے اور اس وقت ان کے چہرے پر نقائص

نہ ہوتیں تو انہیں کیسے پہچانا جائے گا؟“ ہیکٹر ہی نے کہا۔
”میرا خیال ہے ہم وقت ضائع کر رہے ہیں..... کتنے افراد اپنی کاروں میں بیٹھ کر ہمارے سامنے سے جا چکے ہیں..... ہم بھلا کسی کے بارے میں کوئی تعین کر پائے۔“
”ایک غلطی ہو گئی مجھ سے۔“ لائیڈ بولا۔
”کیا؟“

”اگر میں ان میں سے کسی کے لباس پر خاص طور سے توجہ دیتا تو شاید لباس ہی کے ذریعے ہم کسی کا تعاقب کر سکتے۔“ ہیکٹر پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا..... پھر بولا۔
”بعض اوقات ہر بات انسان کے ذہن میں فوراً ہی نہیں آ جاتی، بلکہ وقت گزرنے کے بعد اس کا اندازہ ہوتا ہے..... میں سمجھتا ہوں فی الحال اتنی ہی کامیابی کو مناسب سمجھو جتنی ہمیں حاصل ہو گئی..... زیادہ کے لئے پریشان ہونا بے مقصد ہے۔“

”تو پھر آؤ واپس چلیں۔“ اور اس کے بعد وہ واپس چل پڑے لیکن اپنی منزل پر پہنچنے کی بجائے وہ ایک بار پھر اسی راہداری میں لفٹ سے اتر گئے، جس میں وہ کمرہ موجود تھا، جہاں میٹنگ ہو رہی تھی لیکن یہ دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہ میٹنگ ختم ہو گئی ہے اور کمرے کے کمین شاید آرام کرنے بھی لیٹ گئے ہیں..... ہانگ کانگ سے آنے والوں کے بارے میں انہیں اس بات کا پتا تھا کہ وہ اس ہوٹل کی کون کون سی منزل پر کون کون سے کمرے میں موجود ہیں..... انہوں نے خاص طور سے اپنے لئے الگ الگ کمرے منتخب کئے تھے اور ایک دوسرے سے تعلق کا اظہار نہیں کر رہے تھے..... لائیڈ اور ہیکٹر کم از کم ان کی جانب سے مطمئن تھے..... اصل صورت حال معلوم کرنا تھی..... ورنہ ان پر تو کسی بھی جگہ کوئی بھی کارروائی کی جاسکتی تھی اور اس میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی..... بہر حال اس کے بعد وہ لفٹ کے بغیر سیڑھیوں کے ذریعے اپنے کمرے میں پہنچے اور یہاں آنے کے بعد لائیڈ نے ٹیلی ویژن پر اپنے ویڈیو کیمرے سے سینک مکمل کی اور میٹنگ کی کارروائی کو پلے کرنے لگا..... فلم ریوایسڈ کرنے کے بعد اس نے ٹیلی ویژن آن کیا اور اپنی کارروائی کو دیکھنے لگا..... شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا..... حالانکہ فاصلہ کافی تھا اور جس جگہ سے ریکارڈنگ کی گئی تھی، وہ بھی کافی دور اور مشکل جگہ تھی، لیکن لائیڈ کی مہارت نے بڑی کامیابی سے اندر کی کارروائی کو ریکارڈ کیا تھا..... ان کی مدد ہم مدد ہم آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں اور ان آوازوں

سے جو کہانی منظر عام پر آرہی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ باقاعدہ یہاں منشیات کے سلسلے میں عظیم الشان کارروائیاں کر رہے تھے۔ وہ بغور اس گفتگو کو سننے لگے۔ لائڈ نے آواز کی کارکردگی درست کی اور یہ لوگ اس آواز کو سننے لگے۔

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باڑی میں یہ ہنگامہ کیوں ہوا، جبکہ سنڈیکیٹ نے وہاں اپنے لوگوں کو بھاری تنخواہوں پر مقرر کیا ہوا تھا اور وہاں کے حالات کنٹرول کرنے کے لئے انہیں وہ تمام آسانشیں دی تھیں جنہیں استعمال کر کے وہ سنڈیکیٹ کا کام کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سنڈیکیٹ کی ایک انتہائی اہم شخصیت دانی شاہ کو کیسے گرفتار کیا گیا۔ آپ لوگ اتنا بھی نہیں معلوم کر سکے کہ اس سلسلے میں آپ کے ملک کے حکام میں کن کن افراد کو متعین کیا تھا۔ سنڈیکیٹ اس سلسلے میں پوری کارروائی کی رپورٹ چاہتی ہے اور ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ آپ سے اس کارروائی کی رپورٹ حاصل کی جائے۔ ہم اربوں ڈالر کا نقصان اٹھا رہے ہیں اور اس وقت باڑی سے ہمارے پاس جو سپلائی جاری تھی وہ بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ لوگوں نے اس سپلائی کو ختم کروا کے سنڈیکیٹ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ سنڈیکیٹ اس سلسلے میں آپ سے جواب چاہتی ہے تاکہ آپ کے مستقبل کا فیصلہ کیا جاسکے۔“

”ہم اس سلسلے میں ایک تفصیلی رپورٹ تیار کر چکے ہیں۔ بہت سے محکمے ہر طرح کی کارروائیاں کرتے ہیں۔ باڑی سے ہمیں رپورٹ موصول ہوئی ہے کہ وہاں منشیات سپلائی کرنے والے آپس میں الجھ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ تمام کارروائی عمل میں آئی لیکن معلومات حاصل کی جارہی ہیں اور بہت جلد کو ششیں کر کے سپلائی بحال کر دی جائے گی اور طریقہ کار وہی رہے گا۔ ہم اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔“

”نہیں۔ بات آنے والے وقت کی نہیں ہے۔ گزرے وقت کی ہے جو ہو چکا ہے وہ لازمی طور پر مکمل ہو جائے۔ آپ براہ کرم اس سلسلے میں کوشش کریں تاکہ ہم اپنے کام کی تکمیل کر سکیں۔“

”تو ہمارے لئے کیا ہدایت ہے؟“

”ہمیں تفصیلی رپورٹ درکار ہے۔ ہم خود بھی ایک جگہ قیام نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہدایت ہے کہ ہم جگہیں بدلتے رہیں۔ اس لئے آپ لوگ فوری طور پر ہمیں رپورٹ دینے کی کوشش نہ کریں بلکہ ہم خود آپ سے رابطہ کرتے رہیں گے۔“ ہانگ کانگ سے آنے

والوں میں سے ایک نے یہ الفاظ ادا کئے تھے جس پر لائڈ اور ہیکٹر چونک پڑے تھے۔ ہیکٹر نے انگلی اٹھا کر کہا اور لائڈ نے آگے کی کارروائی روک دی۔ ہیکٹر کہنے لگا۔

”یہ تو بڑا خوفناک انکشاف ہوا ہے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے۔ اگر ان لوگوں نے یہ جگہ چھوڑ دی تو ہم تو ان کی نشاندہی بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”بے شک پہلی بار میں نے یہ الفاظ سنے ہیں، اب بتاؤ کیا کریں؟“

”میرا خیال ہے ہم میں سے ایک کو ان لوگوں پر وقت دینا پڑے گا۔ کل صبح سے ایک آدمی مسلسل ان میں سے ایک پر متعین رہے گا اور باقی ہم اپنے طور پر طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔“ اور اس بات پر وہ متفق ہو گئے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر انہوں نے آرام کرنے کا فیصلہ کیا لیکن دوسرے دن ان پر انکشاف ہوا کہ یہ آرام ان کے حق میں نقصان دہ رہا ہے۔ صبح کو منصوبے کے مطابق ہیکٹر اس کمرے کی جانب چل پڑا تھا، جہاں سے میٹنگ کی کارروائی ریکارڈ کی گئی تھی، لیکن کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور اس پر ”خالی ہے“ کا سائن نظر آرہا تھا۔ ہیکٹر پاگلوں کی طرح دوسرے کمروں کی جانب لپکا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ تینوں اتنی ہی صبح اپنے کمرے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ ساری معلومات مکمل کرنے کے بعد ہی ہیکٹر نے لائڈ کو یہ رپورٹ دی تھی اور لائڈ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ افسوس کرتے رہے پھر لائڈ نے کہا۔

”بہر حال ہمارے پاس یہ فلم رپورٹ موجود ہے اور میرا خیال ہے اب ہمیں براہ راست یہاں کے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کر لینا چاہئے۔ ساری ذمہ داریاں ہماری ہی نہیں ہیں، ہم اپنی رپورٹ اپنے حکام کو بھجوا سکتے ہیں۔“ ہیکٹر نے لائڈ سے اتفاق کیا تھا۔



شہاب نے اپنا مکمل موقف ان لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا اور فائق حسین اس کے موقف سے پوری طرح متفق ہو گئے تھے، البتہ نعیم بیگم چونکہ طاقتور تھیں۔ اس لئے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ ایک مکمل طور پر گھریلو عورت جو بیوی بننے والی ہے اور بعد میں بچوں کی ماں بھی بنے گی، ایک انٹیلی جنس کی جاسوسہ کیسے ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا تھا۔

”اے نون وہ ڈاکوؤں اور مجرموں کے پیچھے بھاگتی پھرے گی یا گھر داری کرے گی۔“

”یہ ہی تو ذرا سا فرق ہے اماں جی! وقت بہت بدل چکا ہے..... اب آپ دیکھئے۔ ہمارے ہاں کی عورتیں بھی ہوائی جہاز چلا رہی ہیں..... آپ نے خاتون پائلٹ شکر یہ خا کے بارے میں پڑھا ہوگا اور یہ تو خیر ایک خاتون کی بات ہے..... زندگی کے ہر شعبے میں جہاں خطرناک سے خطرناک کام ہوتے ہیں اس وقت خواتین اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ محکمہ پولیس میں بھی آپ دیکھ لیجئے..... باہر نکل کر دیکھئے ذرا..... پولیس کی خواتین کس طرح مجرموں کے خلاف مصروف عمل ہیں..... میرا تو یہ خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے..... ظاہر ہے شہاب یہ بہتر سمجھتے ہوں گے کہ انہیں اپنی بیوی کو کس طرح ڈنک مارنے پیش کرنا ہے..... باقی کام بھی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں..... سرکاری دفاتر میں خواتین کام کرتی ہیں..... پرائیویٹ فرموں اور دفاتروں میں کام کرتی ہیں تو کیا آپ کے خیال میں وہ عام خواتین نہیں ہوتیں؟“

”ہاں..... ہوتی تو ہیں..... چلو ٹھیک ہے..... رہے گی تو ہمارے ساتھ ہی ناں۔“

”گھر کے ایک فرد کی مانند..... ظاہر ہے ہماری بہو ہوگی وہ۔“

”اب دیکھئے تم لوگوں کی شادیاں ہوئیں..... بے شک بچی کی شادی شہاب نے بہتر اچھی طرح کی اور سارے معاملے بڑی شان سے ہوئے..... مگر اپنی شادی وہ کیسے کر رہا ہے۔“ اماں بی! یہ بھی ایک ضرورت ہے جس شعبے سے وہ لوگ تعلق رکھتے ہیں، انہیں شہرت نقصان دہ ہوتی ہے..... دنیا سے پیچھے رہنا ہی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔“

حسین نے کہا..... بہر حال نعیہ بیگم تیار ہو گئی تھیں اور اس کے بعد ایک عجیب کھیل لگ گیا..... واسطی صاحب تو خیر ذہنی اور دلی طور پر ہر طرح شہاب سے متفق تھے..... اس کسی بھی مسئلے میں انہوں نے مداخلت نہیں کی، بلکہ اس طرح اس سے مشورے لیتے رہے جیسے وہ اماندہ ہو، کوئی مشیر یا دوست ہو..... شہاب بھی دلچسپی سے انہیں ہر بات بتاتا رہا۔

پھر نہایت سادگی سے شہاب کا نکاح ہو گیا..... ایک ہال میں چند معززین ہیں جن میں پولیس کے اعلیٰ افسران بھی شامل تھے..... بارات کی شکل میں پہنچے تھے اور وہاں کورٹ کے وکلاء، بارات کا خیر مقدم کیا تھا..... اس کے بعد باقی معاملات طے ہو گئے تھے اور پھر بیٹا شہاب اس قدیم رہائش گاہ میں آگئی تھی جو اب بہتر شکل اختیار کر چکی تھی، لیکن اس کی قدیم کو قائم رکھا گیا تھا..... بیٹا کا یہاں اسی انداز میں استقبال ہوا تھا جس طرح روایتی دہنوں

استقبال کیا جاتا ہے..... البتہ تمام لوازمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب شہاب جلہ عروسی میں پہنچا تو بیٹا عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی..... شہاب پر خیال انداز میں اسے دیکھتا ہوا اس کے پاس جا بیٹھا پھر بولا۔

”بازی میں جو واقعات پیش آئے بیٹا! ان کے لئے میں تمہاری ماہرانہ رائے جاننا چاہتا ہوں کیونکہ صحیح معنوں میں یہ کیس ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا آغاز ہوا ہے۔“ شہاب نے اتنی سنجیدگی سے یہ سب کچھ کہا کہ بیٹا ہنسی نہ روک سکی..... شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا، پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

”ارے سوری..... اوہو..... کیا احمقانہ بات ہے..... اس وقت تو غالباً مجھے کوئی خاص قسم کی رومانوی گفتگو کرنی چاہئے بلکہ یہ لحاظ تو ایسے ہیں کہ..... کہ..... کہ۔“

”شہاب۔“ بیٹا شکایتی لہجے میں بولی۔

”ہیں..... ہیں..... ہیں..... پتا ہے شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔“

”آج بھی مذاق اڑاؤ گے میرا؟“

”کون احمق مذاق اڑا رہا ہے..... میں تو چاہتا ہوں ہمارا نکاح پائیدار رہے۔“

”تو پھر کیا میں آپ کو سرتاج کہوں، بلکہ زیادہ بہتر رہے گا سرتاج!“ بیٹا شوخی سے بولی اور شہاب اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”خ..... خدا کی قسم، معلوم ہوتا ہے کہ کسی بے دم کے بندر کو مخاطب کیا جا رہا ہے..... لفظ سرتاج، بس یہ ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بندر دونوں پیروں پر کھڑا ہوا ہے اور بیچارے کی دم گم ہو گئی ہے۔“ بیٹا ہنستی رہی تھی..... شہاب نے کہا۔

”یہ ہنسی میری طرف سے شوہر کی حیثیت سے اس ملاقات کا پہلا تحفہ ہے بیٹا اور کوشش کروں گا کہ تم جب تک میری زندگی ہے، ہنستی رہو۔“ بیٹا عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی تھی اور شہاب خود بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔



ظاہر بیگ کادل تو یہ چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں براہ راست اپنے باپ کے سامنے پہنچ جائے اور اس سے سوالات کرے..... پوچھے کہ ڈیڈی یہ سب کچھ کیا ہے، یہ آپ نے اچانک ہم سے زندگی کی خوشیاں کیوں چھین لی ہیں..... آپ تو ایک مثالی باپ تھے..... وہ سب کچھ

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت ان کا کیا رویہ ہو گا۔“

”کیا خیال ہے اطہر اور ناظم سے گفتگو کریں اس بارے میں؟“

”ایک بات کہوں طاہر بھیا..... دونوں میرے بھائی ہیں، لیکن وہ اپنے ہی معاملات میں اس قدر مست ہیں اور پھر مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ ہماری مخالفت نہ کریں..... یہ بھی خطرہ ہے مجھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں پہلے سے یہ بات معلوم ہو جو کچھ بھی کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے..... ہم تو واقعی بہت بڑی مشکل میں پھنس گئے۔“

”ایک اور بات ہے..... ہمارے پاس ابھی اتنے ٹھوس ثبوت نہیں ہیں کہ ہم ڈیڈی سے اس سلسلے میں کھل کر بات کر سکیں..... وہ اگر مکر گئے تو ہم ان کی نگاہوں میں ذلیل ہو جائیں گے..... ہاں اگر ہمیں ٹھوس ثبوت مل جاتے ہیں تو۔“

”یہ بھی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

”آخری بات بتاؤ صدف..... کبھی کوئی ایسا نازک مرحلہ آگیا کہ ہمیں ملک کی بقاء، ملک کے نوجوانوں کی زندگی کے لئے قانون کی مدد اور ڈیڈی کے تحفظ کا مرحلہ درپیش ہوا تو ہم کیا کریں گے؟ کیا اپنے ڈیڈی کا تحفظ یا ملک کی بقاء کے لئے قانون کی برتری کا احساس؟“

”بہت مشکل سوال ہے لیکن مشکل ترین سوالات کے جواب اگر سچائی سے دیئے جائیں تو وقت نہیں ہوتی۔“



مرزا اعظم بیگ اپنے حجرے سے نکل کر چوری چھپے عقبی دیوار کو دو کر باہر جاتا تھا..... توڑا سا پیدل چلتا تھا اور اس کے بعد کہیں سے کوئی نہ کوئی کار نمودار ہوتی اور مرزا اعظم بیگ اس میں سوار ہو کر چلا جاتا، یہ کاریں بالکل اجنبی ہوا کرتی تھیں اور رات کی تاریکی میں ان کی نمبر پلیٹ کبھی نہیں دیکھی جاسکتی تھی، ظاہر ہے انہیں کوئی نہ کوئی ڈرائیو کرتا ہوا آتا تھا، پھر طاہر بیگ نے خود ایک فیصلہ کیا اس نے اپنے شناسا دوست سے موٹر بائیک حاصل کی اور اس موٹر بائیک کو ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا جہاں سے اس کے ذریعے با آسانی مرزا اعظم بیگ کا چچا کیا جاسکتا تھا..... بائیک کو حاصل کئے ہوئے آج تیسرا دن تھا، لیکن پچھلی دو راتوں میں اتفاقاً مرزا اعظم اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلا تھا، آج بھی دونوں معمول کے مطابق مرزا اعظم بیگ کی تاک میں تھے، دونوں کے دلوں کو لگی ہوئی تھی اور وہ تمام تر تیاریاں کر چکے

کر دیا آپ نے ہمارے لئے جس کے بعد ہم لوگ زندگی کی آخری سانسوں تک کے محفوظ ہو گئے، لیکن آپ کیا کر رہے ہیں ڈیڈی جو کچھ آپ کر رہے ہیں، اگر آپ یہ سوچیں کہ قانون قدرت میں اس کی کوئی گرفت نہیں ہے، تو آپ نے ایسی معصوم بات کی سوچی..... ڈیڈی ایسا کیوں سوچا آپ نے یہ تو بڑی دکھ بھری بات ہے..... یہ وطن ہمارا وطن ہے اور اس میں رہنے والے سب ایک دوسرے کی محبت کے مستحق..... ہم اپنی بقاء کے لئے ایسی زندگیاں چھین رہے ہیں جو بہت سے ماں باپوں کے لئے تنہا ہیں..... صدف طاہر سے بہت مشفق تھی..... دونوں بہن بھائی بہت پریشان تھے اور اس سلسلے میں آپس میں گفتگو کرتے رہتے تھے..... اچانک ہی ایک مشفق اور محبت کرنے والا باپ ان کے لئے پیدا ہو گیا تھا..... چہرہ ہی بدل گیا تھا اس کا وہ شخص جو بڑا سرمایہ صرف کر کے ہسپتال میں منشیہ کے مریضوں کے لئے ایک بہت بڑا شعبہ بنواتا ہے اور اس کے لئے سالانہ ایک رقم لے کر رہتا ہے جو وطن دوستوں کی مانند تقریر کرتا ہے۔ وہی ان لوگوں کو منشیات کا عادی بناتا ہے..... یہ سرمایہ منشیات کی فروخت سے ہی حاصل ہو رہا ہے..... کتنی بڑی منافقت ہے اور کتنا بھیا یک انداز..... آہ یہ سب کچھ درست نہیں ہے..... اس وقت بھی وہ دونوں ہوئے آپس میں یہی باتیں کر رہے تھے۔

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے صدف کہ اگر ڈیڈی کبھی قانون کی گرفت میں آگئے تو کیا قانون انہیں چھوڑ دے گا؟ صدف نے دکھ بھری نگاہوں سے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ڈیڈی نے اتنے تعلقات بنا لئے ہیں طاہر بھائی کہ اگر ایسا کوئی مسئلہ ان پر مسلط کیا جاتا ہے تو وہ جس طرح بھی بن پڑے گا اپنی گردن بچالیں گے، لیکن مجھے یہ بتاؤ میرے اہلکار کہ منشیات کی لعنت کے شکار جو لوگ گندی نالیوں میں دم توڑ دیتے ہیں کیا ان کی بہن بھائی نہیں ہوتے؟ کیا وہ بھی کسی معصوم بچے کی طرح اس دنیا میں آنکھیں نہیں کھولتیں؟ ڈیڈی قانون کی گرفت سے بے شک بچ سکتے ہیں، لیکن کیا کوئی انہیں اللہ کی گرفت بچا سکے گا؟ کیا وہ خود ایسا کر سکیں گے یا ہم؟“

”ہر گز نہیں۔“ طاہر نے جواب دیا۔

”بتاؤ کیا کریں؟ طاہر بتاؤ کیا کریں؟“

”صدف! ڈیڈی کو سمجھائیں؟“

تھے، خاص طور سے طاہر بیگ نے باپ کی نگرانی کے لئے خصوصی تیاریاں کی تھیں۔ صدف کے لئے بازار سے ایک برقع خرید اٹھا اور خود اپنے لئے کچھ ایسی چیزیں جس سے اس کی شخصیت تبدیل ہو جائے۔۔۔۔۔۔ آج رات کو وہ نگرانی کر رہے تھے اور اس وقت کافی رات ہو گئی تھی جب انہوں نے مرزا اعظم بیگ کو حجرے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ عموماً صاف ستھرے سادہ لباس میں رہا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔ کھدر کا شلوار قمیض اسے بہت پسند تھا۔ سوٹ وغیرہ بہت کم پہنا کرتا تھا، مگر اس وقت وہ بہترین سوٹ میں ملبوس تھا اور اپنی ڈھیلی ڈھالی شخصیت کے برعکس کافی چست نظر آ رہا تھا، محتاط قدموں سے چلتا ہوا وہ کوٹھی کی عقبی دیوار کے پاس پہنچا، حالانکہ اس کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ وہ ایسے جسمانی کرتب دکھا سکتا لیکن دونوں نے اسے اُچھل کر دیوار پر چڑھتے ہوئے اور اس کے بعد دوسری طرف کودتے ہوئے دیکھا، طاہر اور صدف بھی اسی طرح دوسری جانب کود گئے۔۔۔۔۔۔ آج شاید کچھ کام بنے والا تھا۔ طاہر نے صدف کو اشارہ کیا اور دونوں پھرتی سے موٹر بائیک کی جانب بڑھ گئے جو تاریکی میں ایک محفوظ جگہ کھڑی ہوئی تھی، وہاں پہنچ کر صدف نے جلدی سے برقعہ پہنا اور طاہر موٹر بائیک کو بغیر سٹارٹ کئے ہوئے آہستہ آہستہ دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا، اس دوران وہ لوگ مرزا اعظم بیگ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔۔۔۔۔۔ معمول کے مطابق اعظم بیگ اس جھوٹی سی ذیلی سڑک کی جانب جا رہا تھا جو ان کی کوٹھی کے عقبی حصے میں کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی۔۔۔۔۔۔ سڑک کے کنارے پہنچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ یہ دونوں درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اس سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ گئے تھے اور اس وقت بھی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے تھے، پھر اچانک ہی دور سے کسی کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں اور طاہر محتاط ہو گیا۔

”میرا خیال ہے آج کام بن گیا۔“ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور صدف موٹر بائیک پر بیٹھ گئی، طاہر نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔۔۔۔۔۔ آنے والی کار مرزا اعظم بیگ کے سامنے رکی اور اس کے بعد وہ اس کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔ کار آگے بڑھ گئی تھی۔ طاہر نے فوراً اپنی بائیک سٹارٹ کی صدف بھی سنبھل کر بیٹھ گئی تھی اور پھر بائیک برق رفتاری سے آگے جانے والی کار کا تعاقب کرنے لگی، طاہر بیگ نے اپنی بائیک کی روشنی نہیں جلائی تھی بلکہ آگے جانے والی کار کی سرخ روشنیوں کا تعاقب کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ کار مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں کاروں کے بڑے بڑے

شوروم تھے۔۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ نے ایک جگہ اپنی کار رکھ لی اور اس کے بعد نیچے اتر گیا، پھر وہ ایک ایسے گیراج کی جانب بڑھا تھا جو سامنے سے کھلا ہوا تھا اس نے اپنی جیب سے چابی نکالی اور گیراج سے ایک خوبصورت کار لے کر باہر نکل آیا، وہ کار جاچکی تھی جو اسے یہاں تک لے کر آئی تھی، پھر طاہر اور صدف نے دیکھا کہ مرزا اعظم بیگ نے اپنے چہرے پر نقاب لگائی اور اس کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔ کار سٹارٹ کر کے اس نے آگے بڑھادی تو مرزا طاہر بیگ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔۔۔۔۔۔ صدف نے سرگوشی میں کہا۔ ”میرے خدا یقین نہیں آتا ڈیڈی ہم سے کس طرح اچانک اجنبی ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ طاہر بھائی۔“ طاہر نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کار کا تعاقب کرتا رہا، کار ایک سنان سڑک پر نکل گئی تھی اور طاہر اپنی بائیک پیچھے لگائے ہوئے تھا، لیکن اچانک فائر کی آواز سنائی دی اور گولی سنناتی ہوئی طاہر کے کان کے پاس سے نکل گئی۔۔۔۔۔۔ موٹر سائیکل ڈمگ گئی تھی، لیکن یہ خوش قسمتی تھی ان کی کہ اچانک ہی چلنے والی گولی نے انہیں نشانہ نہیں بنایا تھا، اس سے پہلے کہ طاہر سنبھلتا پے درپے تین گولیاں چلیں اور یہ گولیاں اسی کار سے چل رہی تھیں جسے اب مرزا اعظم بیگ ڈرائیو کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ طاہر موٹر سائیکل نہ سنبھال سکا اور موٹر سائیکل سڑک کے نشیب میں اترتی چلی گئی، تھوڑی سی ڈھلان پر کرنے کے بعد دونوں نیچے جا پڑے۔۔۔۔۔۔ صدف کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔

طاہر بیگ اس کے پاس پہنچا، اسے سہارا دے کر اٹھایا تو صدف اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چوٹ تو نہیں لگی؟“

”نہیں معمولی سی خراشیں آئی ہیں برقع کی وجہ سے لباس بھی خراب نہیں ہوا۔“

”تم یہاں روکو میں دیکھتا ہوں کار واپس تو نہیں آرہی۔“ طاہر نے کہا۔

”سنبھل کر بھائی جان! ڈیڈی اس وقت نہیں جانتے کہ ان کا پیچھا کرنے والے ہم لوگ ہیں، کہیں وہ مزید فائرنگ نہ کریں۔“ طاہر نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔۔ سڑک کے کنارے پہنچا اور دُور دُور تک نظریں دوڑائیں، کسی گاڑی وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ گویا مرزا اعظم بیگ ان لوگوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد نکل گیا تھا، پھر طاہر نے صدف سے کہا۔

”میرے خیال میں اب واپس چلایا جاسکتا ہے۔“

”ہاں!“ اب موٹر سائیکل کو ٹھکی کی جانب چل پڑی تھی۔۔۔۔۔۔ اسے اس کی جگہ رکھنے کے بعد طاہر نے صدف کو سہارا دے کر کوٹھی کی دیوار کے دوسری جانب پہنچایا اور خود بھی اندر

آگیا..... دونوں بہن بھائیوں کے دل خون ہو رہے تھے، انہوں نے اندرونی حصے میں جانے کی بجائے حجرے کا ہی رُخ کیا تھا اور طاہر اپنی چابی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا، اب نے صدف سے کہا۔

”دیکھو کہاں کہاں چوٹ لگی ہے۔“

”میرا خیال ہے نہیں لگی بس اس وقت ہلکی سی جلن کا احساس ہو رہا تھا، اب نہیں ہے مگر ہم پر گولیاں ڈیڈی نے چلائی تھیں طاہر بھائی۔“

”ڈیڈی نے نہیں صدف ایک غشیات فروش نے..... ایک سمگلر نے جس کا سر گرمیاں بہت پر اسرار ہیں، لیکن صدف میرے اس احساس کو مستقل طور پر جلا مل رہا ہے کہ وطن اس وقت مجھ سے قربانی مانگ رہا ہے..... اپنی زندگی قربان کر دوں یا پھر وہ کر دو جس کو سوچ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔“

”ہمیں حوصلے سے کام لینا ہوگا بھائی جان جذبات میں ڈوبے بغیر ہمیں یہ کرنا ہوگا شاید جذباتی ہونے کے بعد ہم نہ کر سکیں لیکن ایسے نہیں میرا اس میں ایک مشورہ ہے۔“

”ڈیڈی کے بارے میں ہمیں مکمل ثبوت فراہم کرنے ہوں گے، پھر ان ثبوتوں کے حوالے سے ڈیڈی سے گفتگو کریں گے، ان سے کہیں گے کہ وہ اپنے گناہوں کا ازالہ کریں نہ کریں جو وہ کرتے رہے ہیں، حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں ایک اچھے اور سچے انسان بن جائیں..... ہمیں اتنا موقع ڈیڈی کو دینا ہی ہوگا، ہم اپنے ڈیڈی کی گردن تو نہیں کٹوا سکتے اور اس کے باوجود اگر ڈیڈی ہماری بات نہ مانیں تو پھر ہم وہ کریں گے جو ہمیں کرنا چاہئے۔“

”لیکن صدف کیا! ہم ایک مجرم کو صرف یہ سوچ کر چھوڑ دیں کہ وہ ہمارے ڈیڈی ہیں؟“

”بھائی جان میں آپ کو مشورہ نہیں دے سکتی، لیکن بہر حال ہم انسان ہیں..... ڈیڈی اگر تمام تر سچائیوں کے ساتھ نیکیوں کے راستے پر واپس آجاتے ہیں تو ہمارے باپ ہیں اور ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ بیمار ہیں، ہم ان کا علاج کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر مرنا ناقابل علاج ہوا تو۔“ صدف ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی، طاہر سوچنے والے انداز میں گردن ہلانے لگا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”ٹھیک ہے آؤ۔“ اور اس کے بعد دونوں بہن بھائی دروازے کی جانب مڑ گئے تھے۔



لائڈ اور ہیکٹر ویسے بھی ایک بہت بڑے ملک کے نمائندے تھے، ان کی سرکاری حیثیت بھی معمولی نہیں تھی، اگر باقاعدہ اپنے ملک کے حوالے سے اطلاع دے کر یہاں پہنچتے تو انہیں مکمل طور سے پروٹوکول دیا جاتا..... اعلیٰ سرکاری حکام ان کا استقبال کرتے، لیکن مختلف راستوں سے آئے تھے اور خطرناک مجرموں کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ اس لئے وہ حیثیت انہیں نہیں مل سکی تھی، لیکن جب متعلقہ محکمے میں انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ اعلیٰ ترین شخصیتوں نے ان کا استقبال کیا اور انہیں فوری طور پر ملاقات کے لئے وقت دیا۔ چنانچہ لائڈ اور ہیکٹر دونوں ایک انتہائی ذمہ دار شخصیت کے پاس پہنچا دیئے گئے اور ملک کی بہت بڑی شخصیت نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا..... رسمی الفاظ ادا کئے گئے، اس بات کا اظہار کیا گیا ان کی آمد علم میں نہیں تھی، اس لئے انہیں ان کے شایان شان Reception نہیں دیا گیا..... لائڈ نے کہا۔

”ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے ان باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا سر کہ کون کس حیثیت کا مالک ہے، ہم تو ایک ایسے سنڈیکیٹ کے افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پاس تمام تر شواہد موجود ہیں کہ وہ انٹرنیشنل حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں ان کی شاخیں بکھری ہوئی ہیں اور ان میں آپ کا ملک بھی شامل ہے اور آپ کے ملک کے ایک خاص حصے میں یہ کاروبار بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اور جس میں آپ کے ہاں کے اپنے افراد ملوث ہیں..... ہم نے زندگی کی بازی لگا کر ہانگ کانگ میں کچھ شواہد اکٹھے کئے تھے جن کے مطابق تین افراد یہاں آپ کے ملک پہنچ رہے تھے اور ایک مخصوص علاقے کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے آئے تھے..... وہ باڑی کے نام

سے پکارا جاتا ہے اور وہاں سے بہر و ن کی بہت بڑی سپلائی ہوتی ہے..... یہ سپلائی رک جانے کی وجہ سے سنڈکیٹ کے افراد کچھ لوگوں سے جواب طلبی کرنے کے لئے یہاں پہنچے ہیں جو آپ کے ہاں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں اور اعلیٰ پیمانے پر اس کام کے نگران ہیں، ہم لوگ بھی تمام معلومات اکٹھی کرنے کے بعد آپ تک پہنچنا چاہتے تھے، لیکن درمیان میں ایک جگہ ہم سے لغزش ہو گئی اور ہم عارضی طور پر ان تین افراد کو کھو بیٹھے جن کا تعاقب کرتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے تھے، لیکن ایک حقیقت ہے کہ وہ افراد یہاں موجود ہیں اور یقینی طور پر ابھی ان کی سرگرمیاں یہاں جاری رہیں گی، اس سلسلے میں ہم کچھ ایسے ثبوت مہیا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو ہماری بات کی سچائی پیش کرتے ہیں۔“ اعلیٰ حکام نے پر اخلاق انداز میں کہا۔

”نہیں مسٹر ہیکٹر اور مسٹر لائڈ آپ کی شخصیت سے اس بات کا مکمل طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ لوگ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہ بالکل درست ہے، ہمیں آپ کی بات پر مکمل اعتبار ہے اور ہم آپ سے مکمل تعاون کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہم نے رات کو ایک ہوٹل میں اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا تھا جس میں ان تین افراد کا قیام تھا لیکن ہمارے پاس محدود وسائل تھے..... ہم دو آدمی ان تمام کارروائیوں کو پوری طرح نہ سنبھال سکے جو ان کی جانب سے ہو رہی تھیں اور ان تین افراد کو عارضی طور پر کھو بیٹھے ہیں لیکن ہم ناامید نہیں ہیں، البتہ ہم کو آپ کا مکمل تعاون درکار ہے۔“ بہر حال لائڈ اور ہیکٹر کو بہت اچھے انداز میں خوش آمدید کہا گیا تھا اور ان سے ہر طرح کے تعاون کا وعدہ کیا تھا، انہیں سرکاری طور پر قیام کرایا گیا اور لمحوں کے اندر اندر اس سلسلے میں متعلقہ افراد کو طلب کر کے ساری تفصیل ان کے علم میں لانے کا فیصلہ کیا گیا، نتیجے میں چند ہی گھنٹوں کے بعد کچھ افراد یکجا ہو گئے جن میں بڑے بڑے محکموں کے لوگ تھے..... خصوصی طور پر نادر حیات صاحب کو اس سلسلے میں شرکت کے لئے بلایا گیا تھا اور اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹر کے اس بہت بڑے ہال میں ایک بڑی سی میز کے گرد ہیکٹر اور لائڈ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ترین حکام بیٹھے ہوئے تھے، ان کے چہروں پر غور و فکر کے آثار تھے..... نادر حیات صاحب بھی اس سلسلے میں خاصی معلومات رکھتے تھے لیکن وہ بالکل اجنبی انداز میں یہ ساری باتیں کر رہے تھے، بہت سی تفصیلات ان کے علم میں تھیں، لیکن اس وقت ان کا اظہار قطعی مکر

نہیں تھا..... پھر لائڈ اور ہیکٹر نے وہ فلم دکھانے کے انتظامات کئے اور فلم ٹیلی ویژن پر چلنے لگی..... لائڈ اور ہیکٹر یہ بتا چکے تھے کہ انہوں نے کس طرح یہ فلم ہوٹل میں تیار کی ہے، وہ لوگ فلم کو دیکھتے رہے..... نادر حیات صاحب کی آنکھیں نقابوں میں لپٹے ہوئے افراد کا جائزہ لے رہی تھیں اور وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ چہرے سامنے نہ ہونے کے باوجود کون سی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے ان میں سے کسی کی نشاندہی ہو سکے، لیکن بہر حال یہ سب کچھ اتنا آسان بھی نہیں تھا، البتہ فلم اور اندر کی جانے والی گفتگو جو مکمل طور پر واضح تو نہیں تھی لیکن اس کے مفہوم کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا..... بڑی سنسنی خیز نوعیت تھی، اس کی صورت حال علم میں آرہی تھی، یہاں تک کہ فلم ختم ہو گئی اور اس کے بعد ہیکٹر نے بتایا کہ وہ انہیں مس کر چکے ہیں اور وہ لوگ ہوٹل چھوڑ کر جا چکے ہیں..... پھر رسمی کارروائیاں جاری رہیں اور وہیں پر نادر حیات صاحب کو اعلیٰ حکام نے ہدایت کی کہ اس سلسلے میں مکمل طور پر اپنی کارروائی کا آغاز کریں اور خصوصی محکمہ اور ایجنسیوں کو حرکت میں لایا جائے..... نادر حیات صاحب نے اس فلم کی کاپی کے لئے مطالبہ کیا، ہیکٹر نے سرکاری طور پر ذمہ داریوں کے ساتھ یہ فلم نادر حیات صاحب کے حوالے کر دی اور کہا کہ اس کی کاپی کر اگر اصل کیسٹ انہیں واپس کر دیا جائے..... نادر حیات صاحب نے یہ ذمہ داری قبول کر لی تھی اور اس کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔



ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اپنی رہائش گاہ میں ایک بڑے ہال نما کمرے میں ٹہل رہے تھے، چہرے سے اظہار ہوتا تھا جیسے شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہوں، جو ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تھی اس کے بارے میں بات جس قدر آگے بڑھ چکی تھی صحیح معنوں میں وہ اس کی رپورٹ بھی پیش نہیں کر سکے تھے..... شہاب کی شخصیت سامنے آ جاتی تھی اور جہاں تک شہاب کا تعلق تھا نادر حیات صاحب اپنے طور پر اسے حق بجانب سمجھتے تھے..... یہ بھی جانتے تھے وہ کہ شہاب جس قدر ضدی فطرت کا نوجوان ہے اسے کنٹرول کرنا ان کے بس سے باہر ہے وہ اپنے مقصد اور حصول کے لئے اپنی زندگی کی کبھی پروا نہیں کرتا اور نہ ہی ان حالات کی جو اس کام کے دوران پیش آجائیں، وہ دیانت داری سے کام کرنے کا عادی تھا..... دانی شاہ کو ایک لڑکی کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے کے لئے اس نے باڑی جیسی خوفناک جگہ میں

جو کارنامے سرانجام دیئے تھے وہ بڑے سنسنی خیز اور ہیبت ناک تھے..... نادر حیات صاحب کو اس کی رپورٹ کے علاوہ اپنے طور پر بھی وہاں سے معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور جو رپورٹیں انہیں موصول ہوئی تھیں وہ انتہائی بھیاںک تھیں..... شہاب نے وہاں کام کیا تھا اور اتنے اعلیٰ پیمانے پر کام کیا تھا کہ تنہا ہونے کے باوجود اس نے لا تعداد جرائم پیشہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور دانی شاہ جیسے خطرناک مجرم کو اس کے دو ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے لے آیا تھا..... شہاب نے یہ کارنامہ جس محنت کے ساتھ سرانجام دیا تھا اس کا اندازہ نادر حیات صاحب کر سکتے تھے اور اس کے بعد وہ ایسے پانچ نام لے کر آیا تھا جو سنڈکیٹ کے سربراہوں میں سے تھے، لیکن نادر حیات صاحب نے اپنے طور پر اپنے وسائل اور ذرائع سے کام لے کر ان کے بارے میں جو تحقیقات کی تھیں وہ یہ بتاتی تھیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا بارود کے ڈھیر کو آگ دکھانے کے مترادف ہے اور شاید نادر حیات صاحب ہی نہیں بلکہ جو بھی اس بارود کے ڈھیر کو ہاتھ لگائے گا جل کر خاکستر ہو جائے گا اور ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا..... یہ ایک المیہ تھا لیکن جو تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اور دوسری جانب شہاب تھا کہ تعاون پر آمادہ ہی نہیں ہوتا تھا ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ نادر حیات صاحب شہاب کی فطرت سے ذاتی طور پر بہت مرعوب ہو گئے تھے، اس نے شادی کے لئے کہا تھا اور شادی کر ڈالی تھی، بلکہ بظاہر اس کے یہ الفاظ مذاق معلوم ہوتے تھے لیکن وہ مذاق بھی اتنی سنجیدگی سے کرتا تھا ویسے نادر حیات بھی اس بات کے قائل تھے کہ شہاب جو کچھ کہہ رہا ہے ظاہر ہے اس کے بغیر کچھ کیا نہیں جاسکتا..... مجرم نگاہوں کے سامنے ہیں لیکن وسائل محدود اور ان کے ذرائع طاقتور جس کی بنا پر ٹھوس طریقے سے کوئی عمل نہیں کیا جاسکتا تھا اور اگر عمل کیا بھی جاتا تو اس کے نتائج بڑے خطرناک نکل سکتے تھے..... بہر حال اب اس وقت محکمہ داخلہ کے جن اعلیٰ ترین افراد نے اس سلسلے میں انہیں ہدایات دی تھیں ایک طرف تھے اور دوسری طرف شہاب کی ضد..... شہاب کوئی ایسا ذریعہ اختیار کرنے پر تیار نہیں تھا جس سے کوئی درمیانی راہ نکل آئے..... محکمے میں اور بھی بے شمار افراد تھے کچھ ایسے بھی تھے جن کے کارنامے زبردست تھے لیکن نادر حیات صاحب کی جوائنڈر سٹینڈنگ شہاب سے تھی وہ ان میں سے کسی سے نہیں تھی، بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد آخر کار انہوں نے شہاب کو فون کیا، جانتے تھے کہ اس وقت گھر پر ہو گا کسی اور نے فون ریسیو کیا تھا اور بات شہاب تک پہنچ گئی

تھی..... شہاب کی مودب آواز سنائی دی۔

”سر خادم بول رہا ہے۔“

”اور میں نے سنا ہے کہ تم برابر دفتر آرہے ہو، تم نے کوئی چھٹی بھی نہیں لی، لیکن دفتر میں تم مجھ سے نہیں ملے..... شادی میں بھی جس طرح تم نے رسمی طور پر مجھے بلایا مجھے اس کی شکایت ہے۔“

”سر میرا خیال ہے آپ کی یہ شکایت بجا ہے، بات میرے اور آپ کے سٹیشن کی ہے۔“

”ایک ماتحت اتنے بڑے افسر کو نیاز مندی کے طور پر شادی کا دعوت نامہ دے سکتا ہے، اس احساس کے ساتھ کہ وہ افسر بہر طور ایسی تقاریب میں شرکت نہیں کر سکتا، لیکن اس کے باوجود آپ نے جس محبت کا سلوک کیا شاید میں اس احساس کو زبان سے بیان نہ کر سکوں، جہاں تک دفتر آنے کی بات ہے تو سر ذمہ داریاں تفریح کی نذر نہیں کی جاسکتیں..... ایک جانب میرے شانے پر اپنی بیوی کی ذمہ داری آئی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنی نوکری سے بھی دیانت دار رہنا چاہیے، تاکہ وہ قائم رہے اور میں اپنی بیوی کی کفالت کر سکوں..... دوسری جانب میری ملازمت اور فرائض ہیں جو مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے کہ میں زندگی گی عارضی رنگ رلیوں میں کھو جاؤں، چنانچہ دونوں ہی کام خوش اسلوبی سے پلے پلے ہیں۔ آپ کی یہی عنایت یا کم ہے کہ میری بیوی سرکاری نوکر ہے۔“

”شہاب تمہاری اور بیٹائی واقف محو پڑیو ہے وہ شاید میں اس وقت تک اس بارے میں نہیں سوچوں گا جب تک یہ علم نہ ہو۔“

پیدا ہوا ہے وہ ختم ہو گیا۔

”اختلاف.....“ شہاب نے تعجب سے کہا۔

”ہاں قطعی تم چاہے کتنی ہی غیر جانبداری سے کام لو، لیکن جو تمہارے ذہن میں ہے۔“

”سر آپ اسے اختلاف کا نام نہ دیں۔“

”اور اس وقت بیٹا کیا کر رہی ہے یہ بتاؤ۔“

”میرے والدین کے ساتھ ہے۔“

”کچھ وقت نکال سکتے ہو۔“

”بالکل جناب۔“

”کیا میں اس کے لئے معذرت کروں۔“
”نہیں۔“

”تو پھر میرے گھر آ جاؤ۔“

”کتنا وقت دے رہے ہیں آپ مجھے۔“

”بس آ جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں اور پریشان ہوں۔“ نادر حیات صاحب نے کہا۔

”میں پہنچ رہا ہوں۔“ شہاب کی آواز سنائی دی۔

”خدا حافظ۔“ نادر حیات صاحب نے ٹیلی فون بند کر دیا اور پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں، ذہن شہاب ہی میں الجھا ہوا تھا..... پتھر کا انسان ہے اپنے اصولوں میں فولاد سے زیادہ سخت، لیکن بہر حال اب کوئی درمیانی راہ نکالنی پڑے گی، کیونکہ اس سے تعاون کے بغیر چارہ کار نہیں ہے..... نادر حیات صاحب دیر تک بیٹھے ہوئے کچھ سوچتے رہے تھے..... بہت سے معاملات میں شہاب بھی نادر حیات صاحب کی مجبوریوں کو جانتا تھا، لیکن بس کبھی کبھی ضد کرنے کو دل کرتا تھا..... اسے علم تھا کہ نادر حیات صاحب بھی ایک حد تک ہی اپنے اختیارات استعمال کر سکتے ہیں..... ظاہر ہے انہیں شہنشاہ والے اختیارات حاصل نہیں تھے، جن میں صرف اپنا قانون چلتا تھا..... انہیں بہر طور قرب و جوار کے حالات کا بھی جائزہ لینا پڑتا تھا اور اس وقت شہاب نے اپنے طور پر جو کھیل کھیلا تھا وہ بالکل ہی مختلف تھا..... بیٹا کو بہر طور اس نے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا خواب مکمل کر لیا تھا، حالانکہ وہ اس احساس اور اس خوف کا شکار تھا کہ خوابوں کی تکمیل جو بدولی پیدا کر دیتی ہے کہیں ایسی کوئی کیفیت نمودار نہ ہو، لیکن بہر حال ہر کام خود بخود نہیں ہو جاتا..... اس کے لئے کبھی کبھی ماحول اور کبھی کبھی عوامل راستہ ہموار کرتے ہیں اور انہی سے اگر بچ لیا جائے تو زندگی میں بہت سی مشکلات میں کمی ہو جاتی ہے..... نادر حیات صاحب کے پاس پہنچنے مٹھا شہاب نے دیر نہیں لگائی تھی..... پہلے بھی خفیہ طور سے بہت سے سرکاری معاملات کے لئے نادر حیات صاحب کی کوششی میں آچکا تھا اور اس وقت نادر حیات صاحب نے اس کے لئے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی..... اس دوران وہ شہاب سے گفتگو کے تمام بنیادی اصول طے کر چکے تھے..... انہوں نے اپنے کمر خاص میں شہاب کا خیر مقدم کیا اور پر تپاک انداز میں ان کے اشارے پر بیٹھ گیا تھا..... نادر حیات صاحب خاموشی سے اسے دیکھتے رہے پھر بے اختیار

مسکرا پڑے۔

”بہت سی باتیں یاد کرتا ہوں..... یہ نہ سمجھنا کہ اپنی گفتگو سے تم کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ شہاب بھی مسکرا دیا پھر آہستہ سے بولا۔

”آپ میرے لئے بے حد محترم ہیں اور میں اپنے دل میں آپ کے لئے جو عزت اور جو مقام رکھتا ہوں..... شاید آپ اس پر یقین کر لیں۔“

”لیکن کبھی کبھی مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتے ہیں۔“

نادر حیات صاحب نے شکایتی انداز میں کہا۔

”تصور بھی نہیں کیا ہے میں نے کبھی اس انداز کا لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو ہر اس ممکن طریقے سے معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں جس کی آپ اجازت دیں۔“

”نہیں بیٹے..... میں تم پر ناز کرتا ہوں..... تمہارے افکار و خیالات سے میں نے ہمیشہ اتفاق کیا ہے، لیکن کبھی کبھی ضدی ہو جاتے ہو۔“

”معد بھی اپنے بزرگوں اور اپنے بڑوں سے کی جاتی ہے جناب۔“

”مگر ایسی ضد تو نہیں ہونی چاہئے..... جسے بزرگ یا بڑے پوری نہ کر سکیں۔“

”ضد پوری نہ ہونے پر غصہ تو آتا ہی ہے۔“

”اور بزرگوں کو مشکل میں ڈال دیا جاتا ہے۔“ شہاب نے کہا۔

”زبان کے بھی تیز ہو..... خیر اس وقت اجازت ہے..... کوئی ڈسپلن گھر میں نہیں ہوتا..... میں تمہیں اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھتا ہوں اور اس وقت اس کیفیت سے فائدہ بھی اٹھاؤں گا۔“ شہاب ہنسنے لگا تھا۔

”سناؤ..... شادی کا تجربہ کیسا رہا؟“

”ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔“

”نہیں تم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بڑی ذہانت پر مبنی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک ایک قدم اٹھا کر تم یہاں تک پہنچے ہو، یعنی عدنان واسطی صاحب کی بیٹی جس نے قانون کی تعلیم حاصل کی ہے..... اس وقت ایک اچھی خاصی پولیس آفیسر بھی ہے اور اسے ہیڈ کوارٹر سے بھی اٹھالیا گیا ہے۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور ہنسنے لگے۔

”جی ہاں..... تھوڑا سا یہ مسئلہ بھی ہے اور اگر اجازت دیں تو اس سلسلے میں ایک کام اور

کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ہاں کہو۔“

”حقیقت یہ ہے کہ شاید میں ابھی شادی کے لئے کوئی قدم نہ اٹھاتا، لیکن بہت سے قانونی معاملات میں بیٹا کو اس طرح آگے بڑھانا پڑتا تھا کہ اس کی کیفیت بھی مخدوش ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔ وہ کسی جال میں پھنس سکتی تھی۔۔۔۔۔ کسی کا شکار ہو سکتی تھی اور جب میں نے اسے ایسے ہی ایک مقصد کے لئے تیار کرنا چاہا تو اس نے دبی زبان سے مجھ سے یہ شکایت کی اور کہا کہ اگر وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی تو پھر کسی قیمت پر یہ نہ کرے گی کہ کسی کا سہارا حاصل کرے اور اپنی سوانیت کی حفاظت کرے، بلکہ خود کو ان راستوں سے ہٹالے گی۔۔۔۔۔ اس کی بات بڑی جائز تھی۔۔۔۔۔ میں نے اسے تسلیم کیا۔۔۔۔۔ پہلے میں نے اسے وہ حق دیا جو اس کا بنتا تھا اور اب میرے لئے کار آمد ثابت ہو گی، کیونکہ ہم دونوں کا مشن ایک ہے جناب۔۔۔۔۔ جرم کو ہر قیمت پر ختم کرنا، ہر قیمت پر۔“ شہاب کے لہجے میں ایک غراہٹ پیدا ہو گئی اور نادر حیات صاحب اسے متاثر نظروں سے دیکھنے لگے، پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

”ہاں۔۔۔۔۔ میں تمہاری کیفیت سمجھتا ہوں۔“

”خیر چھوڑیے۔۔۔۔۔ یقینی طور پر آپ نے اس وقت مجھے کسی اہم سلسلے میں طلب کیا

ہو گا۔۔۔۔۔ میں حاضر ہوں۔“

”اور اس وقت ایک نئے شادی شدہ مرد کو اس کے گھر سے بلا کر کسی الجھن میں مبتلا کر دینا ایک غیر مناسب عمل ہے، جس کا مجھے پورا پورا احساس ہے اور اس کے لئے تم سے معذرت چاہتا ہوں۔“

”نہیں جناب بالکل نہیں۔۔۔۔۔ بہر حال آپ نے یقینی طور پر کسی ایسے ہی اہم مسئلے میں مجھے طلب کیا ہو گا، جس کی اشد ضرورت ہو گی؟“ ڈی آئی جی صاحب کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔

”تفصیل وہی ہے، یعنی صورت حال بھی بعض اوقات کچھ اس طرح کا رخ اختیار کر جاتی ہے کہ انسان بے بسی کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ مثلاً جو سلسلہ جاری ہے وہی شدت اختیار کرنا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔“

”جی۔“ شہاب نے کہا۔

”انٹر نیشنل نارکوٹکس ہیڈ کوارٹر کے دو نمائندے جن کے سپرد بین الاقوامی طور پر انسداد منشیات کی ذمے داریاں ہیں۔۔۔۔۔ اپنی معلومات کے مطابق کچھ لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہانگ کانگ تک پہنچے اور پھر ہانگ کانگ سے ایک بڑے سنڈیکیٹ کے تین نمائندوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ یہاں تک آئے۔۔۔۔۔ یہاں ان نمائندوں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور پھر ایک میننگ طلب کی گئی جس میں پانچ افراد شریک ہوئے۔ یہ مقامی نمائندے تھے اور میننگ میں نقاب لگا کر شریک ہوئے تھے۔۔۔۔۔ میننگ میں جو گفتگو کی گئی وہ ریکارڈ کر لی گئی ہے اور یہ گفتگو بڑی عجیب و غریب حیثیت کی حامل ہے۔۔۔۔۔ اس میں باڑی کا تذکرہ بھی ہے۔۔۔۔۔ دانی شاہ کا بھی اور مقامی طور پر منشیات کے سلسلے میں جو سرگرمیاں ہو رہی ہیں ان کا بھی اور نئے سرے سے اپنے معمولات کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ ساتھ ہی ساتھ بہت سے ایسے عوامل بھی سامنے آئے ہیں جو چند الفاظ میں ہیں لیکن حقیقتوں کا بڑی وضاحت سے اظہار کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ایسی شکل میں اب تم مجھے بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور صورت حال کو کس شکل میں کون سا رخ اختیار کرنا چاہئے۔۔۔۔۔ میں اس سارے مسئلے سے بے پناہ پریشان ہو گیا ہوں۔“

”لیکن جناب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ریکارڈنگ کس طرح کی گئی ہے؟“ شہاب نے حیرت سے سوال کیا۔

”وہ دو نمائندے جو ان تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں، خاصے ذہین اور پریکٹیکل معلوم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ ان میں سے ایک کا نام لائڈ ہے دوسرے کا نام ہیکٹر۔۔۔۔۔ لائڈ نے زندگی کی بازی لگا کر ایک ونڈو سے یہ ریکارڈنگ کی ہے۔۔۔۔۔ میں نے تمہیں دکھانے کے لئے تمام انتظامات کر کے رکھے ہیں۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔۔۔ اس کے بعد انہوں نے تمام انتظامات کئے اور پھر وی سی آر پر فلم چلا کر شہاب کو وہ فلم دکھائی جو لائڈ اور ہیکٹر سے حاصل کی ہوئی کاپی تھی۔۔۔۔۔ شہاب حیرت اور دلچسپی سے یہ فلم دیکھ رہا تھا جو نامکمل بے شک تھی لیکن اس سے بہت سی حقیقتوں کا انکشاف ہوتا تھا، بعد میں نادر حیات صاحب نے شہاب کو اس سلسلے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”لائڈ اور ہیکٹر خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ فلم نامکمل ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی مشکل حالات میں ایک عظیم الشان بے شمار منزلہ عمارت کی ایک منزل کے

بالکل بیرونی حصے کی کھڑکی سے یہ ریکارڈنگ کر رہا تھا اور کسی بھی لمحے کسی خوفناک حادثہ شکار ہو سکتا تھا..... اس لئے زیادہ تفصیل سے ریکارڈنگ نہیں کی جاسکی۔“ شہاب نے تعجب انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”وہ جو کوئی بھی ہیں بہت ذہین افراد ہیں اور میرا خیال ہے انتہائی قابل قدر کہ انہوں نے اس سخت جدوجہد کے ساتھ یہ کاوش کی ہے..... اس کے بعد کیا ہوا جناب؟“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ وہ تین نمائندے اور یہ پانچ افراد ان کے بارے میں لائڈ اور ہیکٹر نے معلومات حاصل کی ہیں۔“

”یہاں ان سے چوک ہو گئی۔“ اور نادر حیات صاحب نے کہا۔

”وہ کیسے؟“ شہاب نے سوال کیا۔

”وہ مطمئن تھے کہ ان کا قیام یہیں اسی ہوٹل میں ہے، لیکن صبح کو جب انہوں نے انہیں چیک کیا تو وہ کمرے خالی کر کے جا چکے تھے۔“

”اتنی صبح؟“ شہاب نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... یقینی طور پر ان پانچ افراد نے جو مقامی حیثیت رکھتے ہیں..... انہیں ایسی کوئی پیشکش کی ہوگی..... ویسے بھی ایسے لوگوں کا ہوٹل میں قیام غیر مناسب تھا۔“

”ہو نہہ..... تو یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ تین نمائندے اب کہاں ہیں؟“

”نہیں۔“

”اور ان پانچ نقاب پوشوں کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا؟“

”نہیں شہاب..... غیر ملکی ہیں اور ہمارے ملک میں بہر حال ان کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ اتنی برق رفتاری سے کوئی کارروائی کر سکتے، لیکن اب اس کے بعد انہوں نے براہ راست وزارت داخلہ سے رابطہ قائم کیا ہے اور ایک انتہائی اہم میٹنگ میں..... تم

سمجھ لو اس میں ملک کے تمام بڑے شریک ہوئے ہیں..... یہ ذمہ داری بڑی سختی کے ساتھ میرے سپرد کی گئی ہے۔“

”دونوں نمائندے کہاں ہیں؟“

”انہیں سرکاری طور پر قیام کی دعوت دی گئی ہے، کیونکہ بہر حال انہوں نے اپنا

کمل کر لیا ہے اور اب بین الاقوامی معاہدے کے تحت ان کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔“

”کیا چاہتے ہیں وہ؟“

”تفصیل تو چاہتے ہی ہیں اور اس سلسلے میں کوئی اطمینان بخش رپورٹ بھی لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارا فرض یہ ہوگا کہ ان نمائندوں کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کریں..... بڑا

ضروری ہے اور باقی جہاں تک ان مقامی نقاب پوشوں کی بات ہے تو ان کی ذمہ داری بھی ہم پر ہی عائد ہوتی ہے کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے انٹر نیٹل نارکوٹکس کو اطلاع دیں اور انہیں ان کے حوالے کریں..... ان تمام ضرورتوں کے ساتھ جو اس سلسلے میں

ہم پر عائد ہوتی ہیں..... ساتھ ہی باڑی کے بارے میں بھی ہمیں تفصیلی رپورٹ دینا ہوگی اور باڑی پر کنٹرول حاصل کرنا ہوگا۔“

”کیا یہ سارا کام اتنی آسانی سے ہو جائے گا؟“

”نہیں..... اس سلسلے میں متعلقہ محکمے مل کر کارروائی کریں گے..... ہمارا کام صرف

اپنی ذمہ داری پوری کرنا ہے۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر ایک بار پھر جنونی سی مسکراہٹ پھیل گئی..... نادر حیات صاحب اسے دیکھ رہے تھے..... اس

مسکراہٹ کو انہوں نے پوری طرح محسوس کیا اور ان کی آنکھیں جھک گئیں، پھر وہ آہستہ سے بولے۔

”اور اگر اس وقت تم مجھے کوئی سخت بات کہنا چاہتے ہو تو بے شک کہہ لو لیکن میں خود کو اس کا ذمہ دار نہیں سمجھتا۔“

”نہیں جناب..... یہ غلط بات ہے..... آپ اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار سمجھیں گے اور آپ کو سمجھنا چاہئے۔“

”لیکن؟“

”وزارت داخلہ سے بات چیت کیجئے گا..... آپ کے سپرد ذمہ داری کی گئی ہے..... آپ اجازت لیجئے ان لوگوں سے کہ آپ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ہر وہ ممکن قدم اٹھائیں گے جو ضروری ہو۔“

”اور اگر کہیں کوئی چوک ہو گئی تو جواب دی کون کرے گا؟“ نادر حیات صاحب نے کہا۔

”میں۔“ شہاب سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا اور نادر حیات صاحب اسے دیکھنے لگے، پھر

آہستہ سے بولے۔

”برامت ماننا شہاب..... جو ذمے داری میری ہے اس کی پوری ذمے داری تم پر نہیں آتی..... تم سے صرف میں جواب طلب کر سکتا ہوں۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میں آپ کو جواب دوں گا۔“

”میں تم پر اعتبار بھی کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بالکل درست ہے، لیکن تم مجھے یہ بتاؤ؟“

”نہیں سر! لیکن کا لفظ، میرے خیال میں ایسے حالات میں ایک لنگڑی معذرت ہے..... معاف کیجئے گا میں اسے قبول نہیں کرتا۔“

”شہاب پھر وہی سخت لہجہ اختیار کر لیا ہے تم نے۔“

”مجبوری ہے سر! ہم مجرموں کے خلاف کام کر رہے ہیں..... کوئی دوستانہ جدوجہد نہیں کی جا رہی..... مجرم پوری بے رحمی کے ساتھ مصروف عمل ہیں..... ہم اسے ذرا بھی کمزور چھوڑیں گے تو وہ ہمیں ختم کر دیں گے اور ہمیں علم ہے کہ میری تو نئی نئی شادی ہوئی ہے بلکہ آپ نے مجھے غصہ دلا کر میری شادی کرا دی..... ہو سکتا ہے زندگی کی جدوجہد بچہ ماند پڑ جائے..... اب تو مجھے اپنی بیوی کے لئے بھی غور کرنا ہو گا۔“

”ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن تم مجھے بتاؤ کہ کیا اس انداز میں کام کیا جاسکتا تھا۔“

”کیا جاسکتا تھا نہیں کیا جاسکتا ہے۔“

”مطلب؟“

”کیس وہی ہے..... دانی شاہ نے ایک بچی کو قتل کیا..... واقعہ یوں تھا کہ اس سنڈیکیٹ نے اس گروہ نے اس لڑکی کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا ہوا تھا..... معمولی حیثیت کی مالک تھی وہ لیکن آپ دیکھئے کہ جرم کرنے والا کس طرح اپنے آپ کو چاروں طرف سے محفوظ رکھ رہا ہے اور ہم جو جرم کو ختم کرنے کے لئے کمر بستہ ہوتے ہیں لا تعداد زنجیروں میں جکڑے رہ جاتے ہیں..... آپ خود سوچئے اسے ہم پر برتری کیوں نہ حاصل ہوا..... اس کی زنجیریں تو کھلی ہوئی ہیں بلکہ حقیقی معنوں میں اس کے پاؤں میں تو کوئی زنجیر ہی نہیں ہے..... وہ بچی ایک ایسے خاندان کی تھی جو بے کس اور بے بس تھا..... وہ بحالت مجبوری ان کے چنگل میں جا پھنسی تھی اور حقیقوں کا علم ہونے کے بعد ان سے بچ نکلنا چاہتی تھی..... انہوں نے اسے زندہ

نہیں چھوڑا..... ہلاک کر دیا اس بے چاری کو لیکن بہر حال بات میرے علم میں آگئی اور نادر حیات صاحب میں نے باڑی پہنچ کر جو کچھ کیا اس میں لمحہ لمحہ میری زندگی موت سے ہبکنار ہوتی رہی..... میں اپنے آپ کو بچاتا رہا اور مجرموں کے گرد جال بنتا رہا..... بے شمار افراد ہلاک کرا دیئے میں نے..... اتنے کہ اگر آپ باقاعدہ کوئی مسلح جدوجہد شروع کراتے اور انتظامیہ کی بہت بڑی تعداد ان لوگوں کو گھیر کر فنا کرنے کی کوشش کرتی تو شاید اس سے زیادہ افراد کو نہ مار سکتی اور پھر میں وہاں سے جو کچھ معلومات حاصل کر کے آیا اور دانی شاہ کو قید کر کے لایا وہ معمولی کام نہیں تھا..... دانی شاہ میرے ساتھ دارالحکومت آنے تک آزاد تھا..... سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ کہ جو شخص اسے لئے جا رہا ہے وہ اس کے سنڈیکیٹ کا آدمی نہیں بلکہ انتظامیہ کا فرد ہے..... وہ جب بھی چاہتا مجھے قتل کر سکتا تھا اور جب میں اپنی دانست میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے کر یہاں تک پہنچا تو آگے قدم بڑھانے سے روک دیا گیا مجھے..... نہیں نادر حیات صاحب! یہ صلہ نہیں ہے یہ تو معاف کیجئے گا ایک عجیب سی بددلی کا احساس پیدا کرنے والی بات ہے..... میں مزید کیا کہوں اس سلسلے میں؟“ نادر حیات صاحب نے گردن جھکا لی پھر بولے۔

”ہاں اتفاق کرتا ہوں میں تم سے لیکن بہر حال جو ہے..... وہ تو ہے ناں..... ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسے ختم کر سکتے ہیں..... معاشرہ بہت دُور تک بگڑا ہوا ہے اور بات یہیں کی یہیں ہے..... دُنیا کے لا تعداد ملکوں میں کیا کچھ ہو رہا ہے، دیکھ لو شہاب..... بہت سی مجبوریاں ہر جگہ ہوتی ہیں، بیٹے! انہی میں اپنے لئے جگہ بنانی پڑتی ہے۔“

”دانی شاہ کو جیل میں قتل کر دیا گیا..... باقی افراد اس لئے مار دیئے گئے کہ حقیقتیں سامنے نہ آسکیں..... کون لوگ تھے یہ میں جانتا ہوں..... کیا کروں بتائیے ان کے بارے میں..... کیا کرنا چاہئے مجھے..... آپ نے نقابوں میں انہیں دیکھ لیا..... یہ وہی پانچ تھے، جن کے نام میں لے کر آیا ہوں..... وہی پانچ..... سمجھ رہے ہیں ناں آپ..... اب بتائیے کیا کردوں میں؟ انہی کی ہدایت پر رمضان خان نے جیل میں اس وارڈ کو زہر دیا، جس میں دانی شاہ موجود تھا..... باقی لوگ دانی شاہ کے ساتھ مارے گئے کیا یہ معمولی بات ہے..... وہ تو ہر اس ثبوت کو مٹا دیں گے، ہر اس شخص کو ختم کر دیں گے جو ان کے خلاف کسی بھی شکل میں سامنے آسکتا ہے اور اس میں آپ جاننے ہیں سر فہرست کون ہو گا؟ محترم نادر حیات صاحب!

”اوہو..... کیا واقعی؟“

”ہاں۔“

”کیا اس کے بارے میں مجھے آپ تھوڑی بہت تفصیل بتا سکیں گے آپ؟“

”مثلاً؟“

”مثلاً یہ کہ رمضان خان کے بارے میں آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل

گیا ہے؟“

”تم اس پر خاص توجہ دے رہے ہو، کوئی خاص بات ہے کیا؟“

”نہیں سوال کر رہا ہوں..... پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے اس وقت طلب کیا

ہے..... اس کی کوئی وجہ ہوگی۔“

”بھئی سیدھی سادی وجہ ہے۔“

”کیا؟“

”یہ کہ میں تمہیں اس سلسلے میں اب آگے بڑھانا چاہتا ہوں..... جو صورت حال پیش آگئی

ہے، اس میں اور کوئی میری نگاہوں میں اس قابل نہیں ہے کہ ان نمائندوں کا سراغ لگا سکے۔“

”بات صرف نمائندوں کے سراغ کی ہے۔“

”ہاں۔“

”اور ظاہر ہے کہ وہی لوگ اس بارے میں بتا سکتے ہیں۔“

”کون؟“

”جنہوں نے انہیں تحفظ دیا۔“

”یعنی وہ پانچ نقاب پوش۔“

”جی۔“

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان پر ہاتھ کیسے ڈالا جائے؟“

”میرے ذریعے۔“ شہاب نے کہا۔

”بات وہیں آجاتی ہے ناں۔“

”وہاں تو آئے گی۔“ شہاب بولا۔

”رمضان خان کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟“

آپ کا یہ غلام شہاب ثاقب..... لیکن مجھے فکر نہیں ہے اس بات کی، کیونکہ میرے والدین کے شہید تھے اور میں بھی سچائی ہی کے ہاتھوں جینا چاہتا ہوں..... سمجھ رہے ہیں ناں..... موت کسی بھی وقت میں اپنانے کے لئے تیار ہوں لیکن سچ کے ساتھ..... سچ کا بول بالا کرتے ہوئے۔“

”مگر اب کریں کیا، یہ بتاؤ؟“

”کیا چاہتے ہیں آپ؟“ شہاب نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”ان تین نمائندوں کی بازیابی جو ہانگ کانگ سے یہاں آئے ہیں..... انہیں لائبریری ہیکٹر کے حوالے کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک ایسا ٹھوس وعدہ جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم بہت جلد حقیقتوں کا سراغ لگا کر انٹر نیشنل ڈیپارٹمنٹ کو اس سلسلے میں اطلاع دیں گے۔“

”کیا آپ ایسا کریں گے؟“

”کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا..... اب فرض کرو دانی شاہ کا مسئلہ ہے، اس کی موت عجیب و غریب حیثیت رکھتی ہے..... کوئی اس سلسلے میں جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہے..... وہ ایک شخص رمضان خان تھا وہ اپنی گردن صاف بچالے گیا..... جانتے ہو ملک چھوڑ کر نکل گیا ہے۔“

”آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں؟“ شہاب نے سوال کیا۔

”سیدھی سیدھی سی بات ہے، بہر حال وہ یہاں رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔“

”اور کیا وہ لوگ اسے زندہ رکھنے کا خطرہ مول لے سکتے تھے؟“ شہاب نے پوچھا۔

”کون لوگ؟“

”اس کے سر پرست، جنہوں نے اس سے یہ کام کرایا۔“

”ہاں ظاہر ہے۔“

”تو کیا یہ ممکن نہیں کہ رمضان خان کو یہاں سے نکلنے نہ دیا گیا ہو، بلکہ وہ بھی کہیں

زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہو؟“

”نہیں..... میرا محکمہ بہر حال کام کرتا رہا ہے..... تم تو بگڑ گئے تھے اور پھر تم نے غصے

میں آکر شادی کر ڈالی لیکن بہر حال تھوڑا بہت کام میں کراتا رہا ہوں۔“

”یہ کہ اس کے بارے میں آپ کے پاس کیا ثبوت ہیں کہ اسے ہلاک نہیں کر دیا گیا؟“
 ”خیر یہ تو کوئی ثبوت نہیں ہے..... ہاں مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اسے کسی غیر ملک میں لے
 جا کر مار دیا گیا ہو۔“

”یعنی یہاں اسے قتل نہیں کیا گیا؟“

”کیا تم اس کی لاش دریافت کر چکے ہو؟“ اچانک ہی نادر حیات صاحب نے چونک کر کہا
 ”بالکل نہیں۔“

”تو پھر میں تمہیں مختصر الفاظ میں یہ بتاؤں کہ اس کے بارے میں تحقیقات کرتے
 ہوئے یہ بات پتا چل گئی ہے کہ رمضان خان نامی شخص فلاں دن فلاں وقت فلاں فلاں سے
 ملک سے باہر جا چکا ہے..... باقی معلومات یہ ہی کہتی ہیں۔“

”گڈ..... ٹھیک ہے..... اس کا مقصد ہے کہ انہوں نے ایک اہم ثبوت ختم کر دیا۔
 رمضان خان یہ گواہی دے سکتا تھا کہ اس نے کس کے کہنے پر کھانے میں زہر شامل کر لیا۔“
 ”اس سلسلے میں تو سب کچھ پوچھا جا چکا ہے اس سے..... وہ اعتراف ہی نہیں کرتا، بلکہ
 اس نے ان لوگوں کو حوالے کر دیا تھا..... جو کھانا تیار کیا کرتے تھے..... ایک طرح سے وہ ٹٹا
 گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ملک چھوڑ کر چلا گیا۔“

”کیوں؟“

”بھئی اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ خوفزدہ تھا اور اس کے علم میں تھا کہ زہر
 شامل کر لیا گیا تھا۔“

”جی بالکل لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ معلوم کرانا چاہئے تھا کہ رمضان خان،
 کہاں ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”وہ ہمارے لئے بہت بڑا مہرہ ثابت ہو سکتا ہے..... وہ ہی بتا سکتا تھا کہ وہ کون تھا
 جس نے اسے زہر شامل کرنے کے لئے کہا تھا اور اگر وہ شخص کم از کم ہمارے علم میں آ جاتا
 ہم یہ کہہ سکتے تھے، یہ تو کر سکتے تھے کہ اس سے ان نمائندوں کے بارے میں معلومات
 حاصل کر لیتے۔“

”نادر حیات صاحب سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

”ہاں یہ حقیقت ہے ایسا ہو سکتا تھا مگر رمضان خان کے بارے میں اس سے زیادہ میں
 معلومات نہیں حاصل کر سکا۔“

”یہاں اس جگہ ہم جو گفتگو کر رہے ہیں کیا وہ محفوظ ہے؟“

”کیا مطلب؟“ نادر حیات صاحب چونک کر بولے۔

”میرا مطلب ہے کوٹھی میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے..... جہاں ہم نہایت اطمینان سے
 گفتگو کر سکیں اور اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔“

”نہیں..... ایسی ایک جگہ ہے..... ایک تہہ خانہ جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اور ہر طرح
 سے محفوظ بھی ہے۔“

”تو میرے خیال میں کیوں نہ ہم وہاں چلیں؟“

”مگر کیوں یہاں تم کوئی غلط بات محسوس کر رہے ہو؟“

”جی۔“

”کک..... کیا مطلب؟“ نادر حیات صاحب نے چونک کر کہا۔

”وہ تہہ خانہ میں دیکھنا چاہتا ہوں..... کیا وہاں ہماری ہر بات محفوظ رہ سکتی ہے؟“

”پتا نہیں تم یہ الفاظ کیوں کہہ رہے ہو لیکن بہر حال اگر تم اس بات کے خواہش مند
 ہو تو آؤ، میں تمہیں لئے چلتا ہوں۔“ اس کے بعد نادر حیات صاحب، شہاب کو لئے ہوئے
 اس تہہ خانے میں پہنچے تھے..... جو کوٹھی کے عقبی حصے میں تھا اور اس کا راستہ بھی کوٹھی کے
 بالکل پشت سے ہی اندر جاتا تھا..... شہاب نے یہ جگہ بہت پسند کی اور بولا۔

”اور ظاہر ہے آپ نے مجھے بلایا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ پریشان بھی ہیں۔“

”بہت پریشان ہوں شہاب! کیونکہ اب بات معمولی نہیں رہی ہے..... وزارت داخلہ

نے باقاعدہ میری گردن پر انگوٹھا رکھ دیا ہے۔“

”اور اس کے باوجود آپ کسی اور کی گردن پر انگوٹھا رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔“

”تیار ہوں..... لیکن احتیاط کے ساتھ۔“ نادر حیات صاحب نے جواب دیا۔

”جناب عالی! میری شادی کو ابھی چند روز ہوئے ہیں..... اصولی طور پر مجھے اپنی بیوی

کے پاس ہونا چاہئے لیکن آپ کے حکم پر میں یہاں حاضر ہوں، اس کا مطلب ہے کہ مجھے اس

بات کا اختیار ہے کہ آپ کی یہ رات بھی بے سکون کر دوں۔“ نادر حیات صاحب ہنسنے لگے

کو بھی لے آنا مستعد رہنا ہے..... رمضان خان بہر حال ایک الگ اہمیت کا حامل ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ توصیف نے کہا۔

”اور اس ہدایت کو یوں سمجھ لو کہ شہنشاہ کی ہدایت حاصل ہے اپنے طور پر چاہو تو اس سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔“

”نہیں بلکہ نہیں کیونکہ یہ ہدایت تو ہمیں پہلے ہی کر دی گئی ہے کہ آپ کی طرف سے ملنے والے امیر جنسی کے احکامات کی تعمیل کی جائے۔“ توصیف نے کہا۔

”تو پلیز اس کام میں جلدی بھی کرنی ہوگی تمہیں اور احتیاط بھی کرنی ہوگی..... رمضان خان کو باندھ کر لانا ہے، منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دینا ہے تاکہ وہ کوئی حرکت نہ کر سکے، مکمل احتیاط رکھنا۔“

”نہیک ہے جناب!“ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب تھوڑے فاصلے پر چہل قدمی کر رہے تھے اور گردن اٹھا اٹھا کر شہاب کو دیکھتے بھی جا رہے تھے..... شہاب اپنا کام ختم کرنے کے بعد ان کے پاس پہنچا تو وہ مسکرا کر بولا۔

”بہت پر اسرار شخصیت ہے تمہاری شہاب یقین کرو کبھی کبھی تو میں حیران رہ جاتا ہوں۔“

”کیوں جناب؟“

”بس نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری اس سادہ شخصیت کے پیچھے کوئی گہرا راز چھپا ہوا ہے، تم صرف اس حد تک نہیں ہو جس حد تک نظر آتے ہو بلکہ اس کے پس پردہ بھی کچھ ہے۔“

”اس کے پس پردہ جو کچھ ہے جناب اس کا اظہار آپ پر کر چکا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”ایک احساس..... ایک ضد..... ایک عزم..... ایک کیفیت جو اپنے باپ کی موت کے بعد میرے دل میں بیدار ہوئی اور میں نے دنیا کو ذرا مختلف انداز میں دیکھنا شروع کر دیا۔“ نادر حیات صاحب خاموشی سے کچھ سوچنے لگے پھر چونک کر بولے۔

”میرا خیال ہے تم کسی سے بات کر رہے تھے؟“

”جی ہاں۔“

”کیا ٹرانسمیٹر پر؟“

پھر بولے۔

”مگر میری بیوی گہری نیند سو رہی ہے، اس لئے مجھے اس کی پروا نہیں ہے..... تم خوشی کے ساتھ میری یہ رات برباد کر سکتے ہو۔“

”تو کچھ لمحوں کی اجازت؟“

”کہاں؟“

”بس ذرا تہہ خانے کے باہر بلکہ آپ بھی آئیے تہہ خانے میں ہمیں دوبارہ واپس آنا ہو گا لیکن کچھ وقت کے بعد۔“

”ہاں ہاں آؤ چلو۔“

”اب آپ سے تھوڑی سی معذرت چاہتا ہوں، ایک چند منٹ کی اجازت دیجئے۔“

باہر نکلنے کے بعد شہاب نے نادر حیات صاحب سے کہا اور ان سے خاصا آگے بڑھ گیا..... پھر اس نے ٹرانسمیٹر نکالا اور اس پر اپنے ساتھیوں کو کال کرنے لگا، جواب ذرا دیر سے ملا تھا لیکن کچھ لمحوں کے بعد نیند میں ڈوبی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔

”سی پی کالنگ..... سی پی کالنگ۔“

”توصیف۔“

”ہاں توصیف بول رہا ہوں کون صاحب؟“

”توصیف..... شہاب بول رہا ہوں۔“

”جی شہاب صاحب! خیریت؟“

”ہاں خیریت ہے ایک کام پڑا ہے۔“

”ہاں ہاں کہئے فوراً میں حاضر ہوں۔“ توصیف نے مستعدی سے کہا۔

”رمضان خان کو لیکر نادر حیات صاحب کی کوٹھی پہنچنا ہے۔“

”رمضان خان کو لے کر نادر حیات صاحب کی کوٹھی پر؟“ توصیف نے سوال کیا۔

”تمہارا ذہن نیند میں ڈوبا ہوا تو نہیں ہے؟“

”نہیں اب نہیں ہے۔“

”رمضان خان کو لے کر نادر حیات کی کوٹھی پر پہنچ جاؤ..... بند گاڑی میں آنا ہے..... نادر حیات صاحب کی کوٹھی کے گیٹ پر میں تمہیں مل جاؤں گا اور بہتر ہو گا کہ اپنے ساتھ اور افراد

”کچھ چیزیں اگر میری ذات تک محدود ہیں تو کیا آپ مجھے اس کا حق دیں گے؟“
 ”سوری کیوں نہیں۔“ نادر حیات صاحب نے آہستہ سے کہا..... شہاب خاموش ہو گیا تھا، پھر نادر حیات صاحب بولے۔

”وہ کوئی اہم مسئلہ ہے میرا مقصد ہے ہمیں یہاں کہاں رکنا ہے۔“
 ”جی سر چوکیدار سے بس اتنا کہنا ہے کہ ابھی کچھ لوگ آنے والے ہیں کسی کو لے کر انہیں اندر پہنچانا ہے۔“
 ”کتنے افراد ہیں؟“

”نہیں صرف ایک آدمی۔“

”میں سیکورٹی گارڈز کو ہدایت کئے دیتا ہوں۔“

نادر حیات صاحب نے کہا اور آہستہ سے ٹپکتے ہوئے گیٹ کی جانب چل پڑے، ہر گیٹ پر موجود سیکورٹی گارڈز کو ہدایات دے کر وہ واپس پلٹے اور شہاب کے ساتھ دُور جا کھڑے ہوئے، دونوں مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے تھے..... یہاں تک کہ کچھ دیر کے بعد کوٹھی کے وسیع و عریض گیٹ پر کسی ٹار کی روشنیاں نظر آئیں اور نادر حیات صاحب چونک کر ادھر دیکھنے لگے..... شہاب چند قدم آگے بڑھ گیا تھا..... لیکن گیٹ پر آکر رُکی تو شہاب نادر حیات صاحب سے اجازت لے کر گیٹ کے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے توصیف اور دوسرے لوگوں سے رمضان خان کو وصول کیا اور سیکورٹی گارڈز کی حفاظت میں اسے لئے ہوئے آگے بڑھ گیا..... رمضان خان کے چہرے پر ایک کنٹوپ چڑھا دیا گیا تھا، اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے ہوئے تھے..... شاید منہ میں کپڑا بھی ٹھنسا ہوا تھا..... پاؤں کھلے ہوئے تھے..... سیکورٹی گارڈز اسے لئے ہوئے نادر حیات صاحب کے پاس پہنچے اور شہاب نے بعد میں اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے جھک دیتے ہوئے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا..... نادر حیات صاحب بری طرح حیران نظر آ رہے تھے، ان کا منہ تعجب سے کھلا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود تہہ خانے میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ کون آدمی ہے البتہ جس طرح سے اسے لایا گیا تھا اسے دیکھ کر نادر حیات صاحب نے یہ اندازہ ضرور لگالیا ہو گا کہ کوئی اہم ہی شخصیت ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے تھے..... وہ یہاں تک کہ شہاب، رمضان خان کو لئے ہوئے نادر حیات

صاحب کے ساتھ تہہ خانہ میں داخل ہو گیا..... پھر اس نے رمضان خان کو ایک طرف دھکا دے دیا اور وہ زمین پر جا پڑا..... نادر حیات صاحب کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

”کون ہے یہ؟“ ان کے سوال کے جواب میں شہاب نے آگے بڑھ کر رمضان خان کے منہ سے وہ کنٹوپ ہٹا دیا جو اس کا چہرہ ڈھکے ہوئے تھا اور رمضان خان کا چہرہ نمایاں ہو گیا..... اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی، بری حالت ہو رہی تھی، چہرہ بری طرح بدحواس تھا، منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور ٹیپ چپکا دیا گیا تھا..... شہاب نے آگے بڑھ کر اس کے منہ سے ٹیپ ہٹایا اور پھر کپڑا بھی نکال دیا..... رمضان خان بری طرح گڑگڑانے لگا تھا۔

”خدا کے لئے معاف کر دو..... خدا کے لئے معاف کر دو..... ارے معاف کر دو، بس ایک بار معاف کر دو..... خدا غارت کرے سب نکل گئے مجھے پھنسا دیا..... معاف کر دو بابا ایک دفعہ معاف کر دو..... قصور میرا نہیں ہے..... ارے قصور میرا نہیں ہے۔“ نادر حیات صاحب رمضان خان کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے شہاب سے کہا۔

”کون ہے یہ؟“

”رمضان خان ٹھیکیدار۔“

”کیا؟“ نادر حیات صاحب چونک پڑے۔

”جی یہ رمضان خان ٹھیکیدار ہے جو آپ کی معلومات کے مطابق ملک سے باہر نکل گیا تھا، لیکن یہ بات میں جانتا ہوں کہ اس نے کھانے میں زہر ملوایا تھا..... چوبیس افراد کی ہلاکت کا ذمہ دار ہے یہ، میں اس طرح تو اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا..... آپ لوگوں نے تو اسے بے گناہ قرار دے کر چھوڑ دیا لیکن یہ بے گناہ نہیں ہے..... چوبیس افراد میں سے تین افراد کو نکال دیجئے، یعنی دانی شاہ اور اس کے ساتھی باقی اکیس افراد کی موت کس کھاتے میں جائے گی اس کا مجھے جواب چاہئے نادر حیات صاحب میں ان لوگوں کی موت کو نظر انداز نہیں کر سکتا..... یہ ان تین گناہ گاروں کے علاوہ اکیس ایسے افراد کا قاتل ہے جن کا اس معاملے سے تعلق نہیں تھا..... وہ مجرم ہوں گے، کچھ بھی ہوں گے لیکن آپ مجھے بتائیے کہ میں انہیں کیسے نظر انداز کر دوں، چنانچہ رمضان خان کے سر پرستوں نے اسے باہر نکالنے کے لئے تمام تیاریاں مکمل کر لیں لیکن میں نے اس کے نام پر کسی اور کو یہاں سے باہر نکال دیا اور اسے اپنی تحویل میں لے لیا، کیونکہ بہر حال آپ اجازت دیتے یا نہ دیتے لیکن مجھے تو علم تھا کہ

آنے والے وقت میں آپ کو ان لوگوں کی ضرورت پیش آئے گی جو اس تمام کاری گری کی روح رواں ہیں..... نادر حیات صاحب آپ یقین کر لیں اور اس شخص سے پوچھ لیں کہ انجیل تک میں نے نہ تو اس پر کوئی تشدد کیا، نہ اس سے یہ پوچھا کہ اس کے سر پرست کون تھے اس کی بھی کچھ وجوہات تھیں۔“

”کیا؟“ نادر حیات صاحب بے اختیار بول پڑے۔

”وہ انتظار جو مجھے آپ کی طرف سے تھا اور میں جانتا تھا کہ آخر کار ایک وقت آپ مجبور ہو جائیں گے اور یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین بھی ہو جائیں گے۔“

نادر حیات صاحب نے آنکھیں بند کر لی تھیں..... دیر تک وہ تاثر میں ڈوبے رہے، پھر آنکھیں کھول کر بولے۔

”تمہارا نام رمضان ہے؟“

”جی مائی باپ! رمضان ٹھیکیدار ہوں میں۔“

”ہوں رمضان خان کتنے عرصے سے تم جیل کی ٹھیکیداری کر رہے ہو؟“

”بہت وقت ہو گیا ہے صاحب بہت وقت ہو گیا۔“

”تم رمضان خان کیا تم اب بھی یہ بتانے کو تیار نہیں ہو کہ کھانے میں زہر کس نے ملا تھا..... دیکھو تمہارے ساتھ رحم کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسی صورت میں جب تم سچائی بتا دو۔“

”وہ تو بات ختم ہو چکی ہے مائی باپ ہمیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ ہمیں کیوں پکڑا گیا ہے..... ہمیں تو بے گناہ کہہ دیا گیا تھا..... سارے بیان تو دے دیئے تھے ہم نے اب اُدھانڈی بازی ہے، غلط کام ہے کہ پولیس نے ہمیں قید کر رکھا ہے..... ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمیں پولیس نے قید کیا ہے کہ آپ لوگوں نے کوئی اور چکر چلا رکھا ہے۔“

”تمہ آہستہ رمضان خان کے قریب پہنچ گیا..... نادر حیات صاحب شہاب کو دیکھ رہے تھے شہاب نے کہا۔

”دیکھو رمضان خان یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ وارڈ میں جو چوبیس افراد بلاک ہو۔

ان کے کھانے میں زہر کس نے اپنے ہاتھوں سے ملایا تھا اور کس کے کہنے سے ملایا تھا؟“

”کچھ نہیں معلوم ہمیں بار بار یہ بات پوچھ کر تم لوگ ہمارا دماغ خراب کر رہے ہو۔ ایک تو اتنے دن سے ہمیں قید کر رکھا ہے اور پھر اوپر سے۔“ رمضان خان نے ابھی اتنا

جملہ کہا تھا کہ شہاب نے اس کے داہنے کان کی لو پکڑ لی اور نرم لہجے میں بولا۔

”رمضان خان! ضد نہیں کرتے تم اتنے دن سے قید ہو اور کوئی رہائی دلانے نہیں آیا، اب کب تک ضد کرتے رہو گے۔“

”ضد کے بچو مجھے ایک بار چھوڑ دو میں پھر دیکھتا ہوں کہ تم کتنے پانی میں ہو۔“ رمضان خان نے غرا کر کہا لیکن اس کے ساتھ ہی آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی اور پھر وہ ارے ارے مر گیا کہتے ہوئے زمین پر گر پڑا..... نادر حیات صاحب سر دنگا ہوں سے سامنے دیکھ رہے تھے انہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اچانک ہی کیا ہوا ہے..... انہوں نے تو صرف شہاب کو رمضان خان کا کان پکڑتے ہوئے دیکھا تھا لیکن دوسرے لمحے جب انہوں نے دیکھا کہ رمضان خان کا کان آدھے سے زیادہ اکھڑ کر ٹٹک گیا ہے اور اس سے خون ٹپک رہا ہے..... شہاب نے اس کا کان اڑھٹا دیا تھا..... ایک لمحے کے لئے ایک عجیب سی کیفیت نادر حیات صاحب کے اندر پیدا ہوئی لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی..... رمضان خان گر پڑا تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن چونکہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لئے وہ اٹھ نہیں پارہا تھا..... شہاب نے اس کا دوسرا کان پکڑا اور وہ تڑپ کر چیخ اٹھا۔

”نہیں نہیں ایسا مت کرو۔“ پھر شہاب نے اس کان کو پکڑ کر رمضان خان کو کھڑا کر دیا اور رمضان خان بری طرح کرا بنے لگا۔

”ارے مر گیا..... ارے بچالو کوئی بچالو تمہیں خدا کا واسطہ مار ڈالا مار ڈالا۔“ شہاب نے رمضان خان کا کان پھر پکڑ لیا تھا..... وہ آہستہ سے بولا۔

”اور اس بار میں اسے اکھاڑ دوں گا پھر تمہارے ایک ہاتھ کی تمام انگلیاں توڑ دوں گا، پھر دوسرے ہاتھ کی۔“

”مار ڈالو..... خدا تمہیں غارت کرے مار ڈالو کچھ نہیں معلوم مجھے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر یہاں سے شروع کرتے ہیں۔“

شہاب نے رمضان خان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور اس کی انگلی اپنی گرفت میں لے لی۔

”بچالو..... بچالو..... دیکھو کچھ نہیں جانتا میں..... کچھ نہیں جانتا میں۔“ لیکن اس کے

حیات کا نام سامنے آگیا تھا، چنانچہ شہاب نے نادر حیات کو دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”باہر وہ لوگ موجود ہیں جو اسے یہاں لے کر آئے ہیں، اس کے ایک ہاتھ کی انگلی
 ٹوٹ گئی ہے اور یہ کان اکھڑ گیا ہے لیکن وہ لوگ اس کی بینڈیج وغیرہ کر دیں گے..... ہمیں
 اس کی ضرورت ہے، گواہ کی حیثیت سے یہ استعمال ہوگا..... یہ ان پانچ افراد میں سے ایک ہے
 جناب جن کے نام میں آپ کو پیش کر چکا ہوں اور یہی پانچوں تھے جو اس میٹنگ میں شریک
 تھے، اس کے بعد میں آپ کے احکامات کا منتظر رہوں گا۔“

”اسے اسے کہاں بھجواؤ گے؟“

”میرے پاس اس کے لئے جگہ موجود ہے۔“

”تو پہلے اسے یہاں سے بھجوادو لیکن خاموشی کے ساتھ۔“

”بڑی آسانی سے۔“ شہاب نے کہا اور رمضان خان کے سینے پر گھٹنا رکھ کر اس کے منہ
 سے نکالا ہوا کپڑا واپس ٹھونسا، پھر منہ پر ٹیپ بھی چپکادیا اور اس کے بعد اسے اٹھا کر کندھے پر
 لاد لیا، نادر حیات صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے.....
 شہاب رمضان خان کو لئے ہوئے کوشی کے بیرونی حصے میں آیا، پھر گیٹ سے باہر نکلا،
 تھوڑے فاصلے پر وہ ویگن کھڑی ہوئی تھی جسے شہاب نے رکنے کی ہدایت کر دی تھی.....
 ویگن فوراً ہی سٹارٹ ہو کر آگے بڑھی اور وہ لوگ نیچے اتر آئے۔ ڈی، آئی، جی صاحب اور
 سیکورٹی گارڈ بھی پیچھے کھڑے ہوئے تھے..... شہاب نے رمضان خان کو ویگن میں پھینکا اور
 ان لوگوں کو ہدایت کر دیں کہ وہ رمضان خان کی بینڈیج وغیرہ کر دیں اور اس کے بعد نادر
 حیات صاحب کے ساتھ واپس کوشی میں آگیا پھر بولا۔

”اب تمہ خانے میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، تھوڑا سا وقت اور مجھے عنایت
 فرمائیں گے آپ؟“

”ہاں آؤ، اندر آ جاؤ میں تمہارے لئے کافی تیار کر رہا ہوں۔“

”اس وقت ملازموں کو کہاں تکلیف دیں گے۔“

”نہیں رات کی ڈیوٹی ہوتی ہے، کچھ ملازموں کی کافی تیار ہو جائے گی۔“

”اس کے لئے پیشگی شکر گزار ہوں۔“ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور نادر حیات
 صاحب اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ملازم کو کافی بنانے کی ہدایت دینے کے لئے چل

ساتھ ہی چپ کی آواز آئی تھی اور نادر حیات صاحب نے رخ بدل لیا تھا..... شہاب نے
 طور پر رمضان خان کی کوئی انگلی توڑ دی تھی..... رمضان خان پھر زمین پر گر پڑا اور پھل
 طرح تر پنے لگا..... شہاب پر سکون نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور ایک بار پھر جھکا اور
 نے رمضان خان کا بازو پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کر دیا، اس کے بعد اس کے دوسرے ہاتھ
 انگلی پکڑ لی۔

”خدا تمہیں غارت کر دے..... خدا تمہیں غارت کر دے..... ارے زندہ نہیں چھوڑ
 گے تم مجھے بتاتا ہوں..... بتاتا ہوں خدا انہیں بھی غارت کر دے جنہوں نے میری کوئی
 نہیں کی جبکہ کہانیاں نہ جانے کیا کیا سنائی گئی تھیں مجھے بتاتا ہوں بتاتا ہوں چھوڑ دو ایک
 مجھے ارے چھوڑ دو بتا تو رہا ہوں۔“

”ہاں رمضان خان بے فکری سے بتاؤ چھوڑ دیا ہے میں نے تمہیں، لیکن اب تم
 سوچ لو یہ چھوٹی سی تکلیف بالکل بے معنی ہے، ابھی جو تکلیف میں تمہیں دینے والا ہوں
 تمہیں سر کے بل ناچنے پر مجبور کر دے گی۔“ شہاب کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

”ڈاکٹر حیات کو جانتے ہو..... ڈاکٹر حیات وہ ایک کلینک کا مالک ہے..... ڈاکٹر حیات
 نے مجھے زہر ملانے کے لئے کہا تھا، اسی نے مجھے زہر کی شیشی بھی دی تھی..... اسی نے مجھے
 ہو اسناپ بھی دیا تھا، اس نے کہا تھا کہ ایک دیکھی میں یہ سانپ ڈال دو اور یہ شیشی الٹ دو
 لوگ یہی سمجھیں گے کہ کھانے کے برتن میں سانپ گر پڑا ہے، لیکن یہ شیشی بھی خالی
 ضروری ہے اور پھر اس کھانے کو اپنی نگرانی میں ایک خاص بیرک میں پہنچا دوں..... سولہ
 بیرک میں بس یہ کام کیا تھا میں نے اور مجھے اس کام کے بیس لاکھ ملے تھے اور یہ بھی کہا گیا
 مجھ سے کہ میری ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاسکتی ہے..... ان کم بختوں نے ار
 خدا انہیں غارت کرے۔“

”ڈاکٹر حیات کے علاوہ اور کون تھا رمضان خان؟“ شہاب نے فوراً ہی سوال کیا۔
 ”کسی اور کو نہیں جانتا ہوں لیکن ڈاکٹر حیات یہ کہتا تھا کہ تم بالکل بے فکر ہو، ہزار
 آنکھیں تمہاری نگرانی کریں گی، بے فکر ہو تم پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اور میں آگیا
 میں..... ارے خدا مجھے بھی غارت کر دے، اچھی خاصی کمائی کر رہا تھا، اچھی خاصی کمائی کر
 تھا میں..... بس آگیا لالچ میں آگیا مارا گیا۔“ اور رمضان خان نہ جانے کیا کیا کہتا رہا،

پڑے۔ اس وقت وہ اپنی افسری کی شان بھول گئے تھے اور شہاب کے ساتھ نہایت دوستانہ انداز میں پیش آرہے تھے۔۔۔۔۔ کافی وغیرہ کے لئے کہہ کر وہ شہاب کے سامنے آئینے دیوار پر لگی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولے۔

”بیٹا سوچ تو رہی ہو گی کہ تم اس وقت کس چکر میں پھنس گئے۔“

”نہیں جناب! بیٹا اصل میں میرے تمام امور سے واقفیت رکھتی ہے اور ہم دونوں درمیان یہ معاہدہ ہے کہ ہم اپنے کام کو اول حیثیت دیں گے۔۔۔۔۔ ماضی میں اگر بیٹا کاموں میں رکاوٹ ہوا کرتی تھی تو اب یہ رکاوٹیں ختم ہو گئی ہیں، یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی کی شاہراہ پر یہ ایک عظیم سنگ میل ہے۔“

”میری تمام تردعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تمہیں تمہاری عملی زندگی میں کامیابیاں عطا فرمائے۔۔۔۔۔ اچھا خیر تم نے اس وقت مجھے جس طرح حیران کیا ہے میں الفاظ بیان نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ تم نے رمضان خان کو ہاتھ سے نہیں نکلنے دیا، میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑا ثبوت ہے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات کے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟“

”اصل میں آپ کی طرف سے گرین سگنل ملنے سے پہلے میں ان لوگوں کو ہونا نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ وہ اپنی کارروائیاں کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ دانی شاہ کی موت کا مجھے پہلے شہبہ تھا، ان لوگوں نے یہ رسک لیا، ویسے مجھے یقین تھا کہ دانی شاہ جیسا آدمی ہے، وہ کب کے خلاف زبان نہ کھولتا لیکن یہ لوگ اس بات سے خوفزدہ ہو گئے کہ ممکن ہے کہ وہ بتانے پر تمل جائے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی کمینی فطرت سے کام لیتے ہو دوسرے بے گناہ انسانوں کو بھی مار دیا۔۔۔۔۔ یہ بات ان کی اس فطرت کی عکاسی کرتی ہے۔۔۔۔۔ انشیات کے سلسلے میں لا تعداد افراد موت کا شکار ہوتے رہتے ہیں، مگر انہیں اس کی کوئی نہیں ہے۔ یہ صرف اپنی دولت میں اضافہ چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ اتنے ہی بے درد اور ستم

لوگ ہیں کہ تین افراد کو قتل کرنے کے لئے انہوں نے مزید اکیس بے گناہ افراد کو قتل ڈالا، ایسے لوگوں کے دلوں میں نہ تو انسانیت کا کوئی درد ہوتا ہے، نہ کسی کی موت اور نہ سے انہیں کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں، صرف اسی قدر ہیں کہ میں ان کے ناموں سے واقفیت رکھتا ہوں اور تھوڑی سی معلومات میں نے ان کے بارے میں حاصل کرنی ہیں، لیکن ابھی تک میں

کے خلاف ایک ذرہ برابر قدم نہیں اٹھایا کہ انہیں کسی طرح کا کوئی شہبہ ہو سکے، بات معمولی پانے پر نہیں ہے، یہ میں جانتا ہوں۔“

”ہوں تو اب کیا کرو گے؟“

”سب سے پہلے ان حالات کی روشنی میں آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔“ شہاب نے

جواب دیا۔

”دیکھو مائی ڈیئر شہاب جس قدر بھی ممکن ہو سکے اس مسئلے کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات کا نام رمضان خان نے لیا ہے، اگر تم چاہو تو ڈاکٹر حیات کو اس سلسلے میں زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے ہو، طریقہ کار کا انتخاب تم خود کرو لیکن بہتر یہ نہیں رہے گا کہ اب ہم اسی انداز میں کام کریں۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ حالات کو منظر عام پر نہ لائیں بلکہ خفیہ طریقے سے ہم اپنی کوششوں کو جاری رکھیں اور ڈاکٹر حیات سے پہلے ان نمائندوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں، بعد میں دیکھیں کہ کیا صورت حال پیش آتی ہے۔“

شہاب کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی ابھری، حیات صاحب اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔ آہستہ سے بولے۔

”جو دل چاہے کہہ لو یہ ایک تجویز ہے اس میں تم ترمیم کر سکتے ہو۔“

”نہیں بلکہ اس اجازت پر خوش ہوں میں۔“

نادر حیات صاحب نے گردن جھکالی تھی، پھر وہ آہستہ سے بولے۔

”اور تم صورت حال سمجھتے ہو۔“

”میں نے اس سے انکار نہیں کیا لیکن بہر حال آپ کی اجازت حاصل کر چکا ہوں، گویا آپ کا حکم یہ ہے کہ میں ڈاکٹر حیات سے اپنے طور پر جس قدر بھی معلومات حاصل کر سکتا ہوں وہ کر لوں اور اس کے لئے جو بھی طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے کل کا دن رکھے لیتے ہیں بہتر ہے سب کچھ آپ کے سامنے ہی ہو۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ تہہ خانہ ڈاکٹر حیات آپ اور میں۔“ شہاب نے کہا اور اسی وقت باہر سے آہٹیں ابھریں، ملازم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر ایک ٹرائی

احساس ہوتا ہے کہ مدت ملازمت کے یہ آخری لمحات خراب نہ ہو جائیں، خیر یہ تو ذرا الگ ہی بات رہی، میں اس سلسلے میں تم سے اتفاق کرتا ہوں، ہم اس کے لئے کیا کر رہے ہیں شہاب، میرا مطلب ہے کہ رمضان خان کو تم نے محفوظ مقام پر رکھا ہے۔“

”جی، یہ نکل رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ ایک اہم مہرہ ہے ہمارے لئے مستقبل میں ہمارے کام آئے گا، پھر دوسری بات ایک اور بھی تھی بہر حال یہ مجرم ہے اور جرم کرنے کے بعد اسے اتنی آسانی سے فرار نہیں ہو جانا چاہئے۔“

”ڈاکٹر حیات کو یہاں پر لانا ہو گا..... وہ بھی اس شرط پر کہ آپ پسند کریں۔“

”میرا مطلب ہے کہ تمہارے پاس کوئی اور ایسی جگہ؟“

”ہے لیکن بات وہی تھی۔“

”نہیں نہیں ٹھیک ہے، تم مجھے بتاؤ جو کچھ بھی کارروائی کر رہے ہو۔“

”کل رات کا وقت۔“

”ہاں پھر؟“

”آپ کی کوٹھی۔“ شہاب نے کہا اور نادر حیات مسکرا دیئے۔

”چلو ٹھیک ہے وقت؟“

”ساڑھے بارہ بجے۔“

”طریقہ کار کیا ہو گا؟“

”آپ انتظار کریں گے یہاں میرا۔“

”بہت مناسب۔“

”اور اس کے بعد اجازت۔“ شہاب نے ہنستے ہوئے کہا اور نادر حیات صاحب گھڑی دیکھنے لگے پھر بولے۔

”بیچاری مینا سوچ تو رہی ہو گی کہ ایک اس قدر ذمے دار پولیس آفیسر سے شادی کرنے کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔“ شہاب آہستہ سے مسکرا دیا اور اس کے بعد اجازت لے کر چل پڑا، پھر جب وہ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا تو مینا ٹیبل لیپ جلانے، کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی..... شہاب چونک پڑا۔ مینا نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

”مکان آپ کا خوب ہے، خاموشی سے نکل جانا اور واپس آ جانا، کوئی دقت کی بات

دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا..... نادر حیات اور شہاب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے تھے۔ ملازم نے ٹرائی سامنے سجادی پھر بولا۔ ”کافی بنا دوں سر؟“

”نہیں تم جاؤ۔“ نادر حیات صاحب نے ملازم سے کہا اور وہ گردن خم کر کے باہر نکلا گیا تو حیات صاحب نے کافی کی ٹرائی کی جانب ہاتھ بڑھائے۔

”سر اب اتنا شرمندہ بھی نہ کریں۔“ شہاب جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اس کافی بنانا شروع کر دی، پھر ادب سے کافی کی پیالی نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کی اور پیالی بھی لے کر بیٹھ گیا..... نادر حیات صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے نظر آ رہے تھے کافی کے کئی چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے کے بعد انہوں نے کہا۔

”حالانکہ یہ سب کچھ اجنبی نہیں ہے میرے لئے، لیکن شہاب نہ جانے کیوں میں ذرا طور پر الجھا ہوا ہوں نہ جانے مجھے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ صورت حال کہیں کوئی سنگین نوعیت نہ اختیار کر جائے۔“

”نہیں جناب میں اس کی ذمہ داری لے سکتا ہوں، اصل میں بات ایسے سنبھال کر مجرموں کی ہے جو کام کر رہے ہیں اور بدترین پیمانے پر کر رہے ہیں..... انسانی زندگیوں کا قاتل کسی بھی شکل میں اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے۔ میں پہلے بھی ایسے لوگوں سے اچھی طرح نمٹ چکا ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب مجھے اس میں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔“

”تم نے کہا کہ ڈاکٹر حیات کو یہاں اس جگہ، میرا مطلب ہے اس تہہ خانے میں۔“ ”اصل میں صورت حال آپ کے سامنے لانے والی بات ہے جس کے لئے اتنا سوچ رہا ہے، اگر میں اپنے طور پر اس مسئلے کو حل کرنے کی اجازت حاصل کر لیتا تو آپ کو الجھ سامنا نہیں کرنا پڑتا۔“ نادر حیات صاحب مسکرا دیئے، پھر بولے۔

”اس عہدے تک مذاق ہی مذاق میں نہیں پہنچ گیا ہوں..... شہاب، محنت کی یہ خاصی محنت کی ہے۔“

”میں جانتا ہوں ایسے عہدے مذاق میں نہیں حاصل کئے جاتے۔“ ”لیکن ماضی میں صورت حال میں اس قدر سنگینی ہی نہیں تھی جو مجرم جرم کریں! طرح کا تحفظ حاصل کر لیں..... موجودہ صورت حال خاصی تبدیل شدہ ہے اس لئے ذ

نہیں ہے۔“

”اور اس کے بعد بیوی کی نگاہوں کا جائزہ لینا کہ خاتون کس موڈ میں ہیں۔“

”نہیں میں نے تمام انتظامات کر رکھے ہیں، سونا چاہیں تو آرام سے سو جائیے۔“

کچھ کھانے پینے کا موڈ ہو تو تمام تیاریاں مکمل ہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ میں ایک ایسے ذمے دار پولیس آفیسر کی بیوی ہوں جس کی زندگی میں یہ لمحات آتے رہیں گے اور میرے اس کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتی ہوں۔“ شہاب عجیب سی نگاہوں سے بیٹا کو دیکھنے لگا۔

بیٹا مسکرا دی۔

”شادی سے پہلے ہر وقت ذہن پر رومانس سوار رہتا تھا اور ایسے ایسے جملے دماغ میں آتے رہتے تھے جن پر بعد میں خود ہی ہر دھنستا رہتا تھا، اب کچھ میں نہیں آتا کہ محبت بھر۔ جذبات کی وضاحت کون سے جملوں میں کی جائے، جس سے صحیح مفہوم واضح ہو سکے۔“

”جو جملے تراشے پڑیں جناب ان کا ادانہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے، بات بے اختیار ہو تو دیتی ہے۔“ بیٹا نے کہا۔

”اوہ..... بے اختیار ہی اگر طاری ہو جائے تو پھر باتوں کی کیا گنجائش ہے..... ہاں! گستاخی پر اب کوئی دقت نہیں ہوتی۔“ شہاب نے جھک کر بیٹا کے دونوں شانے پکڑ لئے۔ پھر دوسرے لمحے قریب رکھا ہوا ٹیبل لیپ بھجھادیا، بیٹا اندھیرے میں بڑے دل آویزاں میں مسکرا دی۔



ڈاکٹر کرس مذہبی آدمی تھا..... اس لئے فادر رونا لڈ ڈکسن سے بہت متاثر ہوا تھا، حالانکہ وہ کم گو اور خود پسند آدمی تھا اور غیر ضروری طور پر کسی سے مخاطب نہیں ہوتا تھا، لیکن فادر رونا لڈ ڈکسن میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ وہ ان کی جانب متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا..... رونا لڈ ڈکسن پادری کے لباس میں تھا۔ عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان ہو گی، شخصیت نہایت پرکشش تھی، چہرے پر ایک قدرتی سکون نظر آتا تھا..... ڈاکٹر کرس کی طرف دیکھ کر بس ایک دفعہ مسکرایا تھا اور ڈاکٹر کرس اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، جہاز کے پر سکون سفر میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو قابل غور ہوتی، پہلے وہی رسمی گفتگو ہوئی جو ایسے سفر کے دوران ہوا کرتی ہے..... ایک دوسرے کو ہائے ہیلو کہا گیا اور اس کے بعد ایک مذہبی مسئلہ چھڑ گیا..... تب ڈاکٹر کرس کو احساس ہوا کہ فادر ڈکسن تو علم کا سمندر ہے اور اس کی گفتگو میں بڑی علمیت ہے، حالانکہ کرس نے خود بھی خاصی مذہبی تعلیم حاصل کی تھی لیکن بہر حال فادر ڈکسن سے گفتگو کر کے وہ بے حد متاثر ہوا تھا..... اس نے کہا۔

”بڑی خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر فادر! حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس طرز بہت سے امور پر روشنی ڈالی ہے وہ انداز ہی جداگانہ ہے، آپ نے میرا دل جیت لیا ہے..... میں نہیں کہہ سکتا کہ بعد میں کبھی آپ سے ملاقات ہو یا نہ ہو، لیکن کم از کم میں اس ہوائی ملاقات کو ضرور یاد رکھوں گا۔“ اور رونا لڈ ڈکسن لفظ ہوائی ملاقات پر ہنس پڑا تھا، اس نے کہا۔

”اچھی اصطلاح استعمال کی ہے تم نے مائی ڈیر کرس! لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ انسان اگر کسی کی طلب کرے تو کہیں نہ کہیں اس کا ٹکراؤ اس سے ہو ہی جاتا ہے۔“

”آپ جب وطن واپس پہنچیں گے فادر تو میں آپ کو تلاش کروں گا۔“

”ضرور۔“ پھر بہت سی باتیں ہوئی تھیں وہ لوگ ایک ایشیائی ملک جا رہے تھے اور دوران سفر ہی یہ ملاقات ہو گئی تھی۔ فادر ڈکسن نے کہا۔

”تو ڈیز کرس! میری کچھ باتوں کو یاد رکھنا زندگی میں انسانوں کی مشکل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر اپنے لئے صرف ایک شعبے کا حصار قائم کر لیا جائے اور یہ سوچا جائے کہ جب کسی کے قدم اس حصار تک پہنچیں گے تو وہ تب ہی قبل مدد ہو گا تو پھر خدمت کے جذبے بے اثر ہو جاتے ہیں، کسی کے ہاتھ سے گرا ہوا ایک رومال بھی اٹھا کر دے دینا خدمت کے جذبوں کی صحیح نشاندہی کرتا ہے۔ انتظار نہ کرنا ضرورت مند کو اگر وقت پر مدد پہنچاؤ جائے تو یہی جذبہ خدمت ہوتا ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں فادر! آپ کی باتیں بے حد قیمتی ہوتی ہیں۔“

”سستی انسانیت کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے، دل تو چاہتا ہے کہ پورے وجود میں ہاتھ نہ ہاتھ ہوں اور ان ہاتھوں کی لمبائی اتنی ہو کہ ہر اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں سے حاجت مند کی حاجت پوری ہوتی ہو تو سب کو ایک ہی وقت میں نمٹا دیا جائے اور اس کے بعد انتظار کیا جائے کہ کاش اس کائنات میں کوئی ضرورت مند باقی رہا ہو۔“

”بہت خوبصورت، بہت حسین واقعی یہ جذبہ خدمت کی اعلیٰ مثال ہے۔“ ڈاکٹر کرس نے کہا بڑی علمی اور ادبی گفتگو ہوتی رہی تھی، ڈاکٹر کرس بھی ایک خاص مشن پر یہاں آ رہے اور کچھ ایسی وجوہات تھیں جن کی بنا پر اس نے اپنی آمد کو خفیہ رکھا تھا۔ مقامی طور پر چند افراد اس کا استقبال کرنے والے تھے اور اس کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جاتا تھا کہ ڈاکٹر کرس کے مشن کا آگے کیا ہو گا۔ پھر پائلٹ کیمن سے اعلان نشر ہوا کہ وہ لوگ اپنی منزل پر پہنچ رہے ہیں۔ مسافروں سے بیلیٹس باندھنے کی درخواست کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر کرس نے اپنی بیلیٹ باندھتے ہوئے کہا۔

”آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں فادر کہ آپ سے ملنے کے بعد مجھے اپنے نظریات میں عجیب سی تبدیلی کا احساس ہوا ہے۔“

”بہت بڑی بات کہہ رہے ہو مائی ڈیز کرس! کہا یہ جاتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی زندگی میں صرف ایک بار کسی کو اپنے نظریات سے متاثر کر دے اور زندگی کی صحیح راہوں پر لگا دے۔“

تو اس کا مقصد ہے کہ اس کی زندگی کا مشن پورا ہو گیا۔۔۔۔۔ بہر حال تم نے یہ الفاظ ادا کر کے میرے دل میں بڑی خوشی جگادی ہے۔“ فادر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور ڈاکٹر کرس مسکرایا۔۔۔۔۔ پھر فادر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کوئی چھوٹی سی خوبصورت چیز نکال لی، یہ ایک ننھا سا خوبصورت پن تھا جس پر ایک فاختہ کا نشان بنا ہوا تھا اور یہ فاختہ سبز رنگ میں چمک رہی تھی، کوئی عجیب سی چیز تھی۔۔۔۔۔ فادر رونالڈ ڈکسن نے یہ پن ڈاکٹر کرس کے کونٹ کے کنارے پر لگادیا اور ڈاکٹر کرس مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”یہ کیا ہے فادر؟“

”بس میری خوشی ایک چھوٹا سا تحفہ ہے تمہارے لئے۔“

”لیکن اس کی چمک بہت قیمتی ہے۔“ ڈاکٹر کرس نے کہا۔

”قیمتوں کا تعین صرف محبت سے کیا جاتا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ میں اسے زندگی سے زیادہ قیمتی رکھوں گا اور یہ جب بھی میرے سامنے آئے گا مجھے آپ کی یاد دلاتا رہے گا۔“ ڈاکٹر کرس نے کہا اور فادر ڈکسن مسکرا کر خاموش ہو گیا، طیارے نے رن وے کے کئی چکر لگائے اور پھر آخر کار نیچے اتر گیا۔۔۔۔۔ امیگریشن ڈیپارٹمنٹ تک دونوں کا ساتھ رہا تھا، پھر جب وہاں سے کلیئرنس ملی تو دونوں ہی باہر نکل آئے۔۔۔۔۔ فادر ڈکسن ایک طرف چل پڑا تھا اور ڈاکٹر کرس نگاہیں اٹھائے سامنے دیکھنے لگا تھا، تبھی دو افراد اس کے قریب پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے گردن خم کر کے کہا۔

”میرا نام راکی مورگن ہے۔“

”ہیلو۔“ ڈاکٹر کرس نے مسکراتے ہوئے کہا اور راکی مورگن سے ہاتھ ملایا۔

”یہ میرا ساتھی گارون ہے۔“

”آئیے چلیں۔“ گارون نے کہا اور سیاہ رنگ کی ایک خوبصورت کار کی جانب بڑھ گیا، پھر اس نے کار کا دروازہ کھولا اور ڈاکٹر کرس کو کار کے پچھلے حصے میں بیٹھنے کی پیشکش کی۔۔۔۔۔ ڈاکٹر کرس اطمینان سے پیچھے بیٹھ گیا۔۔۔۔۔ راکی مورگن نے سٹیئرنگ سنبھال لیا تھا۔۔۔۔۔ کار سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی، پھر اس کے بعد خاصی خاموشی رہی تھی۔۔۔۔۔ ڈاکٹر کرس کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔۔۔۔۔ کار مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی آخر کار ایک

ہوٹل کی عمارت تک پہنچی اور اس کے کپاؤنڈ میں رُک گئی..... راکی مورگن نے نیچے اتر کر پر ادب انداز میں دروازہ کھولا اور ڈاکٹر کرس نیچے اتر آیا، اس کے بعد راکی مورگن اور گارون اسے لئے ہوئے لفٹ تک پہنچے، لفٹ نے انہیں چودھویں منزل پر اتار اور پر سکون راہداری طے کرتے ہوئے آخر کار وہ ایک کمرے تک پہنچ گئے..... ڈاکٹر کرس کا سامان بھی ساتھ ہی لایا گیا تھا، کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے کمرے میں داخل ہونے کے بعد ڈاکٹر کرس نے ارد گرد کا ماحول دیکھا، پھر مدہم لہجے میں بولا۔

”یہاں اور کوئی نہیں ہے میرے استقبال کے لئے؟“

”سر بس تھوڑی دیر یہاں قیام کیا جائے گلاور اس کے بعد۔“

”پہلی بات کہ میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ دونوں بھی کسی یورپین ملک سے تعلق رکھتے ہیں..... مقامی لوگوں کی بجائے آپ کے اس استقبال پر مجھے حیرت ہوئی ہے۔“

”نہیں سر یہ ضروری تھا کہ ہم ہی آپ کا استقبال کریں۔“ اسی وقت ایک ہلکی سی آواز فضا میں ابھری اور راکی مورگن نے اپنے کوٹ کے کالر کے پیچھے لگے ہوئے ایک چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کا رخ اپنی جانب کیا تو ٹرانسمیٹر سے آواز ابھری۔

”ہیلور ونا لڈکسن بول رہا ہے۔“

”جی۔“ راکی مورگن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”ہاں اسی ہوٹل کے نچلے حصے کے پارکنگ لاٹ سے دوسری جانب پھیلے ہوئے لان سے۔“

”س..... سر..... سر.....“ راکی مورگن نے کہا اور دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

”وہ بیچارہ ڈاکٹر کرس ہے بہت اچھی شخصیت کا مالک بڑا معصوم سا آدمی ہے، چنانچہ نہ اس کے سر پر جو ضرب لگاؤ وہ بس اتنی ہونی چاہئے کہ کچھ لمحوں کے لئے وہ ہوش و خوات کھو بیٹھے اور اس سے زیادہ اسے اور کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“

”ل..... لیکن سر!“

”باقی باتیں بعد میں کیا سب کچھ اسی وقت سن لو گے۔“ آواز آئی ڈاکٹر کرس حیران لگا ہوں سے راکی مورگن کو دیکھ رہا تھا، آواز اتنی مدہم تھی کہ فاصلہ زیادہ نہ ہونے کے باوجود

ڈاکٹر کرس کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آرہی تھی اور نہ ہی شاید گارون مکمل طور سے اس آواز کو سن سکا تھا..... البتہ راکی مورگن نے اچانک ہی گھوم کر ڈاکٹر کرس کی گردن پر کرائے کا دار کیا اور ڈاکٹر کرس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... پھر اچانک ہی اس کے حواس گم ہونے لگے، وہ آنکھیں بند کر کے زور سے گردن جھٹکنے لگا، پھر اس کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

”سک..... کیا مطلب ہے مم میں بالکل نہیں سمجھ سکا؟“ اور اس کے بعد سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہو کر عارضی طور پر وہ ان سارے معاملات سے الگ ہو گیا..... گارون حیرانی سے راکی مورگن کو دیکھ رہا تھا، مورگن نے اطمینان سے ڈاکٹر کرس کو بستر پر لٹایا، ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر اس کے کوٹ کے کالر پر لگا ہوا وہ خوبصورت پن نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور گارون سے بولا۔

”آؤ۔“

”میں کہتا ہوں یہ سب کیا ہے، کیا تم اپنے آپ کو مجھ سے آگے کی کوئی چیز سمجھتے ہو۔“ راکی ہنس پڑا پھر بولا۔

”میری جان یہاں سے تو باہر نکل آؤ اس کے بعد جتنا چاہو ناراض ہو لینا تم فوراً ہی میرا اور اپنا تجربہ کرنے لگے ہو۔“

”آؤ پلیز۔“ گارون اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا اور راکی نے دروازہ باہر سے بند کیا اور پھر تیز تیز قدموں سے لفٹ کی جانب چل پڑا، لفٹ نیچے اترنے لگی تو اس نے کہا۔

”یہ اصل آدمی نہیں تھا اور شاید یہ بھی گولڈن کراؤن کا کوئی خاص انداز تھا۔“

”کیا مطلب؟“

”بھائی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا تھا وہ تو سنا ہو گا تم نے؟“ راکی نے گارون سے کہا۔

”ہاں۔“

”اور اس پر گولڈن کراؤن بول رہا تھا۔“

”کیا مطلب تو کیا یہ۔“

”ہاں یہ گولڈن کراؤن نہیں تھا۔“

”تو پھر کون تھا؟“

”تمہاری قسم میں بھی نہیں جانتا۔“
”وہ یار پھر؟“

”بس چند منٹ میری جان چند منٹ..... وہ باہر پارکنگ لاٹ کے قریب لان میں موجود ہے۔“
”کون؟“

”گولڈن کراؤن۔“
”مگر یہ کون تھا؟“

”میری جان میں نہیں جانتا۔“ لفٹ نیچے رُک گئی تو راکی، گارون کے ساتھ ٹہلنے سے انداز میں باہر نکل آیا، پھر وہ لوگ راہداری سے گزرتے ہوئے ہوٹل کے بیرونی حصے میں آگئے..... پارکنگ لاٹ سنسان پڑا ہوا تھا، ان کی گاڑی بھی ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں اس کو نکالنے میں کوئی خاص دقت نہ ہو لیکن وہ گاڑی کی طرف جانے کی بجائے سائیڈ لان کی جانب چل پڑے، یہاں پہنچ کر راکی مورگن نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن کوئی غم نہیں آیا نہ ہی کسی نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی..... راکی پریشانی کے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا تو گارون نے کہا۔

”مجھے یوں لگتا ہے راکی جیسے تمہارا گل ہو گئے ہو، کیا یہاں پاگل پن کی منجائش ہے؟“
”یار کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مائی گاڈ میرا خیال ہے یہ فوری طور پر مسٹر پیل کو اس بارے میں بتانا چاہئے۔“
”مگر ہوا کیا ہے؟“

”آؤ۔“ راکی نے چکنی بجا کر کہا اور وہ دونوں کار کی جانب بڑھ گئے، پھر سیاہ رنگ کی قیمتی کار کے پاس پہنچ کر راکی نے سنیرنگ سائیڈ کادر واڑہ کھولا..... سنیرنگ پر بیٹھ کر اس اپنے برابر کی سیٹ کادر واڑہ بھی کھول دیا تھا اور دوسرا آدمی اس کے برابر بیٹھ گیا، لیکن راکی نے کار سٹارٹ کرنے کی بجائے اپنے کوٹ کے عقبی حصے میں گھسے ہوئے ٹرانسمیٹر کا بیٹن دبایا، اسی وقت کار کی پچھلی سیٹ سے ایک ہاتھ آگے بڑھا اور راکی کے شانے پر آ کر اُچھل پڑا تھا۔

”گولڈن کراؤن میرا نام رونالڈ ڈکسن ہے۔“ پھر پچھلی سیٹ سے آواز آئی، راکی

سانس بند ہو گیا تھا، اسے اس بات پر شدید تعجب ہوا تھا کہ اس کی کار لاک تھی، پھر اس کی عقبی سیٹ پر کوئی کیسے پہنچ گیا اور درحقیقت پیچھے جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ بے پناہ ذہین تھا اس نے کہا۔

”گولڈن کراؤن رونالڈ ڈکسن کیا میرے لئے یہ بڑا کام ہے کہ میں لان کی بجائے تمہاری کار میں آ بیٹھوں۔“
”نہیں، سر لیکن..... لیکن وہ کون ہے پلیز۔“

”اس کے بارے میں بھی تمہیں بتا دوں گا لیکن تمہاری اپنی شناخت۔“

”یس سر راکی اور گارون نے جلدی جلدی اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور پھر ویسے ہی پن نکال لئے جیسا فاڈر رونالڈ ڈکسن نے کیا، کس کے کوٹ کے کالر پر لگا دیا تھا..... یہ سور لراؤن تھے..... رونالڈ ڈکسن نے نہیں دیکھ کر مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اور میرا کراؤن تمہارا پاس ہوگا، اب میں اتنا احمق نہیں سمجھتا تمہیں کہ تم وہ کراؤن ڈاکٹر کرس کے کوٹ کے کالر پر لگا ہوا جھوڑا آئے ہو گے۔“

”یس سر وہ ہم نکال لائے ہیں۔“ مورگن نے وہ خوب صورت چمکتا ہوا پن جیب سے نکال کر رونالڈ ڈکسن کو دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے یہاں سے آگے بڑھو، تم مجھے اپنی رہائش گاہ پر لے چلو کیونکہ تیسرے آدمی کو میں نے ہوٹل میں نہیں دیکھا اور یقینی طور پر تم پروگرام کے مطابق مجھے ہوٹل ہی لائے ہو گے۔“

”یس سر احتیاطاً یہ طے کیا گیا تھا کہ آپ کو کچھ وقت کے لئے ہوٹل لے جایا جائے اور جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمارے تعاقب میں کوئی نہیں ہے تو پھر ہوٹل سے آپ کو اس رہائش گاہ میں منتقل کر دیا جائے جو مقامی کارکنوں نے ہمیں فراہم کی ہے۔“

”ہوں، میں نے بھی ٹھوڑی سی احتیاط کی وہ بے چارہ جو ہوٹل میں بے ہوش پڑا ہوا ہے ڈاکٹر مکرس ہے کسی کاروباری مشن پر یہاں آیا ہوا ہے، اسے بھی کچھ لوگوں کو ریسو کرنا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ تم زیادہ برق رفتاری سے کام کرو گے، چنانچہ میں نے دوران سفر اپنا یہ کراؤن اسے گفٹ کر دیا تھا اور جب تم اسے لے کر چلے تو میں ایک ٹیکسی میں تمہارے پیچھے

تھا، اصل میں دنیا میں سب سے زیادہ ذمہ داری کا کام یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کسی کے بازو میں نہ دے..... مجھے تم پر تو پورا بھروسہ تھا کہ تم ذہین لوگ ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دشمن سے بھی ہوشیار رہنا، ضروری ہے اس لئے میں نے اپنے طور پر یہ چھوٹا سا گیم کھیلا۔“

”اوہ میرے خدا آپ بے حد ذہین ہیں جناب۔“
راکی مورگن نے کہا اور رونالڈ کسن مسکرانے لگا۔



شہاب اور بیٹا اسی ہوٹل میں داخل ہو گئے جہاں عمو آمان کا قیام رہتا تھا..... اپنے مخصوص کیمن میں پہنچ کر وہ بیٹھ گئے..... بیٹا کے لباس میں سادگی تھی، حالانکہ ذرا سی دقت پیش آئی تھی انہیں، نعیمہ بیگم ارمان بھری تھیں اور شہاب کی شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے تھے..... بیٹا کو تلقین کرتی تھیں کہ ذرا ڈلہنوں والے لباس استعمال کرے اور بیٹا عجیب مشکل میں گرفتار ہو جاتی تھی..... گھرتک تو مسئلہ صحیح تھا لیکن باہر نکلتے ہوئے وہ ایسے لباس پہننے میں مشکل محسوس کرتی تھی..... اس وقت بھی شہاب نے اس سے کہا کہ ذرا کام سے جانا ہے اور اسے بھی ساتھ چلنا ہے تو بیٹا نے بے چین نگاہوں سے شہاب کو دیکھا..... شہاب کے ہونٹوں پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی..... اس نے زور سے آواز دی۔
”اماں بیگم امی جان۔“ بیٹا کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا..... نعیمہ بیگم شاید قریب ہی موجود تھیں، دروازے پر پہنچ کر بولیں۔

”کیا بات ہے کیا میں اندر آؤں۔“

”جی جی تشریف لائیے۔“ اور نعیمہ بیگم اندر داخل ہو گئیں۔

”کیا بات ہے۔“

”وہ ہم ذرا باہر جا رہے تھے، آپ سے اجازت لینی تھی۔“ نعیمہ بیگم نے شہاب کو گھورا اور بولیں۔

”ڈلہن کے ساتھ کوئی شرارت کر رہے ہو گے، کیا بات ہے بیٹی بیٹا۔“

”کچھ نہیں امی پہلے انہوں نے مجھ سے باہر جانے کے لئے کہا، پھر اچانک آپ کو آواز دے دی۔“ بیٹا مسکرا کر بولی۔

”آپ ذرا باہر چلے جائیے میں لباس تبدیل کر لوں۔“
شہاب کے پیچھے پیچھے نیچے نیچے بھی ہنستی ہوئی باہر آگئی تھیں، باہر ثریا بھابی نظر آئیں
اور ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گئیں..... نیچے نیچے چونکہ ہنس رہی تھیں اس لئے ثریا بھابی
بھی قریب آگئیں۔

”ضرور کوئی گڑبڑ کر کے آئے ہونگے یہ حضرت؟“

ثریا بھابی نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس میاں بیوی کی شرارتیں ہیں..... اور بیٹا واقعی بہت اچھی ہے، دیکھنے میں تو بڑی
نجیدہ سنجیدہ سی ہے لیکن اچھی خوش مزاج ہے..... خدا کی قسم میری تودی آرزو پوری ہو گئی،
بس ایک ہی خواہش دل میں رہ گئی ہے اللہ میاں واثق کو بھی بیٹا جیسی کوئی بہو دے
دے..... میرے گھر کے تینوں چاند میری زندگی میں ہی چمک اٹھیں۔“

”ہوا کیا؟“

”بس پولیس افسر صاحبہ پولیس کی وردی پہن رہی ہیں۔“ نیچے نیچے تفصیل ثریا
بھابی کو بتائی اور ثریا بھابی بھی خوب ہنسیں کہنے لگیں۔

”واقعی پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک نئی روایت کا اضافہ ہو گا، اب ہوا ہے معاملہ بالکل
درست یعنی اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا ہے..... بیٹا ہی صحیح کرے گی انہیں۔“ ثریا بھابی نے شہاب
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کمال کرتی ہیں ثریا بھابی میرا نام بھی شہاب ہے..... مزہ نہ آجائے تو بیٹا کو آپ بھی
کیا یاد کریں گی۔“

”کیا مطلب دیکھو بہت اچھی لڑکی ہے وہ، کوئی بد تمیزی نہ ہونے پائے اس کے ساتھ۔“
”واہ واہ..... یعنی وہ خاتون میرے ان الفاظ پر بھڑک دار لباس پہن کر میک اپ کریں
گی اور میں انہیں معاف کر دوں۔“

”تو کیا کرو گے بھلا؟“

”سیدھا ہیڈ آفس لے جاؤں گا اور آئی جی کی خدمت میں پیش کر دوں گا..... غرارہ اور
تمہیں پہن کر جب سیلوٹ ماریں گی تو خود اندازہ ہو جائے گا، آخر پولیس آفیسر ہیں۔“

”توبہ ہے شہاب تم اسے وہاں لے جا کر ذلیل کر آؤ گے، ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔“ ثریا

”بولو کیا بات ہے؟“

”وہ امی کون سے کپڑے پہن کر جانا ہے انہیں انتخاب کر لیجئے۔“

”مذاق اُڑا رہا ہے میرا ناں۔“ نیچے نیچے شہاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

”ارے توبہ یعنی کمال ہے اس میں بھلا مذاق اُڑانے والی کون سی بات ہے۔“

”بھئی دیکھو برامت ماننا کچھ ریت رواج ہوتے ہیں، کچھ خواہشیں ہوتی ہیں.....

بے شک بدل گیا ہے، لیکن ہم کون سا تمہیں ہمیشہ کہنے کے لئے بیٹھے رہیں گے، بس چر

موتے ہیں اس کے بعد کون پوچھتا ہے، ویسے جا کہاں رہے ہو؟“

”بس ایسے ہی ابی تھوڑا سا کاروباری معاملہ ہے۔“

”اگر کوئی کاروباری معاملہ ہے تو میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں، ویسے کاروبار کون

تمہارا؟“ نیچے نیچے پوچھا۔

”نہیں میرا مطلب ہے یہ بات تو آپ کے علم میں ہے نا امی کہ بیٹا بہر حال

ڈیپارٹمنٹ کی ایک سرکاری افسر ہیں..... بے شک ہم لوگ ابھی چھٹی پر ہیں لیکن ایر

میں ہمیں بلا لیا جاتا ہے۔“

”تو ٹھیک ہے ذہن بنا کر لے جاؤ، تھوڑا سا میک اپ بھی کر لینا کسی بیوٹی پارلر

میں اچھی لگیں گی، ایک مثال قائم ہو جائے گی۔“ نیچے نیچے پر مزاج انداز میں بولیں

ہنس پڑی۔

”واقعی امی آپ کا آئیڈیا بالکل درست ہے..... یہ شہاب مجھے لے جا رہے ہیں

ایسا کریں خود میرے لئے کپڑے نکالیں، انہیں بھی لطف ہی آجائے گا۔“ بیٹا کو

شرارت سوجھ گئی..... نیچے نیچے ہنسنے لگیں بیٹا نے شہاب کے چہرے کی طرف دیکھا

سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا، پھر بیٹا نے کہا۔

”آئیے ذرا الماری سے لباس نکالیں۔“

”ارے تم لوگ اپنے مذاق میں مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہو، بعد میں کہو گے

بی نے۔“

”نہیں امی آپ بیٹا کی بات مان لیجئے میں کچھ نہیں کہوں گا۔“ شہاب نے جواب

بیٹا انتہا پسندی پر آمادہ تھی، خوب چمک دیک بھاری لباس نکالا اور شہاب سے بولی۔

بھابی بیٹا کے کمرے تک پہنچیں اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں، لیکن بیٹا ایک سادہ لباس میں ملبوس تھی اور بال باندھ رہی تھی..... ثریا بھابی بٹتے ہوئے بولیں۔
”تم لوگ ہم سب کو گھن چکر بنا دو گے۔“

”آئیے ثریا بھابی خیریت کیا ہوا۔“ پھر جواب میں ثریا نے اپنی معلومات سے بیابا کیا تو وہ ہنس کر بولی۔

”میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں آپ کو پتا ہے اگر میں واقعی بھڑک دار لبا کر لیتی تو وہ اتنے ہی انتہا پسند ہیں کہ مجھے ڈی آئی جی صاحب کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیں لیکن ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اس کے جواب میں جو کرتے وہ بھی مجھے معلوم ہے۔
”کیا کرتے؟“ ثریا بھابی نے پوچھا۔
”بس مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی اچھا سا پروگرام بنادیتے ہمارے لئے بہت مشفق ہیں وہ۔“ پھر اس کے بعد بیٹا باہر نکل آئی اور شہاب ثریا بھابی سے بولا۔

”یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ثریا بھابی سوچ لیجئے آپ کی یہ حرکت رجسٹر میں درج ہے اور نتیجہ آپ کو بھگتنا پڑے گا۔“
”ارے خدا کی قسم میں نے ایک لفظ کہا ہو تو کیڑے پڑیں زبان میں، یہ تو خود ہی بولے ہوئے تھی۔“ بس اس کے بعد بیٹا اور شہاب چل پڑے تھے اور انہوں نے ہولناکی کیا تھا..... ان کا مخصوص ویٹر آگیا تو بیٹا نے شہاب کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔
”پلیز کوئی بات نہ کریں اس سے۔“ شہاب بھی سنجیدہ ہو گیا تھا..... ویٹر نے مطلوبہ اشیاء کا آرڈر لیا اور باہر نکل گیا..... تب شہاب نے بیٹا سے کہا۔

”جی جی محترمہ بیٹا اب تو آپ کو کوئی احساس نہیں رہا میرا مطلب ہے اگر اب میں کسی کی سیکرٹری بنانے کے لئے بھیج دوں تو آپ یہ تو نہیں کہیں گی کہ آپ کا مستقبل۔“ ایک سوال کا فوری جواب درکار ہے جناب شہاب صاحب۔“ بیٹا نے کہا۔
”جی جی ارشاد۔“

”کیا صرف اس لئے آپ نے یہ قدم اٹھایا ہے کہ بعد میں آپ ایسی ذمہ دار بنیں سو نہیں یا بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہئے کہ کیا میرے اس دن کے الفاظ آپ کو اس قدر گزرے۔“

”اے مس بیٹا بلکہ مسز شہاب آپ میری تو بہن کر رہی ہیں، یعنی آپ کا مطلب ہے کہ میں اتنا حق آدمی ہوں کہ اتنی سی بات پر شادی جیسا روگ پال لوں۔“
”ٹھیک ہے ٹھیک ہے کہہ جائیے آپ خود تو بہن کیجئے میری۔“

”خدا کی پناہ یہ عورت بیوی بن کر اتنی بدل کیوں جاتی ہے۔“ شہاب نے کہا پھر ویٹر کے آنے پر وہ خاموش ہو گئے تھے..... ویٹر نے ان کی اشیاء سرو کیں تو شہاب کچھ لحوں کے بعد بولا۔
”جناب بیٹا صاحبہ بہت شور مچا رہی ہیں آپ، پچھلے بہت سے دنوں سے موجودہ مصروفیات کے بارے میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں بات اصل میں یہ ہے کہ سارا مزہ کر رہا ہو جاتا ہے تنہائی کے ان لمحات میں جن پر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ خوب صورت سی گٹھڑی جو یہاں موجود ہے ساری کی ساری اپنی ہے، اب بتائیے ایسے لمحات میں انسان قتل و غارت گری خوریزی کی باتیں کرے۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہم لوگ عملی دنیا کے لوگ ہیں اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اگر ہمارے فرائض بھی ہتھ کھیلے پورے ہوتے رہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور پھر ظاہر ہے جو کام ہمیشہ نہ کیا جاسکے اس کی ابتداء ہی نہیں کرنی چاہئے۔“ بیٹا نے سنجیدگی سے کہا۔

”مطلب؟“
”ہم پریکٹیکل لوگ ہیں، جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں چند روز اس سلسلے میں غاموشی اختیار کر لیں گے، تھوڑی سی اداکاری کر لیں گے لیکن اس کے بعد کیا ہم ایسے معاملات گھر میں ڈسکس نہیں کریں گے۔“

”ہاں بات تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن چلو کچھ دن سہی۔“
”وہ الگ بات ہے۔“ بیٹا نے سامنے رکھی ہوئی چیزوں کی جانب ہاتھ بڑھا کر کہا۔
”اچھا ایک بات بتاؤ بیٹا؟“
”شرارت بالکل نہیں۔“

”نہیں بھی نہیں شرارت بالکل نہیں۔“
”ٹھیک ہے پوچھئے۔“
”کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ۔“

بات معلوم کرنے میں مصروف ہیں کہ ان پانچوں افراد کے تعلقات کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور اگر ان کے سلسلے میں کچھ کیا جائے تو بات کہاں تک جاسکتی ہے۔“

”ہوں یہ بات تو ہے۔“ مینا پر خیال انداز میں بولی اور شہاب بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بہر حال اس نے کچھ اقدامات کئے تھے۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب سے ہونے والی اس ملاقات کے بعد کیونکہ نادر حیات صاحب کی شخصیت بھی باقاعدہ اس میں ملوث تھی اور شہاب بہر حال ان سے بے پناہ محبت بھی کرتا تھا اور ان کی بہت عزت بھی کرتا تھا۔۔۔۔۔ وہ کسی بھی طور نادر حیات صاحب کو بے بسی کا شکار نہیں دیکھ سکتا تھا۔



طاہر بیگ ایک وطن دوست اور انسان دوست شخص تھا، جس طرح بے کل ہوا تھا اس کا دل ہی جانتا تھا۔۔۔۔۔ صدف بھی حساس لڑکی تھی اور بہت سے معاملات میں اسے طاہر بیگ سے سب سے زیادہ انیسیت کا احساس ہوتا تھا۔۔۔۔۔ دونوں بڑے بھائی شادی شدہ تھے اور اپنی زندگی کے بہترین دن گزار رہے تھے۔۔۔۔۔ یہ خطرہ بدستور موجود تھا کہ اگر انہیں اس سلسلے میں رازدار بنایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ راز فاش ہو جائے۔۔۔۔۔ بہر حال دونوں بہن بھائی شدید توثیق کا شکار تھے، اس وقت بھی ناشتے کی میز پر سارے بھائی اور بھابھیاں وغیرہ موجود تھے۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ کسی کام سے گیا ہوا تھا۔۔۔۔۔ ناشتا خاموشی سے ختم کیا گیا اور منصوبے کے مطابق جب بھابھیاں وغیرہ چلی گئیں اور ناشتے کے کمرے میں صرف تینوں بھائی اور صدف رہ گئے تو طاہر بیگ نے کہا۔

”اخبارات پر نگاہ ڈالتے رہتے ہیں بھائی صاحب۔“

”ہاں کیوں۔۔۔۔۔ کوئی خاص بات؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ میں بس اس لئے پوچھ رہا تھا کہ صرف کاروبار میں ہی زندگی گزار رہے ہیں یا پھر دنیا کی کوئی خبر بھی ہے۔“ طاہر بیگ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”بھئی اصل میں بات یہ ہے طاہر میاں کہ اب اس وقت دنیا ہم نے تمہارے سپرد کر رکھی ہے۔۔۔۔۔ ناظم بھائی نے جب اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں تو ہم دونوں کو آزادی دے دی اور خود اپنے شانوں پر بہت سے بوجھ لے لئے، اس کے بعد ہم پر ذمہ داریاں شروع ہوئیں تو تم دیکھ لو ہم نے ابھی تک بڑی خوش اسلوبی سے اپنے سارے کام سنبھالے ہیں اور تمہیں

”بہت اچھا۔۔۔۔۔“ مینا مسکرا کر بولی اور کہنے لگی۔

”موضوع غلط ہو گیا ہے یہاں کم از کم میں آپ سے سوالات کر سکتی ہوں۔“

”ان دنوں اور کوئی اہم مسئلہ سامنے نہیں ہے، بس وہی سارے معاملات ڈی آئی صاحب سے مذاکرات ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ اصل میں، میں نادر حیات صاحب کی مشکلات بھی ہوں، بس کبھی کبھی ان کے ساتھ بھی زیادتی ہو جاتی ہے۔“ شہاب نے نادر حیات صاحب آخری ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لائڈ اور ہیکٹر کے بارے میں بتایا اور مینا کہنے لگی۔

”تو پھر آپ نے کیا کیا؟“

”ابھی کچھ نہیں فیصلے کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ بہر حال ان سارے معاملات کو ذہن میں رکھ

ہی کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔“

”میری ڈیوٹی بتائیے۔“

”سوچ لیجئے کہیں مشکل نہ محسوس کریں آپ۔“

”ارے ارے کیا آپ مجھے اس قدر ناکارہ سمجھتے ہیں۔“

”قطعاً نہیں آپ ایک مکمل خاتون ہیں۔“

”اس وقت خاتون کی بات نہیں ہو رہی، میں اپنی ڈیوٹی پوچھ رہی ہوں۔“

”چلئے پھر ٹھیک ہے، تین چار خوب صورت بچے پیدا کر لیجئے فوری طور پر۔“ شہاب

نے بے اختیار کہا اور مینا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”کیا فضول بات ہے آپ یہ مجھے میری ڈیوٹی بتا رہے ہیں۔“

”ہاں ہاں کیوں؟“

”شہاب۔۔۔۔۔ سیریس پلیز۔“

”کمال ہے یار کوئی بات مان کر ہی نہیں دیتیں۔۔۔۔۔ کیا بات ہے۔“

”چلئے ٹھیک ہے میرا کیا ہے آپ ہی بتائیے آپ کیا کر رہے ہیں۔“

”کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں ابھی تک۔“ شہاب نے کہا۔

”میرا خیال ہے مجھے اس سلسلے میں باقاعدہ شامل ہو جانا چاہئے۔“ مینا نے کہا اور شہاب

کچھ لمحوں کے لئے سنجیدہ ہو گیا، پھر بولا۔

”ابھی نہیں مینا! معاملہ بڑی سنجیدگی اختیار کر گیا ہے، ڈبل اوگینگ کے کارکن اب

”ظاہر تم اس قدر کمزور ذہن کے مالک تو نہیں تھے کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“
 ”بس یوں سمجھ لیجئے بھائی جان! ان خوابوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔“

”خواب کیا ہیں۔“ ناظم بیگ نے پوچھا۔

”ہمارے گھر میں سب سے اونچی جگہ پانی کی وہ ٹنکی میرا مطلب ہے وہ اوور ہیڈ ٹینک سب سے اونچا ہے ناں میں یہ دیکھتا ہوں کہ پانی کے اس ٹینک سے اچانک ہی شعلوں کا طوفان نکلنے لگا ہے اور یہ شعلے چھتری کی طرح پھیل کر ہمارے اس پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں..... خواب اگر ایک دفعہ دیکھا جائے تو اسے ذہن کی خرابی سمجھا جاسکتا ہے، لیکن ایک ہی خواب بار بار نظر آئے تو پریشانی کی بات ہے۔“ ناظم نے تشویش سے ہونٹ سکڑے اور بولا۔

”ایک بات بتاؤ؟“

”جی۔“

”تمہیں گھر کے سلسلے میں کوئی تشویش کوئی پریشانی لاحق ہے۔“

”نہ جانے کیوں دل پر ایک بوجھ سارہتا ہے۔“

”خواب دیکھنے کے بعد؟“

”نہیں اس سے پہلے تھا کچھ عجیب سے احساسات، بھائی جان مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس گھر میں کوئی ایک شخص ایسا ہے جو کوئی گناہ کر رہا ہے، کوئی انسانی گناہ اللہ کے گناہ گاروں کو تو اللہ خود معاف کر دیتا ہے یا پھر اس کے لئے اسے لحوں میں کوئی سزا دینا مشکل کام نہیں ہوتا، لیکن انسان معصوم ہوتے ہیں اور انسانی گناہ کرنے والوں کو خاصا وقت مل جاتا ہے..... بھائی جان کوئی ایسا اخلاقی یا انسانی یا سماجی گناہ کیا جا رہا ہے اس گھر میں جس کی وجہ سے اللہ نہ کرے ہمارا گھر کی تباہی کا شکار ہو سکتا ہے..... میرے اس خواب کی یہی تعبیر ہے۔“ ظاہر بیگ نے کہا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”وہی جو میں نے کہا ہے گناہ گار کون ہے اور گناہ کیا ہے بھائی جان آپ لوگ اس سلسلے میں میری مدد کیجئے..... معلوم کیجئے۔“

”دیکھو بڑی عجیب بات کر رہے ہو تم اگر تمہارے ان الفاظ کا کوئی گہرا پس منظر نہیں ہے تو یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ اس گھر کا تعلق براہ راست یا تو ہم تینوں سے ہے یا ڈیڈی سے

عیش کرنے کے لئے اس دنیا میں چھوڑ دیا ہے، لیکن عیش سے یہ مراد نہیں کہ تم بالکل بے وقت بے کار کرتے رہو اگر اس دنیا میں کوئی مشکل ہے میرا مطلب ہے اگر دنیا کسی وجہ سے مشکل میں ہے تو میاں تم جیسا جوان آدمی تو ہم نے دنیا کو دے رکھا ہے ہاں ہماری ذمہ داریاں ہیں ہو اگر ہیں تو ہمیں بتا دیا کرو۔“ اطہر بیگ نے محبت بھرے انداز میں بھائی سے کہا۔
 ”وہ تو خیر میں سمجھتا ہوں بھائی جان! میرے لئے مشکلات تو بالکل نہیں ہیں اور جہاں تک معاملہ صدف کا ہے۔“

”نہیں صدف کا کوئی معاملہ نہیں ہے، صدف بے وفا ہے۔“ ناظم نے کہا۔

”بے وفا۔“ صدف چونک کر بولی۔

”تو اور کیا بچپن سے سینے پر بیٹھ کر گھوڑے کی سواری کرتی رہی ہو، گالوں پر تھڑ مارے ہیں رال پٹکائی ہے اور اس کے بعد کچھ عرصے کے بعد شوہر کا گھر بسا لوگی اور اس سے اجازت لے کر ہم تک آؤ گی یہ کوئی وفاداری کی بات ہے۔“

”ارے واہ بھائی یہ کیا بات ہوئی یہ تو دنیا کی ریت ہے۔“

”ٹھیک ہے بے وفائی بھی دنیا ہی میں ہوتی ہے۔“

”آپ موضوع کو غلط سمت لے گئے۔“

”چلو تم صحیح سمت لے آؤ۔“ اطہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”پچھلے کچھ دنوں سے میں عجیب و غریب خواب دیکھ رہا ہوں، بھائی جان۔“ ظاہر بیگ نے کہا۔

”خواب.....“ دونوں بھائی چونک کر اسے دیکھنے لگے..... صدف نے بھی سہمی ہوئی نگاہوں سے ظاہر کو دیکھا تھا..... وہ جانتی تھی کہ ظاہر پر کیا بیت رہی ہے، لیکن بھائی کی مشکل کا کوئی حل نہیں تھا اس کے پاس۔ اطہر نے کہا۔

”خواب معدے میں گرانی کی وجہ سے نظر آتے ہیں..... اگر تمہارے معدے میں کوئی گڑبڑ ہے تو میں ڈاکٹر فہیم سے کہہ دیتا ہوں، کوئی دوا تجویز کر کے بھجوا دیں گے تمہارے لئے۔“

”نہیں میرا معدہ بالکل ٹھیک ہے، خواب عجیب نوعیت کے ہیں جنہوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔“

اور ہمارا ہی کوئی عمل اس گھر کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے، تو میرے پیارے بھائی سب پہلے تو میں اپنی صفائی پیش کر دوں جو چاہو قسم لے لو مجھ سے میں تو ظاہر کوئی ایسا عمل نہ کر رہا جو کسی کے لئے نقصان دہ یا تکلیف دہ ہو..... اظہر اپنے بارے میں بتائیں اور تم خود اپنے بارے میں سوچو ہم لوگ خود اپنا تجزیہ کر سکتے ہیں..... چلو ایسا نہیں کرتے کہ ایک دوسرے کچھ بتائیں، لیکن اگر یہ احساس دل میں آرہا ہے تو خود اپنا احتساب کر کے ہم اس گناہ سے بچ کر سکتے ہیں..... چوتھی شخصیت والد صاحب قبلہ کی ہے تو ان کا کردار ہم تینوں کی نگاہ میں ہے، وہ تو فیاض ہیں..... فرشتہ صفت ہیں جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں وہ ہماری نگاہوں میں بھی ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ شاید ان کے وجود کی برکتیں ہی ہماری خوشیوں اور خوشحالی کا سبب ہیں..... باقی اور کون رہ جاتا ہے ہم تینوں ہی اپنے محاسب ہیں۔“

”بات بہت عجیب سی کر رہا ہوں، لیکن انسان تو خطا کا پتلا ہوتا ہی ہے..... اگر اس محرک ڈیڈی ہوئے تو کیا ہوگا..... بھائی صاحب؟“ ظاہر بیگ نے کہا اور دونوں بھائی چونک کر ظاہر بیگ کو دیکھنے لگے..... صدف جلدی سے بولی۔

”مطلب یہ ہے تمہارا ظاہر بھیا کہ ہو سکتا ہے کہ ڈیڈی نادانستگی میں کوئی ایسا عمل کر رہے ہوں۔“

”نادانستگی میں یادانتہ بہر حال فرشتہ تو نہیں ہیں۔“

”خیر میں جانتا ہوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اپنی معصومیت میں کہہ رہے ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے باپ سے منحرف نہیں ہے اور نہ ہی ان پر کوئی الزام لگانے کا شوقین اور پھر یہ تو صرف ایک مفروضہ ہے، میں تو اسے صرف ذہنی خرابی ہی سمجھتا ہوں، بلاوجہ معمولی سی بات پر جذباتی یا سنجیدہ ہونے کی کوشش کریں۔“

”دیکھئے بھائی جان..... زندگی جذبات سے عبارت ہوتی ہے، خدا انخواستہ ہمارے اہم حوادث کی ذرہ برابر گرد بھی پڑی تو متاثر ایک فرد تو نہیں ہو گا تاہم آپ لوگوں سے یہ پوچھ رہا تھا کہ خدا انخواستہ اگر ہمارے ڈیڈی کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں جو دانستہ نادانستہ ان سے سرزد ہو رہا ہو تو ایسی شکل میں ہم ڈیڈی کو سمجھانے کے لئے کیا طریقہ استعمال کر سکتے ہیں۔“

”دیکھو بھی بات اگر کسی سماجی گناہ کی ہے تو میرا خیال ہے ہمارے ڈیڈی بہت ہی فرما

چشم اور فرخ دل انسان ہیں..... اگر ہم اس کی نشاندہی کر دیں گے تو وہ ہماری بات کا برا نہیں انہیں گے یا پھر کوئی بھی ایسی بات ہے جو کہ میں جانتا ہوں کہ نہیں ہے۔“

”فرض کرو اگر وہ کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے ہوں اور اس سے ہٹنا نہ پسند کرتے ہوں تو ہمیں کیا کرنا ہوگا۔“

”بہر حال ہمارے وہ باپ ہیں، ہم ان سے درخواست ہی کر سکتے ہیں۔“

”ظاہر کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا..... وہ محسوس کر رہا تھا کہ باقی بھائیوں کو بھی کم از کم اس بات سے اختلاف ہے کہ وطن دشمن وطن میں کوئی ایسا عمل کریں جس سے اہل وطن کو نقصان پہنچے، لیکن باقی بھائیوں کی زندگی کے انداز بدل چکے تھے..... اس میں مصلحت پسندی کی کیفیت نظر آتی تھی اور وہ بھی بے چارے مجبور تھے..... ظاہر ہے انسان کسی بھی سطح کا ہو مسائل آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے بلکہ اگر کسی کا مسائل سے پیچھا چھوٹ جائے تو بس یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ زندگی اس سے دور ہوتی جا رہی ہے..... زندگی تو مسائل کا ہی نام ہے..... صدف محسوس کر رہی تھی کہ ظاہر جذباتی ہو رہا ہے، یہ بھی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ بھائی گفتگو تو بے شک کر رہے ہیں لیکن ان کے انداز میں بے پروائی ہے..... ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط بات ظاہر کے منہ سے نکل جائے، سو اس نے ظاہر سے کہا۔

”اور شاید آپ بھول گئے ظاہر بھیا کہ آپ کو میرے ساتھ فوزیہ کی طرف چلنا ہے۔“

ظاہر نے بہن کو دیکھا تو صدف نے عاجزی سے اس سے درخواست کی۔

”چلنا ہے ناں ظاہر..... اٹھو پلیز چلو۔“ اور اس کے بعد وہ ظاہر کو اپنے کمرے میں لے آئی تھی..... ظاہر عجیب سی کیفیت کا شکار تھا..... صدف نے کمرے کا دروازہ بند کیا..... ظاہر کو سامنے بٹھایا اور بولی۔

”یہ طریقہ کار کیا ہے ظاہر بھائی کیا یہ مناسب طریقہ کار ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا صدف کیا کروں، ذہنی طور پر ختم ہو گیا ہوں میں۔“

”خود کو سنبھالو۔“

”تم خود سوچو..... تم اسے میری دیوانگی کہہ سکتی ہو، پاگل پن قرار دے سکتی ہو لیکن..... لیکن..... لیکن۔“

”نہیں..... نہ میں اسے تمہاری دیوانگی کہہ سکتی ہوں اور نہ پاگل پن۔“

”مجھ پر دہری ذمہ داریاں ہیں صدف دہری، دیکھو پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے جذبات مجروح ہو رہے ہیں میں ایک شدید نفسیاتی بحران کا شکار ہو گیا ہوں..... تمہیں انداز ہو گا کہ کیوں ایک ایسی بات جس پر ہم نے ہمیشہ ناز کیا ہے یہ سوچ کر کہ ہم اس کی اولاد ہیں ہماری گردنیں فخر سے تن گئی ہیں..... بخدا اس میں دولت کی موجودگی کا دخل نہیں ہے، بلکہ مجھے اپنے باپ کی سوچوں سے پیار تھا..... میں فخر سے سوچتا تھا کہ ہم لوگ تعمیر وطن میں اپنا معمولی سا ہی سہی لیکن ایک کردار ادا کر رہے ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے کچھ رہی ہونا تم۔“

”ہاں میں سمجھ رہی ہوں۔“

”اور اس کے بعد اچانک ہی یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ڈیڈی..... ڈیڈی محبت وطن نہیں بلکہ..... وطن دشمن میں سے ہیں..... انسان دشمنوں میں سے ہیں..... صدف کیا حال ہونا چاہئے تھا میرے دل و دماغ کا۔“

”میں جانتی ہوں۔“ صدف نے کہا۔

”اور اب..... اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے ایک ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوں کہ غلط کر رہا ہوں یا صحیح، کارروائی باپ کے خلاف ہے اس کے خلاف جس نے ہمیشہ ہماری بہتری کے لئے سوچا، لیکن آہ کاش وہ صرف ہماری ہی بہتری پر اکتفا نہ کرتا..... یہ بھی سوچنے کہ وطن میں لاکھوں مائیں ہیں..... لاکھوں باپ ہیں اور ان کے لاکھوں بیٹے ہیں..... وہ لوگ ہم پر حق رکھتے ہیں..... وطن کی مٹی ہم پر حق رکھتی ہے..... اہل وطن ہمارے اپنے ہیں..... غیر نہیں ہیں..... ہم نے صرف اپنے ہی بارے میں کیوں سوچا ان کے بارے میں کیوں نہیں سوچا..... بس اب اگر اس طرف سے نگاہیں پھیرتا ہوں تو مجرم ہونے کے باوجود خود کا زندگی بھر مجرم سمجھتا رہوں گا اور ابھی تو کچھ نہیں ہے ایک جرم ہوتا کر لیا جاتا..... ختم ہو جاتا، علم میں آ جاتا میرے کہ ڈیڈی نے ایسا کیا ہے تو خاموش ہو جاتا..... مجرمانہ طور پر ہی سہی چشم پوشی اختیار کر لیتا کہ غلطی انسان سے ہوتی ہے..... ڈیڈی جرم کر بیٹھے لیکن اس جرم کا کیا کیا جائے جو مسلسل بڑھتا ہی جا رہا ہے اور جس میں دوسروں کو دولت حاصل ہو رہی ہے اور میرے اہل وطن کو موت اور اس میں ڈیڈی بھی شریک ہیں..... میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں ہوں گے..... وہ آلہ کار ہیں..... میرے ڈیڈی اور آلہ کار، بہت سی باتیں سوچتا ہوں

صدف بہت سی باتیں سوچتا ہوں..... دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا چلا جاتا ہے..... میں نہیں جانتا کہ کون کون میرا ساتھ دے گا اور دے گا تو کیسے دے گا..... میں ایک فیصلہ چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کہیں کہ یہ درست ہے اور یہ غلط ہے، لیکن..... لیکن نہیں ایسا نہ ہو صدف وہ دوسرا ہی انداز اختیار کریں..... آہ! کیا کہا جاسکتا ہے، کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”آپ اس قدر دیوانے ہو رہے ہیں طاہر بھائی کہ مجھے خدشہ ہے کہ خود آپ کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔“

”خدا کی قسم اگر بات اتنی ہی دیوانگی کی حد تک ہوئی تو ایک دن میں اتنی ہیر و کن پیوں گا کہ کوئی سوچ بھی نہ سکے اور اس کے بعد ڈیڈی کے سامنے جا کر کہوں گا کہ ڈیڈی میں نے آپ کا تحفہ قبول کر لیا ہے اور جو زہر آپ دوسروں کی رگوں میں بھرتے رہے ہیں آج میں جان بوجھ کر اسے پی رہا ہوں..... آپ کا تحفہ سمجھ کر..... سمجھ رہی ہوں۔“

”تمہیں خدا کا واسطہ ایسا نہ کرنا..... ایسا نہیں کرنا..... یہ..... یہ دیوانگی کی انتہا ہوگی۔“

”یار کمال کرتی ہو، وہ جو ایسا نہیں کرنا چاہتے لیکن کر رہے ہیں ڈیڈی کی وجہ سے اور تم صرف مجھے بچار ہی ہو..... جاؤ ان بے شمار افراد کی زندگیاں بھی بچاؤ جن کے ماں باپ نہ جانے کتنے آنسو بہا چکے ہیں..... جاؤ صدف ایسا کرو.....“ صدف کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے..... اس نے کہا۔

”ایسا نہ کرنا طاہر بھیا..... ایسا نہ کرنا۔“

”تو پھر..... پھر کوئی ترکیب سوچو ڈیڈی کو اس راستے سے ہٹاؤ..... کوئی ترکیب سوچو۔“

”تم مجھے تھوڑا سا وقت دے دو..... تھوڑی سی مہلت دے دو..... اپنے آپ کو اس دیوانگی کے راستے سے ہٹاؤ..... میں..... میں وعدہ کرتی ہوں کہ کچھ کر دوں گی..... کچھ کر کے رہوں گی۔“

”اور اگر ڈیڈی حق کی راہ پر آنے کے لئے تیار ہو گئے صدف تو ہم ان میں سے ایک ایک شخص کو چن چن کر ختم کر دیں گے جو ہمارے وطن پاک میں یہ ساری گندگی کئے ہوئے ہیں۔“

”ہاں لیکن شرط یہی ہے کہ خود کو سنبھالو۔“ صدف نے کہا اور طاہر نے آنکھیں بند کر لیں..... وہ زور زور سے آنکھیں بھیج کر گردن جھٹک رہا تھا۔



رونالڈ ڈکسن نے عمارت کے پورے میں اتر کر عمارت کے احاطے کا جائزہ لیا۔ روکی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رونالڈ آہستہ آہستہ چلتا ہوا احاطے کا چکر لگانے لگا۔ ایک دو جگہ رُک کر اس نے احاطے کی دیواروں کو دیکھا۔ روکی بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا اور گارون اس کے اشارے پر اندر انتظامات کے لئے چلا گیا تھا جس پر رونالڈ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بین الاقوامی مافیا گروہ کے یہ ارکان دُنیا بھر میں اپنا یہ جال پھیلانے ہوئے تھے۔ یہ موت کے سوداگر موت کا سودا کرتے تھے اور اپنی جیبیں بھرتے تھے۔ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تفصیل نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ دُنیا یہی جانتی ہے کہ دُنیا سب سے بڑا دشمن کون ہے۔ خود انسان۔ جو ایک دوسرے کی ہلاکت کے لئے دن رات کی سوچوں میں سرگرداں ہے اور نت نئے حربے تیار کر رہا ہے، لیکن پتا نہیں انسانیت کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے یا اب اس نام کو لغت سے خارج کر دیا جائے۔ روکی نے آہستہ سے کہا۔

”سر کیا کسی خاص بات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں آپ۔“

”نہیں میں جائزہ لے رہا ہوں اس عمارت کا۔“

رونالڈ ڈکسن نے کہا اور پھر اندرونی عمارت کی جانب بڑھ گیا۔ پیل اور گارون نے دروازے کی دوسری جانب رونالڈ ڈکسن کا استقبال کیا تھا۔ رونالڈ ڈکسن نے مسکراتے ہوئے پیل کو دیکھا اور بولا۔

”تم یقیناً پیل ہنٹر ہو؟“

”لیس سر۔“

”ٹھیک ہے۔ عمارت اچھی ہے لیکن کچھ جگہ سے مخدوش ہے۔ تم بقیہ گفتگو کرنے سے پہلے مجھے بتاؤ کہ میرے لئے کوئی کمرے وغیرہ کا بندوبست کیا ہے؟“

”سر! ہو سکتا ہے آپ کے شایان شان نہ ہو لیکن۔“

”کہاں ہے مجھے بتاؤ۔“ اور پھر وہ تینوں ہی رونالڈ ڈکسن کو اس کمرے تک چھوڑنے آئے تھے جو اس کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ دروازے پر رُک کر رونالڈ ڈکسن نے کہا۔

”اور اب تم آدھے گھنٹے کی مہلت مجھے دو تاکہ میں ذرا سا آرام کر سکوں اور تم عمارت کے باہر جاؤ اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ کسی نے ہمارا یہاں تک تعاقب تو نہیں کیا

جس میں تمہیں تین ایسے پوائنٹس بتا سکتا ہوں جہاں سے تم اس عمارت میں دروازے کے بغیر آ جا سکتے ہو۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔ جب تم ان راستوں سے اندر آ سکتے اور جا سکتے ہو تو باہر والوں کے لئے بھی مشکل نہیں ہو گا۔“ رونالڈ ڈکسن نے انہیں وہ تینوں جگہیں بتائیں اور اس کے بعد کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ تینوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی تھی، پھر خاموشی سے آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کے دروازے سے بی باہر نکل آئے تھے۔

”یار غضب کی چیز ہے یہ شخص۔“ پیل نے کہا۔

”میا گارون نے تمہیں ساری تفصیل بتادی۔“ روکی نے پوچھا۔

”مہاں۔ کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ پیل سے ہم لوگ اس کے قیام کے لئے تیار شدہ کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔“ گارون نے کہا۔

”خدا کی قسم بہت ہی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”یار کمال کرتے ہو، وہ گولڈن کراؤن ہے اور گولڈن کراؤن ایسے تو نہیں مل جاتا۔“ پیل نے کہا اور روکی اور گارون ہنس پڑے۔ ان کی اس ہنسی کو پیل نے ناخوشگوار کی نگاہوں سے دیکھا تھا، پھر بولا۔

”کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ کیا میں نے کوئی مزاحیہ بات کہہ دی ہے۔“

”تم نے تو نہیں کہی لیکن ایک مزاحیہ بات خود بخود ہو گئی ہے۔“ گارون بولا۔

”میا؟“

”تم ابھی کہہ رہے تھے کہ گولڈن کراؤن آسانی سے نہیں مل جاتا۔“

”تو کیا میں غلط کہہ رہا تھا؟“

”ہاں۔“ گارون نے کہا اور ہنس پڑا۔

”کیوں؟“

”ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک شخص کو گولڈن کراؤن بڑی آسانی سے مل گیا تھا۔“

”کون؟“

”ڈاکٹر کرس۔“

”کیا مطلب، یہ کون ہے؟“ پیل نے پوچھا۔ روکی بھی ہنسنے لگا تھا۔

”پادری صاحب کو دیکھا تم نے..... ویسے اس شخص کے چہرے پر جو کیفیت چھائی ہے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ درحقیقت کسی چرچ کا پادری نہیں ہے۔“

”پھر بھی یہی بات کہوں گا کہ گولڈن کراؤن ہے مگر ڈاکٹر کرس کون ہے۔“ جوہر میں روکی اسے تفصیلات بتانے لگا اور گارون جگہ جگہ تصحیح کرتا رہا..... پیل کی آنکھیں جوہر سے پھیلی ہوئی تھیں، پھر اس نے کہا۔

”ہم لوگ اپنے آپ ہی کو عقل مند سمجھتے ہیں۔“

”غلط کرتے ہیں..... بہر حال ابھی ہمارے پاس سلور کراؤن ہے..... گولڈن کراؤن بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے..... ہم اس کے بعد نہ جانے کب گولڈن کراؤن حاصل کریں گے اور ڈائمنڈ کراؤن حاصل کرنے کے لئے تو شاید ہماری عمر ہی ابھی کم پڑے گی..... یہ قیامت خیز ذہن کا مالک ہے یہ شخص، ڈاکٹر کرس کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا گیا۔“

”نہیں رحمدل بھی ہے اور پھر ویسے بھی وہ بے چارہ ایک بے معنی سا آدمی تھا..... اس واقعے پر شاید آدھی عمر چکر لیا رہے گا جن تینوں پوائنٹس کی نشاندہی کی گئی تھی..... انہوں نے بھی انہیں غور سے دیکھا اور دل ہی دل میں اس بات کا اعتراف کیا کہ رونا لڈو ڈکسن تشویش بجا تھی..... بات ٹھیک ہے لیکن بہر حال یہ ان کی اپنی عمارت نہیں تھی، بلکہ انہوں نے یہ عمارت ان کے لئے مہیا کی تھی، کیونکہ ہونٹوں میں رہ کر اس قسم کے روایاں لہجوں میں مشکوک ہو جاتی ہیں..... پھر آدھا گھنٹہ انہوں نے یہاں گزارا تھا اس کے بعد واپس اندر پہنچے تھے..... ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو چونک پڑے، کیونکہ رونا لڈو ڈکسن لباس تبدیل کئے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا..... اس صورت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، بس پادری کا لباس اتار دیا گیا تھا..... انہیں دبا مسکرایا اور بولا۔

”نہیں میری شکل اصلی نہیں ہے..... کسی مناسب وقت شکل تبدیل کر لوں گا، یوں ہی رہنے دو..... بات اصل میں یہ ہے کہ جس حیثیت سے میں آیا ہوں اس حیثیت پہلے صحیح انداز میں نمٹنا ہے..... ایک مشنری کا دعوت نامہ ہے میرے پاس ان کی میٹنگ کل شریک ہونا ہے..... پہلی شرکت کے بعد ہو سکتا ہے مجھے یہ حلیہ تبدیل کرنا پڑے..... ابھی اس وقت جب کوئی اہم ضرورت پیش آئے، تم لوگ اگر میری اصل شکل دیکھنا؟

”جو تو اس کے لئے تھوڑا سا انتظار کر لو۔“

”سر! ہمیں صرف آپ کی شخصیت سے دلچسپی ہے شکل سے نہیں۔“

”ہونہ..... اب تم مجھے کافی پلوؤ اس کے بعد میرے اور تمہارے درمیان تفصیلی گفتگو ہوگی۔“

”یس سر!“ گارون نے کہا اور پیل سے بولا۔

”پیل کیا تم؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ اور پیل تیزی سے باہر نکل گیا تھا..... رونا لڈو ڈکسن نے آرام سے صوفے کی پشت سے گردن نکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔



شہاب حیات کلینک میں داخل ہو گیا..... جب سادہ لباس میں ہوتا تو اس کی شخصیت ایک الگ ہی رنگ اختیار کر جاتی تھی اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں خود بخود ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، ایسی ہی پرکشش شخصیت کا مالک تھا وہ..... اور اب تو اس کی شخصیت میں اور بھی نکھار پیدا ہو گیا تھا..... ڈاکٹر حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوا وہ اس تک پہنچ گیا..... ڈاکٹر حیات نے ایک نگاہ اس کا جائزہ لیا پھر بولا۔

”تشریف لائیے جناب، لیکن آپ کی ضد میری سمجھ میں نہیں آئی..... اصل میں میرے اپنے دوسرے مشاغل ہوتے ہیں، بس کچھ مخصوص مریضوں کو دیکھتا ہوں اور اس کے بعد باقی ذمہ داریاں میرے اپنے ماتحتوں کے پاس ہوتی ہیں، آپ کو شاید اس سلسلے میں بتایا گیا تھا لیکن آپ کی ضد سمجھ میں نہیں آئی۔“

”اس کی وجہ ہے ڈاکٹر حیات۔“

”براہ کرم تشریف رکھئے۔“ ڈاکٹر حیات نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بولا۔

”کیا وجہ ہے؟“

”شکریہ۔“ شہاب بیٹھ گیا۔ ”وجہ یہ ہے کہ میں مریض نہیں ہوں۔“

”آپ کی عمدہ صحت اور عمدہ شخصیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے..... پھر ایک ہسپتال میں ایک مصروف ڈاکٹر کے پاس آپ کی آمد کی وجہ بتا نہیں چل سکی۔“

”1961ء میں آپ ہالینڈ میں تھے اور کچھ عرصے کے بعد آپ کا قیام ڈچ فاؤنڈیشن

کے ایک رکن کے گھر میں رہا تھا۔“

”ہاں اگر آپ ہنری فوسٹر کی بات کر رہے ہیں تو وہ میرا دوست آج تک میرے ذہن میں موجود ہے۔“

”جی میں اسی کی بات کر رہا ہوں، ہنری فوسٹر تو مر چکا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ بات آپ کو معلوم لیکن اس کی بیوی ہیلینا فوسٹر۔“

”اوہ وہ مہربان عورت، کیا یاد دلادیا تم نے دوست لیکن تمہیں ان کے بارے میں تفصیلات کیسے معلوم؟“

”بس معلوم ہے اور اسی طرح معلوم ہے کہ میڈم ہیلینا فوسٹر آج کل یہاں موجود ہیں۔“

”اوہ۔۔۔۔۔۔ کیا واقعی کب آئیں وہ یہاں؟“ ڈاکٹر حیات نے حیران اور خوشگوار لہجے میں کہا۔

”ویسے تو انہیں یہاں آئے ہوئے آٹھواں دن ہے، لیکن کچھ ایسی مصروفیات ہیں؟“

”ابن ثاقب۔“ شہاب نے کہا۔

”جی مسٹر ثاقب۔“

”ابن ثاقب۔۔۔۔۔۔ ثاقب میرے والد کا نام تھا۔“

”اگر آپ کا نام تنہا لینا ہو تو مجھے کیا ابن کہوں۔“

”نہیں آپ میرے نام کو تنہا لینے کی کوشش ہی نہ کریں۔“ شہاب نے کہا اور ڈاکٹر حیات نے شانے ہلائے اور پھر بولا۔

”خیر۔۔۔۔۔۔ مجھے آپ کے نام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ تو میں آپ سے یہ عرف کر رہا تھا کہ آپ ان کے کتنے ہی قریب ہوں لیکن زندگی میں حالات میرے دوست فوسٹر کے رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور میڈم ہیلینا انہوں نے میرے ساتھ کچھ کیا ہے، اس کا صلہ میں کبھی زندگی بھر نہیں دے سکتا۔“

”آپ چاہیں تو دے سکتے ہیں۔“ شہاب نے کہا۔

”وہی میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ میں ان سے بہت زیادہ قریب ہوں اور اب میں آپ

بھی انتظار نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیے۔۔۔۔۔۔ میرے آدمی انہیں آپ کی رہائش گاہ سے لے آئیں گے۔“

”سمال کرتے ہیں آپ ڈاکٹر حیات۔۔۔۔۔۔ وہ کسی مزاحیہ پروگرام کے تحت تو میرے ہاں قیام پذیر نہیں ہوں گی۔۔۔۔۔۔ اگر وہ خوشی سے آپ کے ساتھ آنا پسند کریں تو ایک الگ بات ہے لیکن اس کے لئے آپ کو ان سے ملنا پڑے گا۔۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے آپ کی نگاہوں میں وہ اس قدر اہمیت کی حامل نہ ہوں، لیکن میرے لئے ان کی شخصیت بے حد قیمتی ہے اور میں اس طرح انہیں آپ کے کسی آدمی کے ساتھ بھیجنے کو تیار نہیں ہوں“ ڈاکٹر حیات نے کلائی پر ہنسی بھری ہنسی میں وقت دیکھا پھر بولا۔

”ٹھیک ہے آپ کو میری رہنمائی کرنا ہوگی۔“

”آپ تشریف تو لائیے۔۔۔۔۔۔ میں ان کا پیغام لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں لیکن یہ نہ سمجھیں کہ میں انہیں آپ تک منتقل کرنا چاہتا ہوں۔“ ڈاکٹر حیات نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انٹرکام اٹھا کر کچھ ہدایات دیں اور پھر شہاب سے بولا۔

”آپ کے پاس کار ہے؟“

”نہیں میں تو بے کار آدمی ہوں۔“

”یہ اچھی بات ہے آپ میری کار میں میرے ساتھ چلئے۔۔۔۔۔۔ میڈم ہیلینا کو میں خود اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔“

”اوکے۔“ شہاب بولا۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات کچھ لمحوں کے بعد شہاب کے ساتھ باہر نکل آیا۔

”شہاب اس کی شاندار کار میں بیٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔۔۔۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قہقہہ مکرہاٹ تھی۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات خود کار ڈرائیو کر رہا تھا اور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ

دار علی کا کارنامہ تھا۔۔۔۔۔۔ ڈبل اوگینگ کے تمام افراد ان پانچوں آدمیوں پر مصروف تھے اور اپنے طور پر ان کے خلاف کارروائیاں کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔ ایک ایک چیز کا جائزہ لیا جا رہا تھا اور

ناب نے ان کے گرد باریک تاروں والا جال پھیلا دیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ اس جال میں پھنس جاتا تھا۔۔۔۔۔۔ سنہری کور کی ایک ڈائری سردار علی کے ذریعے شہاب تک پہنچی تھی

ڈائری ڈاکٹر حیات کے بیڈروم کے مسمری کے ایک ایسے خفیہ خانے میں پائی گئی تھی جو

بہت محفوظ تھا۔۔۔۔۔۔ پھر اسی ڈائری سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس وقت ڈاکٹر حیات کو ٹریپ کیا

تھا..... کچھ دیر کے بعد شہاب کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ کر کارڈ کی گیٹ پر دو مسلح پولیس کی وردی میں ملبوس مستعد تھے..... ڈاکٹر حیات کے چہرے کی رگیں اور عضلات گئے اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی، لیکن پھر اس نے خود کو مار لیا اور بولا۔

”یہ تو کسی پولیس آفیسر کی رہائش گاہ معلوم ہوتی ہے۔“

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے پولیس آفیسر کی ہی رہائش گاہ ہے..... ڈاکٹر حیات قاتل کی رہائش گاہ تو نہیں۔“

”نہیں میرا مطلب تھا کہ کیا آپ کا تعلق۔“ اتنی دیر میں گیٹ کھل گیا تھا، چار ڈاکٹر حیات اپنی کار پورچ میں لے کر چلا گیا، لیکن اب اس کا ذہن چکر لیا ہوا سا تھا..... نے نیچے اترنے کے بعد مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔
”تشریف لائیے۔“

”آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟“

”جواب چند قدم کے فاصلے پر آپ کے لئے موجود ہو گا..... آپ آئیے تو کہ شہاب بولا اور ڈاکٹر حیات اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا..... شہاب بڑی احتیاط اس کے ساتھ چل رہا تھا..... ڈرائنگ روم بے گزرنے کے بعد وہ ایک راہداری میں ڈاکٹر حیات نے کہا۔

”بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی..... آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، کسی کے لئے تو ڈرائنگ روم ہی ہوتا ہے۔“

”پولیس والوں کے ڈرائنگ روم کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں سنا ڈاکٹر حیات شہاب نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”پولیس کا ڈرائنگ روم ذرا خفیہ ہوتا ہے اور اس ڈرائنگ روم میں پہنچنے والی لذت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔“ شہاب کے بدلے ہوئے لہجے کو ڈاکٹر حیات نے محسوس رکھا..... ٹھنکا اور اس نے پلٹ کر شہاب کو دیکھا اور اپنی جانب سیاہ رنگ کا پتول تان بولہ رخ اس کی پیشانی کی جانب تھا..... ڈاکٹر حیات کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

”کیا مطلب ہے اس بات کا یہ یہ.....“ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”مطلب صرف یہ ہے ڈاکٹر حیات کہ آگے بڑھتے رہئے..... میڈم ہیلیٹا فوسٹر اپنی ہند کی جگہ پر آپ کا استقبال کریں گی۔“

”لہذا لیکن یہ کیا انداز ہے اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے دھوکہ دے کر یہاں تک لائے ہو۔“

”آپ بڑی عجیب و غریب کیفیت کے مالک معلوم ہوتے ہیں..... اگر آپ ایک عزت اور عام شہری ہیں تو آپ کو اطمینان ہونا چاہئے کہ پولیس آپ کے ساتھ کوئی غلط رویہ اختیار نہیں کرے گی اور اگر آپ کوئی جرائم پیشہ آدمی ہیں تو پھر پولیس پر آپ دھوکا ہی کا الزام نہیں لگا سکتے..... آپ کا کیا خیال ہے آپ اپنے آپ کو کون سے لوگوں میں شمار کرتے ہیں؟“

”میں آگے نہیں بڑھوں گا۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا اور شہاب کے بوٹ کی زوردار ٹھوکر قب سے اس کی پنڈلی پر پڑی، ٹھوکر چونکہ پنڈلی کے جوڑ پر پڑی تھی، چنانچہ ڈاکٹر حیات کا دل جھک گیا اور وہ اوندھے منہ نیچے گر گیا، لیکن شہاب نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کی بڑھ کی ہڈی پر پاؤں رکھ دیا اور دباؤ ڈالتا ہوا بولا۔

”کیا کروں بچپن سے صحبت بگڑ گئی تھی، اب بری صحبتوں میں اتنا گہرا پہنچ چکا ہوں کہ زناقت کا تصور ہی دل میں نہیں ابھرتا..... آپ ترک گئے آگے چلئے۔“ شہاب نے دوبارہ دل اٹھایا اور ڈاکٹر حیات جلدی سے کئی قدم آگے بڑھ گیا، اب اس کے چہرے پر کسی قدر رنج و غصہ نظر آرہی تھی، اس نے ایک دو بار گردن گھما کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے شہاب کی طرف دیکھا اور پھر ادھر ادھر..... لیکن بھاگنے کا راستہ نگاہ کے سامنے نہیں لہا، چنانچہ وہ آگے بڑھتا رہا اور کچھ دیر کے بعد شہاب اسے لے کر تہہ خانے میں آگیا.....

”در حیات صاحب نہ جانے کہاں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے..... سارا پروگرام ان کے علم تھا اور شہاب پورے اعتماد سے یہ بات کہہ کر گیا تھا کہ وعدے کے مطابق وہ ڈاکٹر حیات کو لے کر یہیں آئے گا..... بہر حال نادر حیات صاحب سمجھتے تھے کہ صورت حال کس قدر غیر معمولیت کی حامل ہے لیکن ایک جانب انہیں اعلیٰ حکام کی جانب سے یہ احکامات ملے ہوئے تھے کہ اس جانب سے کوئی یقینی کارروائی عمل میں لائیں اور یقینی کارروائی عمل میں

کر رہے ہیں۔“
”محکمہ پولیس اگر کسی سلسلے میں مجھ سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک معزز شہری کے ساتھ یہ طریقہ کار بالکل غیر مناسب ہے میں اس سلسلے میں معلومات چاہتا ہوں کہ آخر ایسا کون سا جرم عائد کیا گیا ہے مجھ پر جس کی بنا پر اس انداز میں تفتیش کی جا رہی ہے۔“

”ڈاکٹر حیات صاحب! اب ذرا تفصیلی گفتگو ہو جائے آپ بھی سنجیدہ ہو جائیں اور ہم بھی سنجیدگی سے آپ سے گفتگو کریں۔ دیکھئے ڈاکٹر حیات صاحب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کا تعلق ایک ایسے معزز پیشے سے ہے کہ اس پیشے سے متعلق ہر شخص کا احترام کرنا ضروری ہو جاتا ہے، لیکن بات اس معزز پیشے کی ہے کسی انسان کی نہیں۔ ہر طرح کے پروٹیشن میں ہر طرح کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں۔ دولت کے حصول کی خواہش ایک فطری جذبہ ہے اور آپ کا کلینک بہت شاندار ہے اور جہاں تک ہم غلط نہیں سمجھ رہے تو اتنی اعلیٰ حیثیت ہے آپ کی ایک ڈاکٹر کی شکل میں کہ لوگ آپ کے کلینک کی طرف جانا اپنی صحت کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ دولت آپ کے لئے کوئی مشکل چیز نہیں تھی لیکن ڈاکٹر صاحب آپ تو مسیحا ثانی ہیں۔ یہ چنگیز خان کا عہدہ آپ نے کیوں اختیار کر لیا۔ انسان کو قتل کرنا انہیں زندگی سے محروم کرنا۔ دکھی انسانیت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ان کی کراہوں کو بولی جانا اور کسی کے لئے ممکن ہو تا تو ہمیں حیرت نہ ہوتی، آپ نے کس طرح ان باتوں کو قبول کر لیا؟“

”اداکاری بھی اچھی ہے۔ آواز بھی اچھی ہے اور تاثرات بھی اچھے ہیں لیکن نہ میں کوئی فلم ڈائریکٹر ہوں۔ نہ مستقبل میں میرا کوئی فلم پروڈیوس کرنے کا کوئی پروگرام ہے۔ آپ یہ اداکاری میرے سامنے کیوں کر رہے ہیں جناب بتانا پسند کریں گے؟“ ڈاکٹر حیات اب سنبھل گیا تھا۔ نادر حیات صاحب ایک صوفے پر بیٹھ گئے، اندازہ یہ ہو چکا تھا انہیں کہ شہاب کا پروگرام طویل ہے لیکن بہر حال شہاب کی شخصیت سے وہ اتنا متاثر ہو گئے تھے کہ اس کے کسی معاملے میں بولنا ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ شہاب مہال سے انتظامات کر کے گیا تھا اور اتنے پیار سے ڈاکٹر حیات کو لے آیا تھا کہ یقین نہ کیا جاسکے۔ کیسے یہ بات وہ اب بھی نہیں جانتے تھے اور نہ ہی یہ طے کر پارہے تھے کہ شہاب

لانے کے لئے انہیں شہاب کی ضرورت تھی اور دوسری طرف شہاب کسی بھی رعایت برتنے کے موڈ میں نہیں تھا، ان مجرموں کے ساتھ جن کی نشاندہی اس نے پر کردی تھی غرض کہ شہاب ڈاکٹر حیات کو لے کر تہہ خانے میں پہنچ گیا، ڈاکٹر حیات بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بری طرح پولیس کے جال میں پھنس گیا ہے۔ پولیس اس طرح کہہ سکتا تھا کہ بہر حال وہ بے وقوف نہیں ہوا تھا جس عمارت میں داخل ہوا بہر حال اس کی نوعیت کو سمجھ چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نادر حیات صاحب بھی اس خانے میں پہنچ گئے۔ ڈاکٹر حیات کو شہاب نے ایک صوفے پر بٹھادیا تھا اور خود اس سے فاصلے پر ایک کرسی سے ٹکا کھڑا تھا۔ ڈاکٹر حیات نے نادر حیات صاحب کو چونک کر اور پھر جلدی سے بولا۔

”اوہو سر! میں آپ کو پہچانتا ہوں لک۔ کیا آپ نے مجھے اس طرح بلایا ہے؟“
حیات صاحب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولے۔

”یہ تو اور بری بات ہے کہ تم مجھے پہچانتے ہو۔“
”آپ ایک ذمے دار اور اعلیٰ شخصیت کے مالک ہیں۔ ڈی آئی جی صاحب اور آپ اس بات کا بھی علم ہے کہ میں بھی ایک معزز شہری ہوں، کوئی بے حیثیت انسان نہیں نام حیات علی ہے اور میں اپنا ایک کلینک چلاتا ہوں۔ ڈاکٹر حیات کے طور پر آپ کہ بھی میرا نام معلوم کر سکتے ہیں۔ میری شخصیت نیک نام ہے اور میں نے انسانیت خدمت کے لئے بہت سے کام سرانجام دیئے ہیں۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات شہاب منتظر رہا کہ نادر حیات صاحب کوئی جواب دیں لیکن وہ خاموش رہے تو وہ بولا۔

”میرا کلینک اس بات کا گواہ ہے او۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔“
”وہ تو ایک Professind کلینک ہے۔ ڈاکٹر حیات آپ کے کلینک زبردست چارجز ہیں، کوئی غریب آدمی تو اس میں داخل ہو بھی نہیں سکتا۔ شاید آپ لوگوں کی خدمت کی بات کر رہے ہیں جو صاحب حیثیت لوگ ہیں۔ آپ ان سے ترین فینیس وصول کر کے ان کی خدمت کرتے ہیں، ویسے آپ کی بات بھی بالکل درست ہے کیونکہ انسان تو وہ بھی ہیں ٹھیک ٹھیک لیکن چھوڑیئے ان کو ہم آپ سے ان انسانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں جن کی خدمت آپ خفیہ

نے یہ جادوگری کس طرح دکھادی، لیکن بہر حال اس وقت وہ شہاب کو اس کی اصلی شکل دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔ ویسے بھی وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے اس مایہ ناز آفیسر پر فخر کرتے تھے، اس کے کارناموں کی مکمل فہرست ان کے سامنے تھی جس میں شہاب نے ناقابلِ فہم صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے ایسے خطرناک مجرموں کو قانون کے حوالے کیا تھا جو بالآخر اقوامی اہمیت کے حامل تھے اور جن کے بارے میں انہی کے محکمے کے دوسرے لوگ سنا بھی نہیں سکتے تھے اور کسی بھوکے بلے کی طرح ایسے لوگوں کی تاک میں رہتا تھا جو قانون شکن ہوں لیکن قانون کو بے حقیقت سمجھتے ہوں اور اپنے اختیارات پر نازاں ہوں، اس پر کوئی شک نہیں کہ یہ ایک المیہ تھا۔۔۔۔۔ لا تعداد افراد اپنے اختیارات کے بل پر قانون کو کھرا سمجھ لیتے ہیں اور پھر انہیں سنبھالنا ناممکن ہو جاتا ہے، لیکن شہاب نے ایسے بہت سے ناقابلِ یقین کارنامے سرانجام دیئے تھے اور اس وقت وہ نادر حیات صاحب کے سامنے گویا اپنے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔۔۔۔۔ اس کی آنکھوں کی سفاک چمک ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار کر رہی تھی۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات کے الفاظ نے اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پیدا کر دی۔ اس نے کہا۔

”یقینی طور پر اس سلسلے میں آپ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے ڈاکٹر حیات صاحب میری یہ اداکاری اور پرفارمنس آپ کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔“

”میرے نوجوان دوست دھوکے سے مجھے یہاں لے آئے ہو، اگر میری شخصیت مکمل تشریح چاہتے ہو تو تھوڑا سا وقت دو مجھے اور کھل کر میدان میں آؤ اپنی بھی پہچان کر لیا میری بھی یہ تو بزدلی ہوئی کہ تم مجھے اس طرح یہاں لے آئے اور اب مجھ سے یہ افواہیں باتیں کر رہے ہو۔۔۔۔۔ چلو اگر کوئی الزام ہی لگانا چاہتے ہو تو میں یہ جانے بغیر تمہارا جواب قبول کرتا ہوں کہ الزام کیا ہے، لیکن تم بھی میرا چیلنج قبول کرو اور اس وقت مجھے یہاں جانے دو بعد میں کھل کر سامنے آئیں گے اور فیصلہ کر لیں گے کہ کون کتنے پانی میں شہاب مسکرا دیا، پھر اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے میری آواز کی تعریف بھی کی ہے اور پرفارمنس پسند کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تم نے یہ بھی کہا ہے کہ نہ تو تم فلم ڈائریکٹر ہونے پر فخر کرتے ہو اور نہ مجھے بہت سراہتے میں تو مایوس ہو گیا تھا، لیکن تم نے خود ہی مجھے یہ آفر کر دی گئی

مجھے پرفارم کرنے کے مواقع حاصل نہیں تو ٹھیک ہے پھر میں بھی کسی فلمی ہیرو کی طرح تہوار چیلنج قبول کرتا ہوں جو ہر قسم کے ہتھیار پاس رکھنے کے باوجود نہتا ہو کر ولن کے مقابلے پر آتا ہے۔۔۔۔۔ تم نے کہا ہے کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے تو ٹھیک ہے ڈاکٹر حیات جاسکتے ہو بلکہ چلو تمہیں عزت اور احترام کے ساتھ باہر پہنچا دیا جائے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”نہیں اب کچھ نہیں، درحقیقت میں ابھی اور اسی وقت تمہیں زچ کر سکتا ہوں اور زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا ہوں لیکن ڈاکٹر حیات ایسا کروں گا نہیں، میں کیوں تم نے جو ایک بات کہی اس نے میرے دل کے تاروں کو چھو لیا ہے۔۔۔۔۔ میرا باپ سچ کا شہید تھا۔۔۔۔۔ بہر حال میں بھی سچائیوں کا تیدائی ہوں۔۔۔۔۔ اگر سچ صرف تم اپنی ہی زبان سے بیان کرو تو میرے لئے بہت اچھا ہوگا۔۔۔۔۔ اوکے ڈاکٹر حیات جاسکتے ہو، چلو میں تمہیں باہر چھوڑ دوں۔“ نادر حیات صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔۔۔۔۔ پوری عمر کا تجربہ یہ کہتا تھا کہ اس قسم کی احمقانہ حرکت کا نتیجہ بہتر نہیں ہوتا اور اس کے مشکل نتائج بھگتنا پڑتے تھے، لیکن اس وقت شہاب کو تمام تر آزادی دینے کے بعد درمیان میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔۔۔۔۔ باہر ڈاکٹر حیات کی کار موجود تھی۔۔۔۔۔ شہاب نے کار کی چابی اس کے حوالے کی اور وہ کار سٹارٹ کر کے واپس چل پڑا، لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس طرح چھوڑ دیا جائے گا۔۔۔۔۔ راستے بھر شاید وہ خوفزدہ ہو کر کار ڈرائیو کرتا رہا ہو، لیکن اب شہاب کو اس کی پروا نہیں تھی۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب گردن جھکائے سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

”واقعی تم اس کے سلسلے میں جذباتی ہو گئے تھے، اسے اس طرح یہاں لانا اور پھر چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟“

”جذباتی تو میں ہو گیا تھا سر لیکن آپ بالکل بے فکر رہیں، کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی۔۔۔۔۔ میرے آدمی ایک ایک لمحہ اس پر نگاہ رکھیں گے اور وہ ہمارے خلاف کچھ بھی نہیں کہئے گا۔“ شہاب پر اسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور نادر حیات اسے دیکھتے رہے، کچھ لمحوں کی آنکھوں میں تشویش کے آثار نظر آئے پھر انہوں نے کہا۔

”دیکھو شہاب میرا پوری عمر کا تجربہ ہے ہو سکتا ہے تمہیں اس سے اختلاف ہو اور تمہیں اس سے اختلاف ہو اتوں میں زبردستی تمہیں قائل کرنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن ایک مثال ہے کہ سانپ کو زخمی کر کے چھوڑنا بہر طور بہتر نہیں ہوتا۔“

”جی سر میں جانتا ہوں۔“

”او کے میں نے جب تم سے اتفاق کر لیا ہے تو پھر میں تم پر ہی بھروسہ کروں گا۔“

”سر! وہ شخص جس کا نام ڈاکٹر حیات ہے اگر اپنے گال پیٹنا ہوا یہ اعلان کرتا ہوا آپ کے سامنے نہ آئے کہ وہ مجرم ہے اور اس نے اپنی زندگی بدترین جرموں کے ساتھ گزارا ہے، تو میرا نام بھی شہاب نہیں ہے۔“

نادر حیات صاحب ایک مشفق استاد کی مانند مسکرانے لگے تھے۔



رونالڈ و ڈکسن بہت زیادہ پر اعتماد آدمی تھا..... ویسے اس کی شخصیت بہت ہی نظر ناک نظر آتی تھی اور ایک ہی نظر دیکھنے سے پتا چل جاتا تھا کہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا چھپا ہوا ہے..... ایک کامیاب مسکراہٹ کے ساتھ اس نے تمام ترتیاں مکمل کیں اور اس کے بعد ان تینوں کو سامنے لے کر بیٹھ گیا۔

”ہاں اب تم لوگ مجھے رپورٹ دو۔“

”سر آپ بہت اچھی شخصیت کے مالک ہیں ورنہ ہم سلور کراؤن سے اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ کوئی گولڈن کراؤن ہمارے ساتھ بہت سخت رویہ اختیار کرے گا۔“

”مجھے خوش کرنے کی بجائے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم الف سے لے کرے تک مجھے مکمل رپورٹ دو، کیا تمہارے پاس یہ رپورٹ تیار ہے؟“

”جی سر بالکل.....“ گارون نے مدہم لہجے میں کہا۔

”چلو پھر شروع ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور گارون، پیل اور راکی مستعد ہو گئے..... انہوں نے اپنے سامنے رکھا ہوا فائل درمیان سے کھولا، پھر پہلے صفحے پر نگاہیں جما کر بولا۔

”سر یہ بات تو آپ کو معلوم ہے کہ ہماری فیلڈ کا تقریباً سولہواں حصہ اس علاقے سے چلائی لیتا ہے اور کوئی ایک علاقہ جہاں سے یہ اتنی بڑی سپلائی ملتی ہے، یہ پہلا علاقہ ہے ورنہ ہمارے پاس جو پروڈکشن ہوتی ہے وہ مختلف علاقوں سے اور بہت ہی کم مقدار میں ہوتی ہے اور جگہ جگہ سے مال اکٹھا کر کے ہم اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، اس علاقہ میں جسے ہاڑی کہا جاتا ہے..... ہماری سب سے بڑی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اس طرح سے ہم اسے زبردستی اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں..... سر یہاں کی زرخیز زمینیں اور تعاون کرنے والے لوگ

چھوٹی پارٹیوں سے بھی یہ مصنوعات خرید لیں۔“
 ”ایسی کوئی رپورٹ ہمارے پاس موجود نہیں ہے سر۔“
 ”پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہو یہ بات۔“
 ”جی سر!“

”تب میں اسے سنڈیکیٹ کی ایک فاش غلطی کہوں گا۔ خیر آگے بڑھو۔“
 ”ہاڑی میں اچانک ہی ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں، لا تعداد افراد ہلاک ہوئے وہ تو شکر ہے کہ مقامی حکومت باقاعدہ اس طرف متوجہ نہیں ہوئی، اس کی بھی ایک بنیادی وجہ ہے۔“
 ”وہ کیا؟“

”اس علاقے میں قبائل آباد ہیں..... یہ قبائل بہت تند خو اور جنگجو قسم کے ہیں..... چھوٹی چھوٹی سی بات پر ان کی آپس میں ہی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اور اس کے بعد زبردست خون ریزی ہوتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت اس خون ریزی کو بند کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن وہ بھی انہی لوگوں کی مدد سے چنانچہ اس وقت بھی حکومت کا رویہ اس سلسلے میں درمیانہ ہی رہا اور پوری قوت کے ساتھ وہاں ایسی کوئی کارروائی نہیں ہوئی جس سے بات بہت آگے بڑھ جاتی، یعنی ابھی اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ کچھ عرصے کے بعد وہاں کے حالات سنبھل جائیں گے اور کام بھی پورا ہو جائے گا۔“
 ”ٹھیک ٹھیک ہے آگے۔“

”ہمارے خیال میں سر بلکہ خیال ہی نہیں معلومات حاصل کرنے سے جو رپورٹیں مرتب ہوئی ہیں ان کی تفصیلات یوں ہیں کہ دانی شاہ نامی ایک شخص جو سنڈیکیٹ کا ڈائریکٹ آؤی بھی تھا کیونکہ انتہائی دلیر اور جنگجو قسم کا شخص تھا، وہ کسی کی غداری پر مشتعل ہوا اور اپنی فطرت کی بنا پر اس نے ایک لڑکی کو ہلاک کر دیا، بہت معمولی سی بات تھی سر لیکن اتفاقہ طور پر اس لڑکی کی ہلاکت ہی اس ہنگامے کا سبب بنی، مقامی خفیہ ڈیپارٹمنٹ کے افراد اس کے پیچھے آگئے اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہاڑی تک پہنچے، سر کام تو بہت خفیہ اور سنسنی خیز رہا ہے لیکن شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ انہی لوگوں میں سے کوئی ایسا ذہین آدمی موجود ہے جس نے بات یہاں تک پہنچادی اور اس کے بعد اس سے مسلسل خطرات محسوس کئے جانے لگے۔“
 ”کیا مطلب؟“

ہمیشہ ہمارے لئے فائدہ مند رہے ہیں لیکن ہم نے یہاں آنے کے بعد جو رپورٹ مرتب کی ہے وہ یہ ہے کہ سنڈیکیٹ کے کارکنوں کو وہ بڑا تحفظ نہیں مل سکا جو ملنا چاہئے تھا۔“
 ”اس سلسلے میں تم نے کوئی سفارش مرتب کی ہے۔“
 ”رونا لڈنے پوچھا۔“

”جی سر اصولی طور پر یہ ہونا چاہئے تھا۔“
 ”غلط تم یہ الفاظ کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ کیا ہونا چاہئے تھا کیا اصولی طور پر نہیں ہونا چاہئے تھا، سفارشات کا مطلب سمجھتے ہو۔“ اس بار رونا لڈ کسن کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔
 ”لیس سر لیس سر مطلب یہ ہے کہ یہاں پانچ افراد اس علاقے کو کنٹرول کرتے ہیں مقامی لوگ ہیں اس میں ایک کا نام مرزا اعظم بیگ ہے، دوسرا ڈاکٹر حیات ہے تیسرا سلطان چو تھارا جیل رضا اور پانچواں جابر زمان ہے..... یہ پانچوں بہترین شخصیات کے مالک لوگ ہیں اور طے کیا گیا تھا کہ مقامی طور پر انہیں مکمل اختیارات دیئے جائیں گے۔ انتہائی بااثر افراد ہیں اور اپنا حلقہ احباب بہت وسیع رکھتے ہیں..... یعنی اگر ان سے کوئی لغزش ہو بھی جائے تو یہ مشکل ہی سے قانون کی گرفت میں آسکتے ہیں لیکن سر ان پانچوں کو مکمل طور پر اختیارات دینے کے بعد سنڈیکیٹ کے اگر چند افراد یہاں خفیہ طور پر ان کی نگرانی لئے موجود ہوتے اور ان پر نگاہیں رکھتے تو شاید ہمیں بہت سی مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔“
 ”گڈ! اچھا آئیڈیا ہے میں نے پوائنٹ نوٹ کر لیا یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ ان پانچ افراد باختیار رہنے دیا جائے اور ان کی خفیہ نگرانی کے لئے ان کے علم میں لائے بغیر سنڈیکیٹ ڈیپارٹمنٹ یہاں موجود ہو جو ان پر نگرانی رکھے اور ان کی مشکلات میں ان کی مدد کرے۔“
 ”بالکل سر۔“

”ویری گڈ! ذہانت کی بات ہے جسے میں خلوص دل سے قبول کرتا ہوں، بہر حال آگے بڑھو۔“

”ہاڑی میں ایک پراسرار طریقے سے حادثات کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہاں ذاتی طور پر بھی منشیات کی تجارت ہوتی ہے..... چھوٹے چھوٹے گروپ اور کچھ لوگ انفرادی طور پر منشیات کاشت کرتے ہیں اور اس کی مصنوعات بنا کر انہیں اپنے طور پر فروخت کرتے ہیں۔“
 ”کیا اس سلسلے میں سنڈیکیٹ کے مقامی نمائندوں کو یہ ہدایت نہیں کی گئی کہ وہ

”مطلب یہی سرکہ ہو سکتا ہے کہ کام آگے بڑھ گیا ہو چونکہ اندازہ یہ ہے کہ شخص نے باڑی میں یہ سب کچھ کیا ہے وہ بہت خطرناک آدمی ہے اور اس سے اس بات کا ہے، کہیں مقامی طور پر سنڈیکیٹ کی کارروائیوں میں دخل اندازی پیش آئے اور ہمیں حالات کا سامنا کرنا پڑے۔“

”ان پانچوں سے ملاقات ہوئی۔“

”ہاں۔“

”کیا کہتے ہیں۔“

”ابھی تک حقیقتوں سے لاعلم ہیں۔“

”جب کہ تم کہہ رہے ہو کہ وہ صاحب اختیار ہیں۔“

”ہاں۔“

”تو پھر۔“

”یوں لگتا ہے سر جیسے کارروائی بہت خفیہ ہو۔“

”ذاتی طور پر تم اس سلسلے میں کچھ معلوم کر سکتے؟“

”ابھی تک نہیں۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ ہمیں یہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا۔“

”مگر تمہیں کام پوری قوت کے ساتھ کرنا چاہئے۔“

”شروع کیا ہے سر اور امید ہے بہت کچھ معلوم کر لیں گے۔“

”ہوں! دیکھو پہلی بات یہ ہے کہ اس سارے پروگرام میں جگہ جگہ خامیاں نظر

ہیں، جب تم لوگ یہ بات جانتے ہو اور سنڈیکیٹ بھی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ 1/16

ہمیں یہاں سے ملتی ہے تو اس جگہ کی تو بڑی اہمیت ہوئی اور سنڈیکیٹ کو تو چاہئے تھا کہ یہ

مکمل طور پر نگاہ رکھتا، اس طرف سے بے پروائی برتی گئی ہے، پھر یہ پانچ افراد جو

سنڈیکیٹ کے خاص نمائندے اور نگران ہیں، بہت سی کمزوریوں کا شکار ہوئے ہیں

میرے خیال میں ان کی یہ کمزوریاں ہی ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔“

”بالکل سر! ہم یہی کہنا چاہتے تھے کہ۔“

”نہیں یہ مت کہنا کہ ان لوگوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے، ختم کر دیا جائے یا معزول کر دیا جائے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کام یہیں ہونا ہے، تمہاری پہلی تجویز کو میں خلوص دل سے قبول کرتا ہوں کہ ان کی نگرانی اور مدد کے لئے یہاں سنڈیکیٹ کا ایک ڈیپارٹمنٹ موجود ہو، لیکن بدوقت انہی کے شانوں پر رہنی چاہئے تاکہ سنڈیکیٹ کے کام ان سے چلتے رہیں۔“

”لیں سر! یہ بات ہم نے نہیں سوچی تھی۔“

”وہ لوگ اس پائے کے نہیں ہیں کہ ان پر مکمل انحصار کیا جائے۔“

”جی سر!“

”اس کے لئے جو تجویز تم نے پیش کی ہے میں اس سے اتفاق کرتا ہوں اور اپنے ذاتی

اختیارات سے کام لے کر تمہیں ان کا گراں مقرر کرتا ہوں۔“ وہ تینوں ایک لمحے کے لئے

ساکت رہ گئے تھے، لیکن پھر گولڈن کراؤن کی بات پر گارون، راکی اور ہیل نے گردن خم

کرتے ہوئے کہا۔

”سر! ہمارے لئے جو بھی حکم ہو ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔“

”ہوں..... تو دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں اصولی طور پر بجائے اس کے ہم ادھر

ادھر گھوم کر اپنا وقت خراب کریں سب سے پہلا گیم ہمارا یہی ہونا چاہئے کہ وہ لوگ جو کسی

کام کے سلسلے میں بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہوں، پہنچ چکے ہوں یا پہنچنے والے ہوں پہلے

ہمارے راستے سے ہٹ جائیں اس طرح ہم کم از کم اس پہلی کھیپ سے بچ سکتے ہیں جو آگے

بڑھ چکی ہے..... ہاں اگر وہ پہلی کھیپ اپنے کام دوسروں کو سونپ گئی ہے تو پھر ہمیں دوسروں

کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، لیکن وہ سب دو نمبر پر آتے ہیں، جن لوگوں نے کسی کام کی ابتدا

کی ہوئی ہے وہ زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور اصل خوف انہی سے کھایا جانا چاہئے کہ کہیں وہ آگے

بھی خطرناک ثابت نہ ہوں۔“

”جی سر!“

”صرف جی سر کہنے سے کام نہیں چلے گا..... میرے دوست ہمیں اس سلسلے میں عملی

طور پر قدم اٹھانا پڑے گا۔“

”سر! ہم آپ کی ہدایات کے منتظر ہیں۔“ راکی نے کہا اور رونا لڈ ڈکسن گردن جھکا کر

موقف میں ڈوب گیا..... تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر سر دلچھے میں بولا۔

”سنو اس سلسلے میں پہلا حکم یہ ہے کہ تمہیں فیلڈ آؤٹ ہونا ہے۔“

”فیلڈ آؤٹ۔“

”ہاں۔“

”سر! میں سمجھا نہیں۔“ راکی نے کہا۔

”تم یہاں باقاعدہ اعتماد کے ساتھ آئے ہو نامہ سرکاری ریکارڈ میں تمہاری تمام تفصیلات موجود ہیں، کس شکل میں آئے ہو یہاں۔“

”سر! ایک آئل کمپنی کے انجینئر کی حیثیت سے۔“

”آئل کمپنی سے تمہارا رابطہ قائم ہوا۔“

”ابھی تک نہیں۔“

”ویری گڈ تو پھر سنو تمہیں منظر عام سے آؤٹ ہونا ہے۔“

”وہ کیسے سر۔“

”اس کی تم فکر مت کرو پروگرام میں بنالوں گا، اب مجھے دیکھو میں ایک مشنری تحت آیا ہوں اور مجھے ایک تبلیغی عمل کرنا ہے، اس سلسلے میں، میں سب سے پہلے ان لوگوں سے ملوں گا جنہوں نے مجھے دعوت دی ہے اور اس کے بعد میں اپنا عمل کروں گا۔“

”ہوں سر!“

”تو پھر کل کا دن تم ان لوگوں سے ملاقات کرو جن کے ایماء پر تم یہاں آئے ہو۔“

”پر سوں میں تمہارے لئے پروگرام ترتیب دے دوں گا۔“

”بہت بہتر سر!“

”اور کوئی ایسی بات جس کا تذکرہ تم مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔“

”سر کوئی ایسی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہم آپ کی مزید ہدایات کے منتظر ہیں۔“

”کوئی مزید ہدایات نہیں عقل و دانش سے کام لینا دنیا کی سب سے بڑی بات ہوتی ہے جہاں بے عقلی کے مظاہرے ہوں وہاں نقصانات کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔“

میری ہدایت ہے تمہیں گویا بات یہ طے ہوئی کہ ان لوگوں کو ان کی جگہ برقرار رہنے جائے۔ ابھی ہم ان سے کوئی ایسی بات بھی نہیں کہیں گے جو انہیں پریشان یا ہراساں کرے اور تم نہ بات جاننے ہو کہ تم تینوں کے علاوہ کسی جو تھے کی آمد کا انہیں علم نہیں۔“

”وہ تو یہاں کی صورت حال کی رپورٹ کے لئے میری ڈیوٹی یہاں لگائی گئی اور چاہئے۔“

سنڈیکٹ کے افراد نے مجھے یہاں بھیج دیا ورنہ شاید میں یہاں نہ آتا لیکن اب یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو تم لوگوں کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا، میں سب سے پہلے یہ عمل کرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں منظر عام سے غائب کر دوں اور اس کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کون لوگ ہیں یا کون افراد ہیں یا کون فرد ہے جس نے بازی میں یہ خطرناک کارنامہ سرانجام دیا ہے، سب سے پہلے ہمارا ٹارگٹ وہی ہونا چاہئے۔۔۔۔۔ بعد میں ان لوگوں کو دیکھا جائے گا۔“

”یس سر! مجھے اس کا اندازہ ہے۔“ راکی نے مدہم لہجے میں کہا۔

”نہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے پاس تو لاتعداد ذرائع ہیں اور ہمیں اس کے بعد یہ دیکھنا ہو گا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”سر! ایک سوال اگر کر لوں تو آپ برا نہیں مانیں گے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ کر سکتے ہو سوال۔“

”سر! آپ ہمیں منظر عام سے کس طرح غائب کریں گے۔۔۔۔۔ ہم تو باقاعدہ پاسپورٹ اور اجازت پر یہاں پہنچے ہیں۔۔۔۔۔ ہمارا ریکارڈ یہاں موجود ہے، ہانگ کانگ سے ہماری آمد اور پھر کمپنی کے پاس ہماری انٹری ساری ہی چیزیں موجود ہیں۔۔۔۔۔ ایسی صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”ابھی اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں بعد میں تمہیں آگے کے حالات سے آگاہ کروں گا۔“

”یس سر!“ ان تینوں نے جواب دیا۔



ڈاکٹر حیات کچھ اس طرح بدحواسی کے عالم میں اس عمارت سے نکلا تھا کہ اس کے جائے وقوع کے بارے میں بھی اس نے غور نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔ بس دل میں ایک ہی خیال تھا اس کے۔۔۔۔۔ وہ یہ کہ ضرور اس کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے گی۔۔۔۔۔ کافی زور نکل آنے کے بعد اس نے اچانک ہی کار کو روکا۔۔۔۔۔ دل میں خیال آیا تھا کہ کہیں کار میں کوئی بم وغیرہ نہ فٹ کر دیا گیا ہو، جو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹے اور اس کے پر نچے اڑ جائیں۔۔۔۔۔ انجن بند کر کے اس نے اپنے حساس کانوں کو ہر آواز پر منتقل کر دیا۔۔۔۔۔ ٹائم بم کی گھڑی کے چلنے کی کوئی ٹک

دیر کے بعد ڈاکٹر حیات کی کار اپنے کلینک میں داخل ہو گئی۔ اس نے نیچے اترنے سے پہلے خود کو پرسکون کیا اور پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کچھ لوگ اس سے رابطہ چاہتے، لیکن اس نے اپنے ماتحتوں سے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

”میں خاصا تھکا ہوا ہوں۔ براہ کرم یہاں کے معاملات آپ لوگ بھی ذرا دیکھ لیجئے۔“ میرا خیال ہے میں اس وقت ذہنی طور پر بہتر نہیں ہوں، چنانچہ کسی کو اینڈ نہیں کر سکوں گا۔“ پھر وہ اپنے اس مخصوص کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے اپنے لئے آرام کا بندوبست بھی کر رکھا تھا اور کمرے میں دوسری ایسی بہت سی چیزیں بھی تھیں، جہاں وہ اپنا کام کر سکتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے خاص آدمی کو بلا دیا اور بولا۔

”نیروز کوئی آیا تو نہیں تھا یہاں؟“

”نہیں سر! کوئی بھی نہیں۔“

”میری کوئی مخصوص کال بھی نہیں آئی تھی۔“

”بالکل نہیں سر!“

”ہو نہہ۔۔۔ دیکھو کسی سے ملاقات نہیں کروں گا۔۔۔ محتاط رہنا کوئی بھی مجھ تک نہ پہنچے پائے۔“

”جی سر!“ اور اس کے بعد ڈاکٹر حیات نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک الماری کی جانب بڑھ گیا تھا۔ الماری کھولی اور اس کے نیچے ایک خفیہ خانہ تلاش کر کے اس میں سے ایک ٹرانسمیٹر نکال لیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر آن کیا اور مخصوص کوڈورڈ ہرانے لگا۔۔۔۔۔ دوسری جانب سے پیغام وصول کر لیا گیا تھا۔

”ہاں۔۔۔ کون؟“

”ڈی ایس۔“

”خیریت کیا بات ہے۔“

”دیکھو میں تم سے ایک انتہائی اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے اس وقت راجل کہ تم مجھے کسی مناسب جگہ مل جاؤ۔“

”کوئی خاص بات ہے؟“

ملک نہیں سنائی دی تھی۔۔۔۔۔ پھر اس کا خیال ہوا کہ یہ بھی ممکن ہے ریموٹ کنٹرول سے، گیا ہو، لیکن فاصلہ اتنا ہو گیا تھا کہ وہ چاہتے تو اسے اب تک اڑا سکتے تھے۔۔۔۔۔ اس نے سانس لے کر اپنے خوف کے بارے میں سوچا اور خود کو سمجھانے لگا۔

کیا زیادہ خوف زدہ نہیں ہو گیا میں۔۔۔۔۔ ان کا تعلق لازمی بات ہے کہ پولیس سے جس طرح وہ اسے لے گئے تھے اس کے بعد اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ وہ اسے دیں گے۔۔۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ اس شخص نے چیکنج قبول کر لیا اور اس بارے میں سوچا۔۔۔۔۔ پھر اب، اب کیا کروں۔۔۔۔۔ کار ایک بار پھر اس نے آگے بڑھادی۔۔۔۔۔ کبھی طبع انسان نہیں تھا۔۔۔۔۔ بڑے بڑے مشکل حالات سے نمٹ چکا تھا اور سنڈیکیٹ میں شامل ہونے کے بعد اس نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے تھے، لیکن اس وقت نجانے کیوں ہو رہا تھا، حالانکہ شہاب کے سامنے اس نے جس دلیری کا ثبوت دیا تھا وہ ایک الگ ہی کڑ کی حامی تھی، لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد نجانے کیوں ایک عجیب سے احساس نے اس کی کیفیت کا شکار کر دیا تھا۔۔۔۔۔ کار ایک بار پھر اس نے آگے بڑھادی۔۔۔۔۔ اس بار اسے یہ نہیں ہو پارہا تھا کہ اسے کہاں جانا چاہئے۔۔۔۔۔ اچانک ہی پھر ایک خیال آیا اور اس نے غصہ آئینے میں دیکھا۔۔۔۔۔ ممکن ہے اس کا تعاقب کیا جا رہا ہو اور اب تک تو اس کا اندازہ نہیں تھا۔۔۔۔۔ پھر اس کے بعد تقریباً پینتالیس منٹ تک وہ اپنی کار مختلف سڑکوں پر گھومتا رہا لیکن ایک بار بھی اسے یہ احساس نہ ہو سکا کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔۔۔۔۔ اس کا پورا بدن پینہ ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ پھر اس نے اپنے آپ پر ہی لعنت بھیجی۔۔۔۔۔ بلاوجہ کس طرح کی الجھن شکار ہو گیا ہے، حالانکہ یہ اس کی اپنی الجھن نہیں ہے۔۔۔۔۔ شہاب اسے کلینک سے لے کر چنانچہ اب یہ بات تو سوچنی نہیں چاہئے کہ اسے کلینک کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔۔۔۔۔ وہ چند لمحے سوچنے کے بعد اپنے کلینک کی جانب مڑ گیا۔۔۔۔۔ کلینک میں اس نے زبردست انتظامات کر رکھے تھے۔۔۔۔۔ عموماً ان کی ملاقاتیں وہیں کلینک میں ہی ہوا کرتی تھیں اور اس کے لئے بڑا دلچسپ طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا۔۔۔۔۔ وہ لوگ باقاعدہ اس کے تھے، جن کا تعلق سنڈیکیٹ سے تھا۔۔۔۔۔ وہ بیمار ہو کر کلینک میں داخل ہو جایا کرتے تھے۔۔۔۔۔ کے بعد مخصوص کمروں میں ان کی ملاقات ہوا کرتی تھی۔۔۔۔۔ باقی بہت سے انتظامات کلینک میں کئے گئے تھے اور کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ یہاں کیا کیا کچھ ہو رہا ہے۔

”ہاں..... بہت خاص..... سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کوئی ایسی جگہ جہاں میں اور تم خفیہ ملاقات کر سکیں..... میرا مطلب ہے کہ بالکل پرائیویسی کے انداز ہمارے درمیان کوئی مداخلت نہ ہو۔“

”میرے پاس ایک فلیٹ ہے..... تم پتا نوٹ کر لو اگر کوئی بہت ہی اہم مسئلہ ہو وہاں آ جاؤ۔“

”پتا بتاؤ۔“

”رچی روڈ ہاؤس سکوائر فلیٹ نمبر 8۔ اس فلیٹ میں ایک بوڑھی عورت اپنی بیٹی ساتھ رہتی ہے..... میں اسے فون کئے دیتا ہوں..... وہ تمہارا انتظار کرے گی۔“

”کون ہے؟“

”بس میری ملازمہ ہے، لیکن نہایت اطمینان بخش۔“

”اوکے..... کتنی دیر میں وہاں پہنچ سکو گے۔“

”میں منٹ کے اندر اندر۔“

”ٹھیک ہے میں ابھی آ رہا ہوں۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ ٹرانسمیٹر واپس اسی الماری میں رکھنے جا رہا تھا کہ اچانک کسی خیال سے رُک گیا..... ایک تھک سے دیکھتا رہا اور وہیں سینئر ٹیبل پر رکھ کر سوچ میں ڈوب گیا..... کچھ لمحے غور کر رہا..... پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا..... اس کے بعد ٹرانسمیٹر اٹھا کر اپنے لباس میں پوشیدہ کیا..... دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اس کے بعد وہ بیرونی سٹ جانے بجائے ہسپتال کے عقبی حصے کی جانب چل پڑا..... پچھلے حصے میں اترنے کے بعد اس نے ادھر دیکھا..... قرب وجوار میں کوئی موجود نہیں تھا..... چنانچہ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا..... کی دیوار تک پہنچا اور پھر دیوار کو دوڑ کر دیوار سے نیچے اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا..... کافی دُور جانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی تھی..... ادھر رہا نشی مکانات ہوئے تھے..... وہ ان مکانات کے درمیان جا رہا اور کچھ لمحوں کے بعد ایک سڑک پر گیا..... یہاں سے اس نے ایک ٹیکسی کی اور اس کا پیچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا..... ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

”رچی روڈ۔“ اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں..... ٹیکسی سفر کرتی رہی

تین کچھ ہی دُور چل کر اچانک وہ پھر چونکا..... اس نے پلٹ کر عقب میں دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا..... پھر یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا..... ایک بار پھر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں..... رچی روڈ پہنچنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو چوراہے پر روکوا..... اتر کر بل ادا کیا اور پھر تھوڑے فاصلے پر موجود ایک شخص سے ہاؤس سکوائر کا پتا پوچھنے لگا..... عمارت سامنے ہی موجود تھی، چنانچہ اس کی جانب چل پڑا..... پھر مطلوبہ فلیٹ پر پہنچا تو ٹیل بجانے پر راحیل نے ہی دروازہ کھولا تھا۔

”اوہو..... تم پہنچ گئے۔“

”تمہارا لہجہ ہی ایسا تھا ڈاکٹر حیات کہ اس کے بعد مجھ سے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور میں فوراً ہی یہاں آ گیا۔“

”چلو اچھا ہوا۔“

”ویسے تمہاری کیفیت بتاتی ہے کہ کوئی خاص ہی بات ہے۔“

”خاص نہیں بہت خاص..... میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں فوراً ہی ایک میٹنگ کر لینی چاہئے۔“

”مگر میٹنگ کرنی تھی تو تم بقیہ افراد کو وہیں سے اطلاع دے دیتے۔“

”بات ایسی نہیں ہے..... یہ میٹنگ اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے اور پھر کلینک اب خدوش ہو چکا ہے۔“

”کیا؟“ راحیل رضا کس قدر سنسنی خیز لہجے میں بولا۔

”بہت زیادہ مشکوک۔“

”اوہائی گاڈ! کیا مطلب ہے..... یعنی یعنی۔“

”دیکھو اصل میں اس وقت صورت حال ایسی نہیں ہے کہ ہم انفرادی طور پر اس موضوع پر گفتگو کر سکیں..... میرا خیال ہے ہمیں باقی تمام افراد کے ساتھ مل کر یہ طے کر لینا چاہئے کہ یہ میٹنگ کہاں ہو۔“ راحیل رضا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”چونکہ تم نے مجھ سے رابطہ کیا تھا..... سب سے پہلے اور کسی جگہ کی فرمائش کی تھی..... اس لئے میں نے سوچا کہ شاید تم مجھے کچھ زیادہ اہمیت دے رہے ہو، لیکن بہر حال اگر تم یہ مناسب سمجھتے ہو تو باقی لوگوں سے رابطے قائم کرنے کے بعد ساری بات کو منظر عام پر

”او کے۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔ راجیل رضاب
میں سنسنی خیز تھا ہوں سے ڈاکٹر حیات کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔
”یار۔۔۔ ذاتی طور پر مجھے کچھ بتا دو۔۔۔ کوئی ایسی بات جس سے کم از کم آٹھ بجے تک کا
سنسنی خیز وقت ٹل جائے، ورنہ میرے اعضاء کشیدہ ہو رہے ہیں۔“
”کچھ پلاؤ۔۔۔ میں ذہنی کشمکش کا شکار ہوں۔“

”ابھی لو۔“ راجیل رضاب نے کہا اور اس کے بعد اس نے فلیٹ کی الماری سے بوتلیں اور
لاس نکال کر سامنے رکھ دیئے اور بوڑھی ملازمہ کو بلا کر اشارے سے کہا کہ بقیہ انتظامات وہ
لاس دہسکی کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے ڈاکٹر حیات نے کہا۔

”اس کا نام شہاب ثاقب ہے۔۔۔ محکمہ پولیس کے کون سے ڈیپارٹمنٹ میں ہے اس کا
مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے، لیکن جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، دانی شاہ کے سلسلے
میں اس کا نام ہمارے علم میں آیا ہے۔۔۔ باقی ساری چیزیں بعد کی ہیں۔۔۔ دھوکے سے وہ مجھے
بچے ساتھ لے گیا تھا اور اس کے بعد ڈاکٹر حیات نے بغیر کسی کمی بیشی کے شہاب کے اور
بچے درمیان ہونے والی تمام بات چیت راجیل کو سنا دی اور راجیل رضا کا چہرہ دھواں دھواں
ہو گیا۔۔۔ وہ خوف زدہ لہجے میں بولا۔

”اور وہ جگہ کون سی تھی، جہاں وہ تمہیں لے گیا تھا۔“

”بس میں تمہیں کیا بتاؤں۔۔۔ شاید زندگی میں پہلی بار میں اس قدر نروس ہوا ہوں کہ
بت کی باتوں سے ناواقف رہا۔“

”کچھ یوں محسوس ہو رہا ہے ڈاکٹر حیات ہم لوگوں کے گرد حلقہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔۔۔
نہیں ایسا نہ ہو کہ سب کچھ کیا دھرامٹی میں مل جائے۔“ ڈاکٹر حیات نے کوئی جواب نہیں دیا
تھا۔۔۔ بھرات کو آٹھ بجے وہ سب ایک ایک کر کے خفیہ طریقے سے مرزا اعظم بیگ کی
کوٹھی میں داخل ہو گئے۔۔۔ اس کے لئے انتہائی پراسرار طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا اور مرزا
اعظم بیگ نے اپنی کوٹھی میں خصوصی انتظامات کر دیئے تھے، چنانچہ وہ سب خفیہ راستے سے
جرمے میں داخل ہو گئے اور جب سب وہاں موجود ہوئے تو دروازہ بند کر دیا گیا۔۔۔ مرزا
اعظم بیگ نے کہا۔

”اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک خاص رہائشی عمارت ہے۔۔۔ میرا تمام خاندان یہاں

لاؤ تو پھر جیسا مناسب سمجھو لیکن۔۔۔ یہاں میرے پاس ٹرانسمیٹر موجود نہیں ہے اور
فون کا استعمال ہم ان حالات میں کر نہیں سکتے۔“

”میں اپنا ٹرانسمیٹر لے آیا ہوں۔“ ڈاکٹر حیات نے جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر
رکھتے ہوئے کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے۔“

”پہلی بات تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم اپنی اس خفیہ میٹنگ کے لئے کوئی
جگہ منتخب کر سکتے ہو۔“

”دیکھو ویسے تو یہ فلیٹ بھی برا نہیں ہے۔۔۔ تم نے اس بوڑھی عورت کو دیکھا ہوگا۔
بہری ہے۔۔۔ اس کی بیٹی اپنی ڈیوٹی پر گئی ہوئی ہے۔ ہم یہاں بھی سب کو بلا سکتے ہیں، لیکن
بالکل مناسب نہیں ہوگا۔۔۔ اول تو جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں۔۔۔ ان میں ایک ایسے
لمحے کی احتیاط ہماری زندگی کی ضمانت دیتی ہے اور پھر اس سے پہلے بھی ہم نے کبھی ایسی
بے پروائی کا مظاہرہ نہیں کیا۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں بقیہ لوگوں سے رائے لے لیتا ہوں۔“

”اس سلسلے میں اگر کوئی بہت ہی مناسب جگہ ہو سکتی ہے تو میرے خیال میں اعظم بیگ
کا وہ حجرہ سب سے بہتر ہے، جسے اس نے خانہ درویش بنا رکھا ہے۔“

”میں تم سے اتفاق کرتا ہوں مائی ڈیئر۔“ پھر ٹرانسمیٹر پر سب سے پہلے جابر زمان
رابطہ قائم کیا گیا۔۔۔ اسے صورت حال بتائی گئی تو جابر زمان نے میٹنگ کے لئے اعظم بیگ
حجرہ مناسب قرار دیا تھا۔۔۔ شیخ سلطان سے گفتگو کرنے کے بعد مرزا اعظم بیگ سے
قائم کیا گیا اور مرزا اعظم بیگ سے بات بھی ہو گئی۔

”میٹنگ کے لئے ہمیں متفقہ طور پر آپ کے حجرے کی ضرورت ہے اور اس کے
مرزا اعظم بیگ رات کو آٹھ بجے کا وقت طے کیا گیا ہے۔“

”لیکن ڈاکٹر حیات۔۔۔ کلینک میں۔“

”اس وقت اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔۔۔ آپ یہ بتائیے کہ آج آٹھ بجے
آپ یہ میٹنگ ارجح کر سکتے ہیں؟“

”آپ لوگ بہتر سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

زبردست انسان تھا اور اس نے ہماری تمام مشکلات سنبھال رکھی تھیں، لیکن بہر حال کوئی ایک آدمی تو حرف آخر نہیں ہوتا۔“

”اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں اس کا نعم البدل آج تک نہیں مل سکا۔“

”پھر بھی نعم البدل تلاش کرنا ایک الگ بات ہے اور خوف کا شکار ہو جانا بالکل الگ..... میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم شہاب ثاقب کو اتنا خطرناک سمجھتے ہیں تو اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کیوں نہیں کر سکتے؟“

”اصل میں باڑی کے واقعات نے ذہن کو کچھ اس طرح منتشر کر دیا ہے کہ ابھی تک ہم اس خطرے ہی سے منہ کی تیاریاں کرتے رہے ہیں..... یعنی پہلے دانی شاہ کی موت اور اس کے بعد رمضان خان ٹھیکیدار کا مسئلہ..... کچھ اور سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور اس دوران یہ لوگ بھی آگئے..... میری مراد سنڈیکیٹ کے نمائندوں سے ہے..... ابھی تک تو ان لوگوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور ہمیں کوئی ہدایت بھی نہیں دی، لیکن سنڈیکیٹ کی طرف سے کوئی نہ کوئی ہم چھٹنے والا ہے..... مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔“

”زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا..... وہ لوگ ہمیں معزول کر دیں گے..... میں خود بھی ان بارگاہ آرائیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔“ شیخ سلطان نے جھنجھٹائی ہوئی آواز میں کہا۔

”نہیں شیخ سلطان وہ ہمیں معزول نہیں کریں گے بلکہ یوں سمجھو کہ اپنے راز کو بچانے کے لئے راستے سے ہٹا دیں گے..... ہم کسی معمولی جال میں نہیں پھنسے ہوئے ہیں۔“ اعظم بیگ نے کہا۔

”تو پھر کچھ سوچو کچھ کرو۔“

”خون ریزی ہی کرنا ہوگی صرف خون ریزی..... سب سے پہلے اس شخص کو راستے سے ہٹاؤ، جس کا نام شہاب ثاقب ہے..... اس کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرے۔“

”سلطان شیخ نے چند لمحات کے بعد کہا۔“

”گارون اور پیل کے مسئلے میں کیا ہو رہا ہے۔“

”ان لوگوں نے پراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔“

ہوتا ہے اور کسی بھی طرح یہ جگہ ان سارے معاملات کے لئے موزوں نہیں ہے، لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا..... چنانچہ میں انکار نہیں کر سکا..... پہلی بات تو یہ کہ ڈاکٹر کے کلینک میں بننے والے یہ پروگرام تبدیلی کیسے اختیار کر گئے۔“

”مرزا اعظم بیگ تمہاری اس رہائش گاہ کا فیصلہ بھی متفقہ طور پر ہی کیا گیا ہے۔“

تک میں اپنے کلینک میں یہ خطرہ مول لیتا رہا اور شاید اسی کی وجہ سے یہ صورت حال پیش ہے..... میں اپنے آپ کو شدید خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔“ اس کے بعد حیات نے ان لوگوں کو بھی ساری تفصیل بتادی اور وہ سب دنگ رہ گئے..... جابر زمان نے سلسلے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

”تم لوگ شاید صورت حال سے واقف نہیں ہو، جس جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے انجینئر جنرل کی رہائشی کوٹھی ہے..... شہاب ثاقب کے بارے میں اس دوران جو معلومات ہمیں حاصل ہوئی ہیں وہ بے حد سنسنی خیز ہیں..... یہ وہی شخص ہے جسے ان دنوں ڈیپارٹمنٹ کی ناک کا بال سمجھا جا رہا ہے اور اس نے بہت سے خطرناک کیس سرانجام دیے ہیں..... دانی شاہ کی گرفتاری کے سلسلے میں بھی اسی کا نام لیا جا رہا ہے اور اس سلسلے تحقیقات چل رہی ہیں۔“

”مگر یہ ہے کون؟“

”بس زیادہ تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں، لیکن عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے اس کی ترقی اور تنزلی ہوتی رہتی ہے..... سر جھکانے والوں میں سے نہیں ہے اور سناہ کا فی خطرناک ہے۔“

”مگر مجھے یہ بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے..... میں یہ سب کچھ کہہ کر نکل تو آیا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ مجھے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکے گا اور اگر تم لوگ تھوڑا میرے تجربے کو بھی تسلیم کرتے ہو تو یوں سمجھ لو کہ جو کیفیت میں نے اس کے چہرے پائی ہے وہ عام لوگوں کے چہرے پر نہیں ہوتی اور ایسی شکل کے لوگ دیوانگی کی حد تک مند ہوتے ہیں..... کچھ کرنے پر آتے ہیں تو زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں۔“

”پہلی بات تو میں یہ محسوس کر رہا ہوں آج کل کہ سالار کی موت کے بعد ہم کافی بزدل ہو گئے ہیں اور ہمارا انداز فکر کافی تبدیل ہو گیا ہے..... میں جانتا ہوں کہ سالار

”وہ اسی عمارت میں ہیں؟“

”ہاں بالکل۔“

”کوئی رابطہ نہیں کیا گیا؟“

”تو پھر ان سے بھی اس سلسلے میں مشورہ لے لیا جائے۔“

”یعنی یہ تفصیل انہیں بتا کر۔“ ڈاکٹر حیات نے چونک کر پوچھا۔

”کیوں..... تمہاری اپنی کیا رائے ہے؟“

”کوئی ایسا احقانہ قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں، ہماری آپس کی بات اور ہے۔“

کانگ سے آنے والے ہمارے لئے اپنے دلوں میں اتنی نرمی نہیں رکھتے ہوں گے کہ اگر کوئی

خطرہ محسوس کریں تو ہمیں زندگی بخشے پر تل جائیں..... زندگی کھونے کی کوشش کبھی نہ

اور اگر آپ لوگوں میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بات صرف میری ذات تک موجود ہے

تو یہ غلط فہمی بھی اپنے دل سے نکال لے..... یہ درندے ہم سب کو ہلاک کر دیں گے۔“

”ہاں..... اس میں کوئی شک نہیں ہے..... ایسا کوئی احقانہ قدم نہ اٹھایا جائے۔“

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے؟“

”میرا اپنا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلے شہاب ثاقب اور انسپٹر جنرل کو راستے سے

ہوگا، کیونکہ اس وقت یہ دونوں ہستیاں ہمیں بہت زیادہ پر یکینکل نظر آرہی ہیں..... اس

شہاب اور انسپٹر جنرل نادر حیات کا قصہ ختم کرنے کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمیں

کیا کرنا ہے۔“

”کیا یہ سب کچھ آسان ہوگا۔“ اعظم بیگ نے پوچھا۔

”مسٹر اعظم بیگ کیا ہم آسان کام کرنے کے لئے اس فیلڈ میں ہیں؟“

”مگر سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا وہ لوگ محتاط نہیں ہوں گے اور پھر ڈاکٹر حیات

یہ چیئنگ کرنے کے بعد کیا شہاب جیسا خطرناک آدمی اپنے آپ کو اس طرح بے پروائی

کر دے گا۔“ بات سوچنے کی تھی..... وہ سب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

”اور پھر انسپٹر جنرل پر حملہ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اس کے لئے ہمیں نجانے

کرنا ہوگا۔“

”دیکھو دوستو! میں تمہیں اس سب سے بڑے خطرے سے آگاہ کروں گا جو اس

ہمارے سامنے بنیادی حیثیت رکھتا ہے..... باڑی میں اس قسم کا ہنگامہ ہونے سے سنڈکیٹ کو

جس قدر نقصان پہنچا ہے اسے آسانی سے تسلیم نہیں کر لیا جائے گا..... بظاہر تو یہ اندازہ پوری

طرح ہو چکا ہے کہ ایک طویل عرصے تک باڑی سے سپلائی بحال نہیں ہو سکتی اور ایسی شکل

میں سنڈکیٹ کو جو نقصانات اٹھانے پڑیں گے ان کے لئے وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے

گا..... چلو ہمارا مسئلہ تو بالکل مختلف ہے..... ہم خدا کے فضل سے اپنے طور پر اچھی زندگی

گزار رہے ہیں اور اگر ہماری آمدنی کچھ عرصے کے لئے ختم ہو جاتی ہے تو ہم پر کوئی قیامت

نہیں ٹوٹ پڑے گی، لیکن سنڈکیٹ کو اربوں ڈالر کا نقصان ہو جائے گا اور اس نقصان پر ہمیں

معاف نہیں کیا جائے گا..... اس وقت وہ تین نمائندے آئے ہوئے ہیں ان کے بارے میں

تم لوگوں کو ایسی بات کا علم ہے کہ سلور کراؤن ہیں اور سلور کراؤن کو ہر طرح کے اختیارات

حاصل ہوتے ہیں..... وہ لوگ اگر ہم سے باز پرس کرنے کے بندہ کوئی منصوبہ ہمیں دے کر

یہاں سے واپسی کا سفر اختیار کر لیتے تب ہم یہ سوچتے کہ چلو ٹھیک ہے..... سنڈکیٹ اس

سلسلے میں بھی کوئی حل تلاش کرے گی، لیکن نمائندوں کا یہاں خاموش قیام اس بات کی

غمازی کرتا ہے کہ وہ یہاں کوئی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اور اگر تم لوگ ذرا عقل اور ذہانت

سے کام لو تو یہ منصوبہ بندی نئے نمائندوں کا انتخاب بھی ہو سکتی ہے..... اگر انہوں نے نئے

نمائندوں کا انتخاب کیا تو یہ بات بھی تاریخ میں درج ہے اور تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ

بہر سنڈکیٹ ایسے لوگوں کو قائم نہیں رہنے دیتی جو اس کے ارادوں سے واقف ہوتے ہیں اور

بروز نشان مٹا دیتی ہے جس سے اس کے بارے میں کسی کو معلومات حاصل ہونے کا خدشہ

ہو۔“ ان الفاظ پر سب کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے تھے..... وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں

سے جاہر زمان کو دیکھ رہے تھے..... جاہر زمان نے کہا۔

”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی بھی طرح تم لوگوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہا

ہوں تو یہ میری نہیں تمہاری حماقت کی سوچ ہوگی..... میں تو ان حقیقتوں کا اظہار کر رہا ہوں

جو ہمارے سامنے منہ کھولے کھڑی ہوئی ہیں..... آخر سنڈکیٹ کے نمائندے یہاں کیا

کر رہے ہیں..... تم میں سے کوئی یہ بات بتا سکتا ہے؟“ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو جاہر

زمان نے پھر کہا۔

”اور اپنی زندگی بچانا فرض ہے اور ہمارے خاندان بھی ہماری حماقتوں کا شکار ہو سکتے

صورت حال کے لئے تیار کر لیا ہے اور اب کم از کم آئندہ کے لئے نقصانات نہیں ہوں گے۔ یہ ساری چیزیں سنڈیکیٹ کے نمائندوں کو پیش کرنے کے بعد ہم کم از کم ان سے کچھ دقت کے لئے ضرور چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔“ وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

”ہم اپنی کارروائیوں کے طور پر یہ بات شوکر سکتے ہیں۔“

”تو پھر اس سلسلے میں ڈاکٹر حیات ہی کو سامنے رکھنا ہوگا، چونکہ آج تک ڈاکٹر حیات اس قسم کے کاموں میں پیش پیش رہے ہیں اور جو بھی ذمے داری انہیں سونپی گئی ہے انہوں نے پوری کر دکھائی ہے۔“ اعظم بیک نے کہا۔

”ہرگز نہیں اور بالکل نہیں۔۔۔۔۔۔ بڑی معصومیت کی بات کر رہے ہیں آپ مرزا صاحب۔۔۔۔۔۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت شہاب نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور ایک چیئرمین کے ساتھ چھوڑا ہے۔۔۔۔۔۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی پوری نگاہ مجھ پر ہوگی۔۔۔۔۔۔ جس انداز میں میں یہاں تک پہنچا ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔۔۔۔۔۔ مجھے منظر عام پر رہنے دیا جائے اور میں اپنے ہر عمل سے یہی ظاہر کروں گا کہ میں پر امن زندگی گزار رہا ہوں۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ آپ لوگ اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھائیے۔۔۔۔۔۔ اول تو ہم لوگ اپنے رابطے ہی منقطع کر رہے ہیں فی الحال۔۔۔۔۔۔ لیکن اس کے باوجود جس قدر جلد ممکن ہو یہ کام ختم کر دیا جائے۔“

”تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذمے داری کسے سونپی جائے۔“

”میں کوشش کرتا ہوں۔“ شیخ سلطان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”صرف کوشش نہیں بلکہ عمل ہونا چاہئے۔“

”اس بات کا دعویٰ بالکل نہیں کیا جاسکتا لیکن بہر حال ہم سب جس انداز میں سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس کے تحت ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہی ہوگا۔“ اور اس کے بعد یہ میٹنگ ختم ہو گئی اور ایک دوسرے کو محتاط رہنے کی ہدایت کر کے وہ لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔



یہ اتفاق کی بات ہے کہ مرزا اعظم بیک کے تمام ہی بیٹے وطن دوست تھے۔۔۔۔۔۔ دیے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خاص ہی مزاج ہوتا ہے جرم کی جانب راغب ہونے کا، ورنہ محبت کس دل میں نہیں ہوتی اور پھر جب سے بڑی بات یہ تھی کہ مرزا اعظم بیک نے ان

ہیں۔“
”لیکن یہ بات تو بڑی خوفناک ہے۔۔۔۔۔۔ جابر زمان اگر تمہاری بات کو مان لیا جائے تو خود سوچو کہ کتنی خوفناک صورت حال ہے۔“

”تو پھر آخر کیا کیا جائے؟“

”بتاؤ ہمیں سوچنا ہے اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو وہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔“

”لیکن یہ صرف ایک مفروضہ بھی تو ہو سکتا ہے۔“

ڈاکٹر حیات نے کہا۔

”ہاں بے شک یہ بات آپ کہہ سکتے ہیں ڈاکٹر حیات۔“

”تو آخر ہم کیا کریں؟“

”دوسری صورت ایک اور بھی ہے۔“

”کیا؟“

”سنڈیکیٹ کے تین نمائندوں کو ہم ہلاک کر دیں۔۔۔۔۔۔ اس وقت ہم جانتے ہیں کہ یہ کہاں موجود ہیں۔“

”اوہ مائی گاڈ! کیسی باتیں کر رہے ہو تم راحیل رضا۔۔۔۔۔۔ اگر ہم انہیں ہلاک کر دیں گے تو کیا اس کی ذمہ داری بھی ہم پر عائد نہیں ہوگی؟ کیا ہمارے جرم کی شدت اور نہیں بڑھ جائے گی؟ اور کیا ہمیں بالکل ہی نا اہل قرار نہیں دے دیا جائے گا؟ کہ ہم اول تو پاڑی کا علاقہ کھو بیٹھے اور اس کے بعد سنڈیکیٹ کے نمائندوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکے۔۔۔۔۔۔ یار یہ تو بڑا بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔“

”تو دوستو پھر سوچ لو۔۔۔۔۔۔ خود سوچو لو کہ کیا کر سکتے ہو۔“

”فی الحال ایک ہی طریقہ کار سمجھ میں آتا ہے۔“ شیخ سلطان نے کہا۔

”کیا؟“

”یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے سب سے پہلے شہاب اور انسپکٹر جنرل کو ختم کرنے کے لئے ہمیں جان کی بازی لگانی ہوگی۔۔۔۔۔۔ سنڈیکیٹ کے نمائندوں کو ہم یہ کہہ کر مطمئن کر سکیں گے کہ یہ دو افراد ہمارے سلسلے میں زیادہ فعال تھے اور مسلسل ہمارے خلاف کاوشوں میں مصروف تھے، چنانچہ ہم نے سب سے پہلے ان سے چھٹکارا پا کر اپنے آپ کو آگے کی

لوگوں کو ہر سہولت اور آسائش مہیا کر دی تھیں۔ وہ بد بخت خود برائیوں کے راستوں پر چل نکلتا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ اس کی بد بختی تھی کہ ورنہ بیٹے اس قدر برے نہیں تھے، البتہ ناظم بیک اور اطہر بیک شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اپنے مسائل میں خود اُلجھے ہوئے تھے۔ طاہر بیک ان کی جو بات ہوئی تھی اس میں کم از کم طاہر کو یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ دونوں بیک بھائیوں میں سے کوئی کسی بھی طرح وطن دشمن نہیں ہے اور اس بات کو قطعی طور پر برداشت نہیں کریں گے کہ مرزا اعظم بیک وطن کے خلاف کوئی عمل کریں۔۔۔۔۔۔ ان کا بھی درست ہی تھا۔۔۔۔۔۔ طاہر ہے باپ کو سرزنش تو نہیں کر سکتے تھے۔۔۔۔۔۔ اسے سمجھائی نہ تھی، لیکن سمجھانے کا معاملہ بھی بہت ہی مختلف اور ٹیڑھا تھا۔۔۔۔۔۔ اگر وہ اس کو شش میں رہتے اور کسی وقت مرزا اعظم بیک کو کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے تو نتائج بے حد خوفناک برآمد ہو سکتے تھے۔۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیک اور لوگوں سے منحرف ہو سکتا تھا اور اس کے بعد ان کے اندر شدت بھی آسکتی تھی۔۔۔۔۔۔ طریقہ کار کوئی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جو بہت جامع ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی صدف اور طاہر نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دونوں بھائیوں کو ان معاملات میں ملوث نہ کیا جائے، بلکہ یہ تجویز صدف نے ہی پیش کی تھی اور کہا تھا۔

”بات اصل میں یہ ہے طاہر بھائی کہ ہم ان لوگوں کو اگر اس معاملے میں شامل کر دیں تو ان کے لئے بہت سی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔۔۔۔۔۔ ہمارا کیا ہے۔۔۔۔۔۔ ہم لوگ تو دیے ہوئے اپنے آپ کو اس جہاد کے لئے وقف کر چکے ہیں۔۔۔۔۔۔ میں اسے جہاد کا نام اس لئے دے رہا ہوں کہ اپنے ہی باپ کے خلاف کام کرنا دنیا کا سب سے مشکل عمل ہے اور معاف کیجئے طاہر بھائی خاص طور سے ایک بیٹی کے لئے۔۔۔۔۔۔ لیکن میں ایک مثال قائم کرنا چاہتی ہوں۔ یہ ہمارا وطن ہے۔۔۔۔۔۔ ہماری نسلوں کا امین، ہماری شناخت، ہمارا وقار، ہماری آبرو، اس وطن کے ایک چھوٹے سے شہر میں ایک جھوٹا سا گھر ہے ہمارا۔۔۔۔۔۔ اگر ہم وطن کی دستکوں کو انداز کر کے صرف اپنے گھر کی جانب متوجہ ہو جائیں تو آپ یہ بتائیے کیا یہ وطن کے ساتھ انصاف ہو گا۔ کیا ہم اپنا فرض پورا کر رہے ہیں یا کریں گے۔۔۔۔۔۔ نہیں طاہر بھائی۔۔۔۔۔۔ اگر دونوں افراد قربان ہو جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ کروڑوں اہل وطن ہیں جو ہمارے مشن سنبھالیں گے۔۔۔۔۔۔ جو برابر ہر قیمت پر برابر اور برائی کرنے والا ہر حالت میں ہیں۔

ہم اپنے خلاف ہر عمل برداشت کرنے کی سکت رکھتے ہیں، لیکن وطن کے خلاف جو عمل ہو رہا ہے اہل وطن کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ کم از کم ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ میری رائے ہے کہ ان لوگوں کو اس میں ملوث نہ کیا جائے بلکہ ہم جو گفتگو اب تک کر چکے ہیں اسے ان کے ذہن سے بھلانے اور مٹانے کی کوشش کی جائے۔۔۔۔۔۔ وہ بے چارے بھرپور طریقے سے ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔“ طاہر نے اس بات سے اتفاق کر لیا تھا اور پھر کچھ وقت کے لئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی، لیکن طاہر ہر مسئلے میں پیش پیش تھا۔ معاملہ اپنے ہی گھر کا تھا اور اس نے ایسے انتظامات کر لئے تھے کہ اب وہ بڑی آسانی سے اس حجرے میں داخل ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ وہاں سے نکل سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ وہاں ہونے والے معاملے سے متعلق رہ سکتا تھا اور اپنے طور پر وہ شدید جدوجہد کئے ہوئے تھا، چنانچہ اسے اس بات کا علم ہو گیا کہ کوئی خصوصی کارروائی یہاں ہو رہی ہے اور وہ اس خصوصی کارروائی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے لگا۔۔۔۔۔۔ پہلے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا، لیکن پھر جب رات کی تاریکی میں اس نے کچھ پراسرار لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا اور مرزا اعظم بیک کو ان کا استقبال کرتے ہوئے تو اس نے سب سے پہلے حجرے میں اپنے لئے جگہ منتخب کی اور ایک ایسی جگہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا جہاں وہ ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ بشرطیکہ کوئی خاص ہی عمل نہ ہو جائے اور جب مرزا اعظم بیک کی کوٹھی کے اس مخصوص حصے میں یہ پراسرار کارروائی ہو رہی تھی تو اس کا ایک ایک لفظ طاہر بیک کے کانوں تک پہنچ رہا تھا اور اس کا دل خون ہوا جا رہا تھا، اب بھلا اس بات کی کیا گنجائش رہی تھی کہ مرزا اعظم بیک یہ انکار کر سکیں کہ وطن دشمن کارروائیوں میں وہ پیش پیش ہیں اور فشیات کی ناجائز تجارت کے ایک گروہ کے سرگرم رکن ہیں۔۔۔۔۔۔ طاہر سب کچھ سن رہا تھا۔۔۔۔۔۔ بڑی خاموشی سے اس نے اپنے آپ کو اس جگہ پوشیدہ رکھا تھا لیکن اس کے دل میں ایک شدید ڈکھ تھا اور اس وقت وہ دیوانگی کی ان حدود کو چھو رہا تھا جو انتہائیت پہنچ جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح باہر نکلے اور ان تمام افراد کو گولی مار کر ہلاک کر دے۔ آہ کاش اس کا کوئی ذریعہ میرے پاس ہوتا۔۔۔۔۔۔ کاش میں اس کے لئے پہلے سے انتظام کر لیتا۔۔۔۔۔۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ تمام تر کارروائی اس کے سامنے ہوئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس میننگ کا اختتام ہو گیا۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل گئے تھے۔۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیک کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ واپس

آئے گا اور اس وقت وہ اپنی زندگی کے سب سے اہم فیصلے کر رہا تھا۔ حالانکہ ہر صدف سے مشورہ لیتا تھا، لیکن اس وقت اس کی جذباتی کیفیت اس قدر خراب ہوئی کہ وہ صدف سے مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا اور پھر بھی صدف کو اس نے یہاں نہیں دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ صدف بھی آس پاس ہی موجود تھی اور ہر لمحے ہر بات نگرانی کر رہی تھی۔ دونوں بہن بھائی بے چارے بڑی معصوم جدوجہد میں مصروف تھے۔ پھر وہ سب جب چلے گئے تو مرزا اعظم بیگ گہری سانس لے کر اپنے حجرہ پلٹ آیا اور خاموشی سے ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ اچانک ہی مرزا اعظم بیگ احساس ہوا تھا کہ یہاں وہ تنہا نہیں ہے۔ سانسوں کی مدہم مدہم آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔ دوسرے لمحے وہ دیوانوں کی طرح پلٹا اور اس نے ایک جگہ سے پستول لیا۔ پستول ہاتھ میں لے کر اس کی خونی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ ہی اسے ایک آہٹ محسوس ہوئی اور وہ پستول لے کر سیدھا ہو گیا۔ پھر اس نے غرا ہوئی آواز میں کہا۔

”تم جو کوئی بھی ہو سامنے آ جاؤ۔ ورنہ ایک لمحے کے اندر اندر زندگی سے ہاتھ بٹھو گے، جو کوئی بھی ہو سامنے آ جاؤ میں صرف تین تک گنتی گنوں گا اور اس کے بعد جو ہو گا اس کے نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔“

”نہیں ڈیڈی۔۔۔۔۔ آپ کو کتنی گنتی کی ضرورت نہیں ہے۔“ طاہر بیگ نے کہا اور جلد سے نکل آیا۔ مرزا اعظم بیگ نے اسے دیکھا اور دوسرے لمحے اس کا پورا وجود دیکھا۔ پستول والا ہاتھ نیچے لٹک گیا اور وہ اپنی جگہ اس طرح ساکت ہو گیا جیسے کسی جانور نے ساحری کر کے اسے پتھر بنا دیا ہو۔ طاہر بیگ اپنی جگہ کھڑا ہوا خونی نگاہوں سے مرزا اعظم بیگ کو گھور رہا تھا۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے اور اس کے بعد مرزا اعظم بیگ خود کو سنبھالا۔

”تو۔۔۔۔۔ تو یہاں کیا کر رہا تھا؟“

”زندگی کے بدترین دور سے گزر رہا تھا ڈیڈی۔۔۔۔۔ اپنی زندگی کے ان بدترین کلاں سے گزر رہا تھا جن کے بارے میں میری دعا ہے کہ خدا کسی اولاد کو ان لمحات سے آٹھ کرے۔“

”ڈراما ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہے تھے؟“

”صرف میں ہی نہیں ڈیڈی صدف بھی ہے۔۔۔۔۔ ملاوٹوں اسے صدف، صدف کہاں ہو اندر آ جاؤ ڈیڈی بلار ہے ہیں تمہیں۔“ طاہر بیگ نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ نے خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔۔۔۔۔ پھر دروازے سے صدف اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے آثار منجمد تھے۔ اس نے طاہر بیگ کو دیکھا پھر مرزا اعظم بیگ کو اور اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستول کو۔

”کک۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کک۔۔۔۔۔ کیا بات ہے؟“

”آ جاؤ صدف آج بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے۔۔۔۔۔ ہماری بد قسمتی آج ہمیں اپنے ڈیڈی کے سامنے لے آئی ہے۔ صدف آج مرنے کا دن ہے۔۔۔۔۔ ویسے صدف دل سے بتانا باپ کے ہاتھوں موت قبول کرتے ہوئے تمہیں کیسا لگے گا۔“

”بکو اس کئے جا رہا ہے۔ صدف دروازہ بند کر دو اور۔۔۔۔۔ کوئی ہے تمہارے آس پاس۔“ مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

”نہیں ڈیڈی۔۔۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے آس پاس کوئی نہیں ہے لیکن کل آپ کی اس اقامت گاہ کے سامنے ایک مجمع لگا ہو گا۔۔۔۔۔ کل کے بارے میں کیا کہتے ہیں ڈیڈی؟“

”میں کہتا ہوں بکو اس مت کرو۔۔۔۔۔ خاموشی سے یہاں بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ تم لوگ ہاں کیا کر رہے تھے۔“

”میں صدف طاہر ہے ہمارے باپ کے ہاتھ میں پستول نہ بھی ہوتا تو کیا ہم اپنے باپ سے کوئی الٹی سیدھی بات کر سکتے تھے۔“

”بہت زیادہ ڈراما کرنے کی کوشش مت کرو طاہر! میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں مجھے عرف اس بات کا جواب دو۔“

”ٹھیک ہے کوئی ڈراما نہیں کریں گے ہم ڈیڈی۔۔۔۔۔ فرمائیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ اسے۔“

”تم یہاں کب سے چھپے ہوئے ہو؟“

”اس وقت سے ڈیڈی جب یہ لوگ نہیں آئے تھے۔۔۔۔۔ جب آپ کی اس مینٹنگ کا

ڈیڈی..... ہم عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں ڈیڈی..... آپ نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے نیشات کے علاج کے لئے ایک ہسپتال تعمیر کر لیا اور اس ہسپتال کے لئے مریض بھی آپ تیار کر رہے ہیں..... کیا یہ دوزخی پالیسی مناسب ہے؟“

”دیکھو بات اتنی معمولی نہیں ہے..... میں بہت الجھن میں ہوں۔“

”آپ کی الجھن ہماری سمجھ میں آچکی ہے ڈیڈی۔ ساری باتیں سن لی ہیں اب اس کے علاوہ کچھ اور کہنا بے کار ہی ہے۔“

”ہم موت کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں۔“

”خدا کرے وہ لوگ یہاں آئیں ڈیڈی اور ہمارے پورے خاندان کو گولی سے اڑا دیں، خدا کرے ڈیڈی وہ صرف آپ کو زندہ چھوڑ دیں اور آپ دیکھیں کہ آپ کے کئے کا کیا نتیجہ ملا۔“

”تم..... تم..... تم پاگل ہو رہے ہو طاہر بیگ! پاگل ہو رہے ہو، میں کہتا ہوں تمہیں کیا اس طرح میری جاسوسی کرنی چاہئے تھی۔“

”آہ..... کاش ہم اس وقت آپ کی جاسوسی کر لیتے ڈیڈی جب آپ اس جنجال میں پھنسے تھے..... اس وقت ہم آپ کو اس جنجال میں پھنسنے سے روکتے تو واقعی ہم سمجھتے کہ ہمارا فرض پورا ہو رہا ہے۔“

”نہ ہو تا کچھ نہ ہوتا..... بات بہت پرانی ہے..... میں، میں تم یہ سمجھ لو کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، تم ہی لوگوں کے لئے کیا ہے۔“

”میں ان باپوں کو سلام کرتا ہوں ڈیڈی جو دن بھر مزدوری کرنے کے بعد شام کو اپنے بچوں کے لئے گلے سڑے پھل، آٹے کی تھیلی اور دال لے کر آتے ہیں..... آپ سے بہت محبت ہوتی ہے وہ ڈیڈی! کم از کم وہ اپنے بچوں کی زندگی کو تو داؤ پر نہیں لگاتے..... آپ کو خود انداز ہے کہ سنڈیکیٹ کے افراد اس وقت آپ کی کسی کوتاہی کے نتیجے میں آپ کے خاندان کو ختم کر سکتے ہیں..... ڈیڈی آپ کو اس کا صلہ ضرور ملنا چاہئے تھا..... کاش یہ ضرور ہو جائے..... کاش کوئی مجھے وہاں تک پہنچا دے اور میں ان سے کہوں کہ آپ لوگ..... آپ انچل افراد غداری کر رہے ہیں..... آپ سنڈیکیٹ سے منحرف ہیں..... نتیجے میں وہ ہمیں آپ کے سامنے قتل کر ڈالیں..... ڈیڈی آپ ہماری لاشوں کی تدفین کریں واہ! کیا لطف

آغاز نہیں ہوا تھا۔“

”کیوں آئے تھے یہاں تمہیں کس طرح اس بات کا شبہ ہوا کہ یہاں کچھ لوگ آئے والے ہیں۔“

”ڈیڈی ہم بہت عرصے سے آپ کی کارروائیاں دیکھ رہے ہیں اور آپ کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہیں..... ڈیڈی اصل میں مان ٹوٹ گیا ہمارا اور ڈیڈی اگر مان ٹوٹ جاتا ہے کسی انسان کا تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ جاتا ہے یا نہیں؟“

”بہت زیادہ جذباتی ہو رہے ہو حقیقتوں کی دنیا سے بہت دور کی بات کر رہے ہو۔ تم کو نہیں جانتے کیا وہ صرف میرے اس چھوٹے موٹے کاروبار سے چل رہی ہے یا نہیں۔ تمہیں جو کچھ دے دیا ہے جو کچھ تمہیں بنا دیا ہے تم کیا سمجھتے ہو میں اربوں روپے کی دولت رہا تھا، یا کماتا رہا ہوں..... ہر گز نہیں جس طرح سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ میں ہوں تم نہیں جانتے۔“

”کیوں کیا آپ نے یہ سب ڈیڈی کیا لاکھوں، کروڑوں کی آبادی ہماری مانند عشرت کی زندگی گزار رہی ہے۔“

”جو نہیں گزار رہے ان کے دلوں سے پوچھو، کس مشکل سے وہ اپنی زندگی کا تیا کر رہے ہیں۔“

”کاش ہم بھی ان مشکلات میں ہوتے ڈیڈی! سچی بات یہ ہے کہ مشکلیں انسان کوڑ رکھتی ہیں۔“

”یہ سب کتابی باتیں ہیں..... اگر تم تمام حقیقتوں کو جان ہی چکے ہو تو پھر ان حقیقتوں کو بھی تسلیم کرو کہ اس وقت اس دنیا میں بات صرف اس ملک کی نہیں اس دنیا کی بات ہے ہوں جو لوگ اچھی زندگی گزار رہے ہیں ان کا سوچنے کا انداز بالکل مختلف ہے۔“

”آپ کی طرح ڈیڈی۔“ طاہر نے کہا۔

”ہاں یہ ہی سمجھ لو میری طرح۔“

”لیکن ہم اپنی طرح سوچنا چاہتے ہیں ڈیڈی..... ہمیں اپنے وطن سے محبت ہے آپ براہ کرم..... ایسی تصحیح کر دیجئے..... کیا ہم اپنی نسلوں کو جو کچھ دے رہے ہیں، وہ نسل

آئے گا۔“

”خدا کے لئے طاہر ایسی فضول باتیں نہ کرو۔۔۔۔۔ تم جانتے ہو۔۔۔۔۔ تم سے کتنی محبت ہوں میں۔“

”جھوٹ بول رہے ہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں ڈیڈی! بالکل غلط کہہ رہے ہیں آپ ہم سے کیا محبت کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ اگر ہم سے محبت کرتے تو ہماری دنیا ہی نہیں آخرت کے بارے میں بھی سوچتے۔۔۔۔۔ آپ کو پتا ہے کہ حرام کی کمانی کھا کر ہمیں آخر کار تو اسی جگہ ہے جہاں عام لوگ جاتے ہیں، جواب دہی کون کرے گا ڈیڈی۔۔۔۔۔ آپ یاہر اس بار صدف نے کہا اور مرزا اعظم بیگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

”میں نے سب کچھ تم ہی لوگوں کے لئے تو کیا ہے۔“

”اگر ہم سے پوچھ بھی لیتے ڈیڈی تو آپ یقین کریں ہم آپ کو کبھی یہ مشورہ نہ دے معمولی سی زندگی ہمیں ملتی ہم وہی گزار لیتے۔۔۔۔۔ کم از کم ہم وطنوں، اپنے بھائیوں کی سوغ تو ہمارے دلوں پر طاری نہ ہوتا۔“

”دیکھو۔۔۔۔۔ اب تو جو کچھ مجھے کرنا تھا، وہ کر چکا ہوں۔۔۔۔۔ میں شرمندہ ہوں نہ مہم۔۔۔۔۔ میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ صورت بہت آگے بڑھ گئی ہے۔۔۔۔۔ میں خطرے میں ہوں۔۔۔۔۔ تم سب بھی خطرے میں ہو۔“

”ہمارا نام نہ لیجئے ڈیڈی۔۔۔۔۔ ہم خطرے میں آنا چاہتے ہیں اور اب بھی ہماری ہی ہے کہ کاش آپ ہماری لاشوں کو اپنے ہاتھوں سے اٹھائیں۔“

”خدا کے لئے طاہر! ایسی بات مت کرو۔“ مرزا اعظم بیگ کی آنکھوں سے آنسو لگے تھے۔

”ڈیڈی یہ سامان تو آپ نے ہمارے لئے کیا ہے۔۔۔۔۔ آپ نے کیا ہے ہمارے لئے سب کچھ ڈیڈی۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ غلطی ہو گئی طاہر! غلطی ہو گئی۔۔۔۔۔ بہت بڑی غلطی ہو گئی۔۔۔۔۔ میں، میں، میں، میں۔۔۔۔۔ کر چکا ہوں مجھے اس کا احساس ہے، لیکن اب جو ہوتا تھا وہ ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ آگے کا وقت بن آ رہا ہے طاہر۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری غلطی کہیں میرے بچوں کے نقصان کا باعث نہ بن جائے۔۔۔۔۔ طاہر جو دل چاہے کہہ لو۔۔۔۔۔ آزاد کرنا ہوں تم دونوں!

ارے الفاظ گستاخی نہیں تصور کروں گا۔۔۔۔۔ ایک برا باپ بھلا اپنی اولاد کے سامنے ہی کیا ار کو قائم رکھ سکتا ہے۔۔۔۔۔ غلطی مجھ سے ہوئی ہے اور ہو گئی۔۔۔۔۔ اب مجھے بتاؤ میں کیا۔۔۔۔۔ آہ میں۔۔۔۔۔ میں شاید تم لوگ یقین نہ کرو۔۔۔۔۔ بہت عرصے سے پریشان ہوں میں۔۔۔۔۔ دن سے پریشان ہوں اور ایک ایسی پریشانی کا شکار ہوں جس کے بارے میں کسی سے کچھ بھی نہیں سکتا۔۔۔۔۔ کسی سے مشورہ بھی نہیں لے سکتا۔۔۔۔۔ اتنا تنہا محسوس کرتا رہا ہوں میں دور ان خود کو۔۔۔۔۔ طاہر میری بچی صدف کے میں بتا نہیں سکتا۔۔۔۔۔ بچے غلطی کریں تو بڑے سنبھال لیتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کے پاس ذریعہ ہوتا ہے، لیکن مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اگر غلطی کریں تو ان کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ تم لوگ خوش نصیب ہو میں بھی خوش نصیب تھا، لیکن اب میں ایک تنہا انسان ہوں۔۔۔۔۔ بتاؤ کیا کروں میں کیا کروں۔۔۔۔۔ بیٹا چاہتا ہوں مرنا نہیں چاہتا۔۔۔۔۔ میری آرزو ہے کہ میں تم لوگوں کی ہر خوشی میں برابر یک رہوں، لیکن جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے اور، اور اب مجھے اس کے اچھلتا پڑیں گے۔۔۔۔۔ میں بہت برے دورا ہے پر آکر کھڑا ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔ بڑی خوفناک شے ہے میری تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنا پریشان ہوں۔۔۔۔۔ آہ، میں بہت ان ہوں۔“ مرزا اعظم بیگ کسی بچے کی طرح زار و قطار رونے لگا۔۔۔۔۔ صدف اور طاہر کے گرد بیٹھ گئے تھے۔۔۔۔۔ طاہر نے کہا۔

”ہم بھی آپ کی زندگی چاہتے ہیں ڈیڈی۔۔۔۔۔ ہر قیمت پر آپ کی زندگی چاہتے۔۔۔۔۔ آپ کو یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اور ان وطن دشمنوں نے جو آپ کے اس وقت بھی موجود تھے۔۔۔۔۔ وطن کو کتنا نقصان پہنچایا۔۔۔۔۔ ڈیڈی آپ تصور نہیں تان گھرانوں کا جن کے سر پرست جوان بیٹے، جوان بچے منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر مائے محروم ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ آپ نے ان گھروں میں غم بکھیر دیا ہے ڈیڈی۔۔۔۔۔ ایک ایسا لکاڑا لہ وہ کبھی نہیں کر سکتے۔“

”مجھے احساس ہے۔۔۔۔۔ آہ مجھے احساس ہے۔“

”اور میں نہیں جانتا کہ اللہ کس طرح آپ کو معاف کرے گا، لیکن ڈیڈی ہم کبھی چاہیں گے کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔۔۔۔۔ ہم آپ کے لئے زندگی کی بازی لگا سکتے

جائے، ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسا اچھا آدمی نکل آئے جو صورت حال کو سمجھے اور ہماری مدد
رہنے پر آمادہ ہو جائے..... ڈیڈی ہم پوری پوری کوشش کریں گے۔“ اعظم بیگ تھوڑی دیر
تک سوچتا رہا پھر اس نے ٹھنڈس سانس لے کر کہا۔
”میں تمہیں اس کے مکمل کوائف فراہم کئے دیتا ہوں اور اس کے بعد تم لیکن خدارا
منہل کر اگر میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو پھر تو خود کشتی ہی کر لوں گا۔“
”خود کشتی ہم سب مل کر کریں گے ڈیڈی! آپ کبھی تنہا خود کشتی نہ کریں اگر کوئی ایسی
صورت حال پیش آجائے تو ویسے بھی ہم سب کو خود کشتی کرنا پڑے گی..... خود کشتی کا انداز
بالکل مختلف ہوگا، وہ انداز کیا ہوگا اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔“ طاہر بیگ نے کہا اور
مرزا اعظم بیگ اپنے بیٹے کی صورت دیکھنے لگا جس کا چہرہ جوش اور جذبات سے متمل رہا تھا۔



”تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں..... کیا کروں میں کیا کروں..... تقریباً تمام
معلومات تمہیں حاصل ہو چکی ہیں..... اب سب کچھ تم سمجھ چکے ہو..... مجھے مشورہ دو
میں خفیہ طور پر وہی کروں گا، جو تم کہو گے..... میں..... میں اب یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا
جو اب تک کرتا رہا ہوں..... کاش میں کھلے عام اپنی ان حماقتوں کا ازالہ کر سکتا اور اگر نہ
بات کا مشورہ دیتے ہو کہ میں خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر کے اپنے گناہوں کو ہم
کر لوں تو خدا کی قسم میں اس سے انکار نہیں کروں گا..... اگر پھانسی میرا مقدر بن سکتی ہے
میں مرنے کے لئے تیار ہوں..... بس خدا تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے۔“ طاہر بیگ
سوچ میں ڈوب گیا اس نے کہا۔

”ویسے آج کا دن مبارک ہے میرے لئے میں کافی عرصے سے اس سولی پر لگ
تھا، میں اور صدف جس انداز میں ہم زندگی گزار رہے تھے..... آہ کاش آپ اس کا انداز
کر سکتے، لیکن آج آپ کے اس اعتراف گناہ نے کم از کم ہمارے سینے کا ایک خانہ تورا
کر دیا ہے۔“

”سوچو، کچھ سوچو میں..... میں خوفناک کیفیت کا شکار ہوں..... میں سخت خطرے
ہوں تم سب..... تم سب بھی میرے ساتھ خطرے میں ہو..... آہ کچھ سوچو..... ہمیں
کرنا چاہئے؟“

”جو باتیں میں نے سنی ہیں ڈیڈی ان میں صرف ایک بات میرے سامنے آئی ہے
اس وقت ایک شخص آپ کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے اور اس کا نام غالباً شہاب ثاقب ہے۔“
”ہاں، بے حد خطرناک آدمی ہے اور ابھی اس کے بارے میں مکمل تفصیلات
حاصل نہیں ہو سکیں۔“

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جو تھوڑی بہت تفصیلات اس کے بارے میں حاصل ہوئی
وہ کیا ہیں؟“

”کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟“

”سنئے ڈیڈی..... اس وقت آپ اگر سلطانی گواہ بن جائیں تو بہت سے مسائل
ہو سکتے ہیں..... خیر یہ تو بعد کی بات ہے..... سب سے پہلے تو میں اور صدف شہاب
سے ملیں گے اور اس سے اس بارے میں بات کریں گے..... ہو سکتا ہے تقدیر بدل جائے۔“

”اس کے بعد مجھ سے ملاقات کرنا میں تمہاری پیشانی کی تحریر میں کچھ مشکلات پڑھ رہا

ہوں۔“

”فادر! آپ کی نگاہ بہت دور تک دیکھتی ہے، میں بڑی مشکل کا شکار ہوں۔“

”م بھی نہیں ابھی نہیں اور سنو وہ جو اس طرف کھڑا ہے پھولاری شرٹ پہنے اسے اور

”نہر اس طرف جو نظر آ رہا ہے ان دونوں کو میرے پاس بھیجو۔“

”جی فادر۔“ جیکب نے کہا اور ان دونوں کی جانب بڑھ گیا تو دونوں عقیدت مندی سے فادر رونالڈ کے پاس پہنچے تھے۔

”کیا کیا نام ہیں تمہارے؟ دیکھو مجھے معاف کرنا انسان اپنے آپ کو بہت چالاک اور بہت ذہین سمجھتا ہے، نجانے کیوں میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چاہتے ہو یوں کہ یہ صرف میری غلطی ہو، لیکن بس یہ احساس ہے۔“

”آپ عظیم ہیں فادر حقیقت یہ ہے کہ ہم آپ کو اپنے دل کا کچھ حال بتانا چاہتے ہیں۔“

”ہاں مجھے یہی شبہ تھا خیر تم تینوں کیا کیا نام ہیں تمہارے؟“

”میں اپنا نام بتا چکا ہوں فادر میرا نام جیکب ہے۔“

”اور تم۔“

”فادر میں جان میسن ہوں۔“

”اور تم۔“

”میرا نام پاسکل ہے فادر۔“

”جیکب، پاسکل اور میسن میں ایک پتا تمہیں بتائے دے رہا ہوں، آج شام کو تم وہاں

میرے پاس پہنچ جاؤ، البتہ اگر وہاں تک آنے کی تفصیل کسی کو نہ بتاؤ تو تمہارے حق میں بھی

تجربہ گارور میرے حق میں بھی کیا تم میری یہ بات ماننا پسند کرو گے؟“

”فادر آپ جس قدر عظیم ہیں اور جس طرح آپ نے ہمارے دلوں کی بات جانی اس

سے بعد بھلا آپ کی بات سے انحراف بھلا کیا معنی رکھتا ہے۔“

”بس پھر ٹھیک ہے میں شام کو سات بجے اس پتے پر تمہارا انتظار کروں گا اور وہ تینوں

لوگ ہلانے لگے۔۔۔۔۔ انہوں نے پتا نوٹ کر لیا تھا، پھر تھوڑی بہت کارروائیاں ہوتی

تھیں۔۔۔۔۔ لوگ فادر سے ملاقات کرتے رہے اور اس کے بعد فادر نے واپسی کا مطالبہ کیا۔۔۔۔۔

فادر رونالڈ ڈکسن کے اعزاز میں چرچ میں باقاعدہ ایک پروگرام رکھا گیا تھا اور لا تعداد مشنری کے افراد وہاں مدعو کئے گئے تھے۔۔۔۔۔ ان میں بہت بڑے بڑے اور صاحب حیثیت لوگ بھی تھے، مقامی چرچ کے پادری نے فادر رونالڈ ڈکسن کے اعزاز میں خوب صورت پروگرام رکھا اور اس میں مذہبی مقاصد کے لئے فادر رونالڈ کی خدمات کی تفصیلات بتائی گئیں اور اس کے بعد فادر رونالڈ نے اپنی تقریر کی جو انتہائی اہم نوعیت کی تھی، وہاں موجود لوگوں نے اس تقریر کو بہت سراہا۔۔۔۔۔ فادر رونالڈ کے عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد وہاں موجود تھی اور وہ سب فادر رونالڈ کو داد و تحسین دے رہے تھے۔۔۔۔۔ مشنری کی طرف سے انہیں مختلف پیش کشیں کی گئیں لیکن فادر رونالڈ نے کہا۔

”میرے محبت کرنے والے اتنے موجود ہیں اس شہر میں کہ ان کا دل توڑنا میرے لئے ممکن نہیں رہا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا قیام انہی کے ساتھ ہو وہاں اس سلسلے میں اپنی تمام ضروریات کو مدد نگاہ رکھتے ہوئے مجھے مشورے دیئے جاتے رہے ہیں، میں جتنے عرصے بھی یہاں قیام رکھتا ہوں اپنی خدمات پیش کرتا رہوں گا۔۔۔۔۔ بہر حال تقریباً تمام ہی لوگوں نے فادر رونالڈ کو تحفے تحائف پیش کئے تھے جنہیں انہوں نے محبت کے ساتھ چرچ کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ ان چیزوں سے انہیں کوئی رغبت نہیں ہے۔۔۔۔۔ عقیدت مندوں نے فادر رونالڈ کے ہاتھ بار بار چومے تھے، انہی میں سے فادر رونالڈ نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور بولا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”جیکب فادر۔“

مشری کے ارکان نے فادر کو بڑی عزت اور بڑے احترام کے ساتھ واپس بھجوا دیا۔ فادر جس عمارت میں پہنچے یہ وہ عمارت تھی جہاں وہ تینوں ارکان نے ملے تھے جن کا تعلق سنڈیکیٹ سے تھا، لیکن اس وقت کوئی ان میں سے وہاں موجود نہیں تھا۔ البتہ وہاں پہنچنے کے بعد فادر نے چند لمحات توقف کیا اور اس کے بعد ٹیلی فون کا ریمپ اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ پھر آہستہ سے بولے۔

”کیا حال ہیں تم لوگوں کے سب خیریت تو ہے نا۔“

”جی فادر۔“

”جگہ کیسی ہے؟“

”فادر بالکل ٹھیک ہے۔“

”ٹھیک سات بجے تمہیں اپنا کام سرانجام دینا ہے، ایسا کرتے ہیں کہ تم میں سے ایک میرے پاس آجائے اور مجھے وہاں لے جائے فی الحال میں یہاں موجود ہوں۔“

”ٹھیک ہے فادر جیسا آپ کہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور وائلڈ نے بے ہوش ہوئے ریسور رکھ دیا، اس کے بعد وہ آرام کرتا رہا تھا۔ اس نے ایک پادری کا روپ پہنا ہوا تھا، لیکن حقیقتاً اس کے چہرے کے نقوش پر غور کیا جاتا تو ایک بھیڑیے کی سی کیفیت

احساس ہوتا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے ظاہر اور باطن میں بڑا گہرا فرق ہو اور واقعی ایک حقیقت تھی، بہر حال کافی وقت وہ وہیں گزارنے کے بعد تیار ہو گیا۔ جلدی اختیار کئے رکھا تھا، پھر گارون کار لے کر آگیا تھا۔ یہ کار اس کمپنی کی تھی جس کے تحت

گارون پیل اور راکی یہاں آئے تھے۔ کمپنی نے انہیں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی تھیں۔ کار کا ہارن بجا تو روائلڈ ڈکسن باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد کار چل پڑی، نئی جگہ پہنچا

اب راکی، گارون اور پیل موجود تھے فادر ڈکسن ہی کی دریافت کی ہوئی تھی، جو ایک دور رس اور الگ تھلگ علاقے میں موجود تھی۔ یہ بات وہ تینوں بھی نہیں جانتے تھے کہ فادر

یہاں آنے کے بعد کس طرح اس مکان کو حاصل کیا۔ بہر حال گولڈن کراؤن اپنی جگہ الگ ہی اہمیت کا حامل تھا اور وہ اس کی شخصیت کو کہیں بھی چیلنج نہیں کر سکتے تھے۔

روائلڈ یہاں آنے کے بعد ان لوگوں سے باتیں کرتے تھے، کچھ اہم مسائل پر گفتگو ہوتی

گارون نے بتایا۔

”سر! آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے ایک ایسے آئل ٹینکر کو تازہ لیا ہے جو اس وقت مخصوص جگہ کھڑا ہوا ہے اور اس کے ڈرائیور وغیرہ سے بھی ساز باز کر لی ہے۔۔۔۔۔ مقامی ایک آدمی ہے وہ دو افراد ہوں گے جنہیں کچھ وقت کے لئے ٹریپ کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ سیدھے سادے دیہاتی ٹائپ کے لوگ ہیں۔“

”ٹھیک موجودہ وقت پر وہ انہیں دستیاب ہو جائے گا نا؟“

”جی فادر۔“

”ٹھیک ہے اور باقی چیزوں کا کیا بندوبست کیا گیا؟“

”فادر یہ اس کمپنی کے کاغذات ہیں، کمپنی کی کار تو موجود ہے آپ کے علم میں یہ

بات ہے۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔“

”باقی چاروں طرف سے ساری صورت حال اطمینان بخش ہے۔“

”جی فادر ڈکسن۔“ اس بار پیل نے کہا اور روائلڈ ڈکسن مسکرائے لگا پھر بولا۔

”کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میری یہ شکل اصلی نہیں ہے؟“

”نہیں سر! ہم نہیں جانتے۔“

”تم فوراً فادر سے سر پر آگئے کیا اس وجہ سے کہ میں نے تمہیں اپنی شکل کے بارے میں کچھ کہا ہے۔“

”اصل میں ہم بہت سی باتیں سمجھنے ہی سے قاصر ہیں، لیکن ایک بات پر مشترکہ طور پر اتفاق رکھتے ہیں وہ یہ کہ بہر حال مسٹر روائلڈ ڈکسن گولڈن کراؤن ہیں اور اس وقت کنٹرولنگ پاور انہوں نے سنبھالی ہوئی ہے۔“ ٹھیک سات بجے دروازے کی بیل بجی اور

گارون روائلڈ کے اشارے پر گیٹ پر پہنچ گیا، تین افراد تھے گارون نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا۔

”ہم فادر روائلڈ ڈکسن سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”اوہو مسٹر جیکب۔۔۔۔۔ مسٹر پاسکل ور مسٹر جان۔“

”جی۔۔۔۔۔ جی۔“

”آئیے فادر نے مجھے آپ کے بارے میں ہدایت کی ہے، پھر انہیں ایک بڑے سے

نہیں۔ آپ براہ کرم اس سے شغل کیجئے۔“ اور پھر وہ لوگ خاموشی سے گردن جھکا کر اپنے
 جے گا۔ میں مشروب انڈیلنے لگے، اس وقت وہ دل سے فادر رونالڈ کے شکر گزار تھے اور
 جے ہارے میں بڑے عظیم خیالات رکھتے تھے۔ خوش ذائقہ مشروب کے چھوٹے
 چھوٹے گھونٹ وہ لوگ لیتے رہے، کچھ دیر کے بعد وہ آہستہ آہستہ اوٹھنے لگے تھے۔
 مشروب پوری طرح ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی گردنیں ان کے سینوں پر ڈھلک گئیں اور
 وہ بے ہوش ہو گئے۔ پیل چند لمحوں کے بعد آگیا تھا اور اس نے ان لوگوں کو اٹھا اٹھا کر کمپنی
 آس کار میں بٹھایا جو باہر کھڑی ہوئی تھی، وہ تینوں کار کی پچھلی سیٹ پر اوٹھ سیدھے ایٹ
 مئے گا۔ وہ اس کار کو ڈرائیو کر کے چل پڑا تھا اور اس کے پیچھے دوسری کار چل رہی تھی،
 جے پیل ڈرائیو کر رہا تھا۔ راکی اس وقت ان کے درمیان موجود نہیں تھا۔ کار آگے
 بڑھتی رہی، گارون نے ہدایت کے مطابق ریمارکس سے گزر کر کار اس سنسان سڑک پر
 موڑ دی جو آگے چل کر انڈسٹریل ایریا چلی جاتی تھی۔ یہ سنسان سڑک ایک شارٹ کٹ
 کے طور پر انڈسٹریل کے لئے استعمال ہوتی تھی، لیکن چونکہ مکمل طور پر بنی ہوئی نہیں تھی
 اس لئے ادھر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا۔ تب کار ایک مخصوص جگہ لے جا کر
 ٹھوکی کر دی گئی۔ نیچ سڑک پر یہ کار کھڑی کی گئی تھی اور گارون منصوبے کے مطابق کار کو
 روک کر اس سے نیچے اتر گیا، اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے تینوں آدمیوں میں سے دو کو سنبھال
 کر آگے بٹھایا۔ ایک کو ڈرائیونگ سیٹ پر اور دوسرے کو اس کے برابر کی سیٹ پر تیسرا
 پیچھے بیٹھا رہا تھا۔ یہ کام کرنے کے بعد اس نے اطمینان سے پیچھے کی طرف دیکھا جس کار
 میں رونالڈ آ رہا تھا وہ آگے نکل کر روک گئی تھی، لیکن پیچھے ایک اور گاڑی آ رہی تھی جس کی
 تیز رفتار دیکھ کر اس نے سوچا کہ وہ کوئی بڑی گاڑی ہے اور پھر جب وہ قریب آئی تو اسے دیکھ کر
 اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بہت بڑا آکسل ٹینکر ہے جس میں شاید آکسل موجود نہیں تھا۔ آکسل
 ٹینکر تھوڑے فاصلے پر آ کر روک گیا، اس کی بڑی سیٹ پر دو افراد بے ہوش پڑے ہوئے تھے،
 ان میں ایک آکسل ٹینکر گاڑی اور دوسرا کلینر، گاڑی یعنی ٹینکر راکی چلا رہا تھا۔ پھر فادر
 رونالڈ اور پیل نیچے اتر آئے۔ راکی بھی نیچے آگیا تھا، ان کے درمیان آپس میں کوئی گفتگو
 نہ ہوئی اور اس کے بعد راکی نے ٹینکر کا اسٹیرنگ سنبھالا اور اسے پیچھے کر لیا، جب کہ فادر
 رونالڈ اور پیل آگے جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ ٹینکر پیچھے ہوا پھر برق رفتاری سے

کمرے میں بٹھا دیا گیا اور وہ فادر رونالڈ کا انتظار کرنے لگے۔ رونالڈ اپنے مخصوص لباس پر
 ان کے پاس پہنچا تھا اور وہ احتراماً کھڑے ہو کر اسے تعظیم دینے لگے تھے۔ رونالڈ نے ان سے
 سروں پر ہاتھ رکھا اور پھر وہ ہمہ لچھے میں بولا۔

”بیٹھ جاؤ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم لوگ پریشانیوں کا شکار ہو، البتہ میں تم سے
 پریشانیوں کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں۔“

”فادر ہم جس ملک میں ہیں وہاں ہمارے لئے کوئی ایک پریشانی نہیں ہے۔ آپ پر
 سمجھ لیجئے کہ ہم مختلف پریشانیوں کا شکار ہیں، لیکن سب سے بڑی پریشانی مالی پریشانی ہے، فادر
 اس کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں ہے ہم لوگ ملازمتوں سے عاری ہیں۔“

”ہوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا میں جس حد تک بھی تم لوگوں کی خدمت کر سکتا ہوں، اس
 کے لئے میں تیار ہوں، کچھ وقت بیٹھو اس کے بعد میں تمہیں ایک جگہ بھیجوں گا۔ تم لوگ
 وہاں جا کر ایسے لوگوں سے ملاقات کر لینا جو میری عزت کرتے ہیں اور مجھے اہمیت دیتے
 ہیں۔ وہ تمہاری بھرپور مدد کریں گے اس سلسلے میں۔“

”فادر آپ محبتوں کے پیامبر ہیں اور ہم اس بات کی پوری پوری امید رکھتے ہیں کہ
 آپ ہمارے لئے جو کچھ بھی کریں گے بہتر کریں گے۔“

”تم لوگ بیٹھو میں تمہاری خاطر مدارات کرتا ہوں، اس کے بعد باقی انتظامات بھی
 اور پھر فادر رونالڈ اٹھ کر اس کمرے سے باہر نکل گیا، دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے
 گارون سے کہا۔

”تم صورت حال کو سنبھال لو اور راکی تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے، باہر گاڑی کھڑی
 ہوئی ہے لیکن سارا کام ہوشیاری کے ساتھ سرانجام دینا ہے۔“

”جی فادر آپ مطمئن رہیں۔“

”دوسری گاڑی یہاں گیراج میں موجود ہے، پیل تم میرے ساتھ گاڑی ڈرائیو کرو گے۔“

”یس سر! پیل نے کہا۔“ تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں کے لئے ایک مشروب پہنچا
 گیا اور وہ نیاز مندی سے پیل کو دیکھنے لگے۔

”اس کی کیا ضرورت تھی سر!“ جان نے کہا۔

”مسٹر جان یہ بات فادر زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس چیز کی ضرورت تھی اور کس

آگے بڑھا اور پھر دوسرے لمحے اس نے پوری قوت سے آگے کھڑی ہوئی کار کو ٹکرائی اور تقریباً بیس فٹ اچھل کر آگے جا کر ٹکرائی، خاصی بلندی پر پہنچ کر نیچے گری تھی اور سڑک کے حصے کی طرف سے گری تھی، اس لئے اس کے پرچے اڑ گئے اور اندر بیٹھے ہوئے تین آدمی اس طرح کچل کر مسخ ہو گئے کہ ان کے نقوش بھی باقی نہ رہے، باقی کسر کار میں جانے والی آگ نے پوری کر دی تھی..... وہ آئل ٹینکر خالی تھا اور نہ اس خوفناک تباہی کا قصہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، کیونکہ خود آئل ٹینکر کا بھی خاصا حصہ تباہ ہوا تھا لیکن چونکہ بڑی گاڑی تھی اور سامنے کا حصہ بھی کافی مضبوط تھا اس لئے ڈرائیور اور کلیئر کو بس شیشوں کے ٹکڑے ہی لگے تھے، جب کہ راکی برق رفتاری سے نیچے کود گیا تھا اور کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہوا تھا..... اس خوفناک تصادم کا نتیجہ برآمد ہو گیا، کار میں موجود تینوں لاشیں جل کر خاک ہو گئیں، ان کے نقوش تو پہلے ہی کچلے جا چکے تھے اور اب وہ اس طرح کوئلہ ہو گئی تھیں کہ لباس کا نام و نشان بھی مٹ گیا تھا..... کار مسلسل جل رہی تھی، راکی نے کچھ ایسے شافی کاغذات قرب وجوار میں پھینک دیئے جن سے ان لوگوں کا پتا چل سکتا تھا، یعنی راکی گارون اور پیل کے کاغذات جو اس کمپنی کی طرف سے جاری کئے گئے تھے، اس طرح فادر رونالڈ نے ان تینوں کی موت کی تصدیق کر دی تھی اور اس کے بعد وہ ان تینوں کو دوسری کار میں بٹھا کر وہاں سے چل پڑا تھا..... وہ تینوں سحر زدہ نگاہوں سے فادر رونالڈ کو دیکھ رہے تھے..... تھوڑی دیر کے بعد وہ اسی عمارت میں واپس آ گئے، لیکن تینوں فادر سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ ایک بڑے سے کمرے میں پہنچنے کے بعد فادر نے کہا۔

”اور اب تم تینوں اس دُنیا سے جا چکے ہو ابھی سنڈیکیٹ کو بھی اس بات کا علم نہیں ہوا کہ تم زندہ ہو، اصل میں کام جب بھرپور طریقے سے کیا جائے تو اسی انداز میں کیا جائے کہ دُنیا کو اس کی حقیقت کا پتا نہ لگ سکے، حقیقتوں کا پتا لگ جانے کے بعد کوئی کسی طرح کوئی لٹہ معمولی سی غلطی کر سکتا ہے، جس کے سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں..... یہ میرا طریقہ کار ہے تم تینوں اب اپنے چہروں پر میک اپ کر لو گے، مقامی حکومت کو بہت جلد اس بات کا علم ہو جائے گا کہ کمپنی کی طرف سے جو افراد ہانگ کانگ سے آئے تھے وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے ہیں..... ٹینکر کا ڈرائیور چاہے کچھ بھی کہتا پھرے کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ وہی سمجھا جائے گا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اپنی جان بچانے کے لئے کہہ رہا ہے..... لوگ

ہیں! غصے سے ہی ہیں چنانچہ یہ بات سوچنا بالکل بے مقصد ہوگا، سمجھ رہے ہو نا تم لوگ ابھی یہ ساری باتیں تمہارے سامنے آ گئی ہیں، اپنا چہرہ تبدیل کرنے کے بعد تم یہاں نئے سرے سے کام کا آغاز کرو گے..... میرا مطلب ان پانچوں سے ہے..... اب ہم خفیہ طور پر ان کی نگرانی کر کے ان کا جائزہ لیں گے کہ وہ کس قدر کارکردگی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کے بعد ہم ایسے لوگوں کا نام و نشان مٹائیں گے، یہاں سے جو باڑی نامی جگہ میں اس تباہی کا باعث ہیں بول سمجھ لو کہ اس غیر ملک میں میری سرکردگی میں تم کو وہ کام کرنا پڑے گا جو ہمارا اصل کام نہیں ہے۔“

”لیکن سر یہاں سے سپلائی جس انداز میں رک گئی ہے اور جو کام یہاں ہو رہے ہیں ان کے ازالے کے لئے بہر طور ہمیں ہی یہ کام سرانجام دینا ہوگا، کیونکہ یہاں کے موجودہ افراد اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔“

”لیکن ہم انہیں ناسٹل پر رہیں گے، قربانی کے بکرے سمجھتے ہو نا تم لوگ! ہم بکروں کو قربان کیا جاتا ہے انہیں پہلے خوب کھلایا پلایا جاتا ہے..... ان لوگوں کو ملتے رہنا چاہیے تاکہ کسی بڑے وقت پر ہم ان کو آسانی سے قربان کر دیں۔“

”یس سر!“ ان تینوں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور فادر رونالڈ نے چند لمحوں کے بعد آنکھیں بند کر لیں، پھر وہ چونک کر بولا۔

”تم لوگوں کے پاس میک اپ کا سامان موجود ہے۔“

”نہیں فادر۔“

”میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے، جاؤ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے چہروں پر میک اپ کروں گا، گارون تم اس بڑے کمرے میں جو براؤن رنگ کی الماری ہے اس میں ایک لکڑی کا کس رکھا ہوا ہے اسے اٹھا کر لے آؤ۔“

”یس فادر!“ گارون نے کہا اور تیزی سے مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا، باقی دونوں افراد لوپنگ ہوں سے فادر کو دیکھ رہے تھے..... رونالڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن میرا چہرہ ابھی اسی طرح رہنے دو کیونکہ ابھی مجھے اس سے بہت سے فائدے حاصل کرنا ہیں..... کم از کم ان لوگوں سے جو میرے عقیدت مند ہیں۔“ رونالڈ نے کہا اور تھوڑے سا دیر کے بعد اس ہنسی میں بیٹھریوں جیسی غراہٹ تھی جس طرح اس نے تین افراد

کو زندگی سے محروم کر دیا تھا اور افراد بھی ایسے جو خود زندگی کی خوشیوں سے محروم تھے اس سے اس کی وحشت اور درندگی کا پتا لگتا تھا، بہر حال یہ بات طے تھی کہ شہاب کو ایک ایسے عفریت کے گروہ سے واسطہ تھا جو نجانے کسی کیسی صورتوں میں خوفناک ثابت ہو سکتے تھے۔

بہنا کو اعتراف تھا کہ دنیا کا کوئی بھی انسان خود پر گزرے ہوئے لمحات سے واقفیت حاصل کئے بغیر کسی احساس کا صحیح تجربہ نہیں کر سکتا۔ ویسے تو نجانے کس کس کی زندگی کس کس طرح گزرتی ہے۔ مرد ہو یا عورت، تجربات تو سب کو ہی ہوا کرتے ہیں اور جب تک یہ تجربات خود اپنی زندگی میں نہ ہو جائیں ان کی صحیح کیفیتوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

عدنان واسطی صاحب ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ وکیل تھے اور اس بات کی امید کو جانتے تھے، خیر اپنے پیشے کی اہمیت سے کبھی واقف ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ ہر پیشہ اپنا ایک مقام اپنا ایک وقار رکھتا ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ اسے اپنے طور پر کوئی بھرپور شکل دے دی جائے، اس سے پیشے کا وقار مجروح نہیں ہوتا، بات وہی ذاتیات کی آجاتی ہے۔

عدنان واسطی نے ایک طریقہ کار اپنایا اور اس کے مطابق زندگی گزاری، یہ بھی شکر تھا کہ اپنی گاڑی اس لئے بھی آسانی سے دھکیل لے گئے کہ افراد خانہ زیادہ نہیں تھے، لے دے کر ایک بیٹی تھی، میاں بیوی تین افراد پر مشتمل زندگی کو نہایت سادگی سے اپنے دل میں پیشے کا وقار رکھتے ہوئے گزار دیا تھا، اب یہ آخری لمحات تھے جب زندگی کی وہ تمام آسائشیں انہیں حاصل ہوئی تھیں، لیکن پھر بھی انہوں نے ان تمام چیزوں کے باوجود اپنا یہ قدیم گھر نہیں چھوڑا تھا اور اس میں انہوں نے اپنا قیام باقی رکھا تھا۔ بہنا کو بھی انہوں نے وکالت کی پڑھائی تھی اور بہنا خصوصی طور پر اس لئے کہ بیٹی تھی باپ کے مقاصد سمجھنے کے بعد ان کے لئے خوشیوں کا باعث بنی تھی ورنہ بیٹے کبھی کبھی منحرف بھی ہوتے ہیں، پھر زندگی کے مختلف مراحل طے ہوئے تھے اور بظاہر کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی تھی جس کے لئے انہوں کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ یہاں تک کہ شہاب ان کی زندگی میں آگیا اور زندگی کے ناخوش ترین حقائق سے واقف ہونے کے باوجود بہنا کو یہ احساس ہوا کہ محبت ہی ایک ایسا جذبہ ہے جس کی بہر طور ایک اہمیت ہوتی ہے اور اس جذبے کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

لازمی طور پر زندگی میں شامل ہوتا ہے۔ شہاب بھی اس سے متاثر ہو گیا اور اس کے بعد زندگی کے ہر لطف معاملات جاری ہو گئے، حالانکہ دونوں کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ

بہنا کو سب کچھ کھا جائے گا اور کسی ایسے وقت کا انتظار کیا جائے گا جب یہ ضرورت محسوس ہو۔ اب گھر بھی ایک ہو جائیں لیکن بہنا کے کچھ الفاظ نے شہاب کو احساس دلایا تھا کہ بہنا ہر لمحہ کے تعاون کے باوجود ایک نسوانی خوف کا شکار ہے اور یہاں پھر اپنی اتنا بہت سے قدم چپے چلی جاتی تھی، چنانچہ شہاب نے بہنا کا یہ خوف دل سے دور کر دیا تھا اور بہنا کو یہ احساس ہوا کہ بے شک یہ سب کچھ شہاب کی فطرت کے خلاف لیکن اس کی محبت سے منسلک ہے اور اس احساس کو نظر انداز نہیں کر سکی تھی اور اب زندگی کی ایک انوکھی کیفیتوں سے دوچار رہی تھی۔ شہاب کے گھر کا ماحول بھی شہاب کی فطرت سے مختلف نہیں تھا۔ ظاہر ہے شخصیتوں کی تشکیل والدین سے ہی ہوتی ہے اور والدین کے ترتیب دیئے ہوئے ماحول یہاں کی یہی کیفیت تھی۔

ثریا بھابی محبتوں کا مینارہ تھیں، اس طرح انہوں نے بہنا کو بات بات میں سمولیا تھا کہ بہنا اس بات کو بھول گئی تھی کہ وہ تنہا ہے اور اس کی کوئی بہن نہیں ہے۔ بہر حال نہ صرف ثریا بلکہ شہاب کی بہن فائق حسین نعیم بیگم واثق کون تھا جس کی باکوں میں منفرد شخصیت نہ ہو اور جس کی شخصیت کو محبتوں کا تاج محل نہ کہا جاسکے۔ بہنا بہت شرمیلی تھی، شہاب اپنے طور پر مصروف ہو گیا تھا، حالانکہ بہنا یہ نہیں چاہتی تھی کہ معطل جائے۔ لیکن بہر حال گھر میں ذمہ داریاں بھی ایک الگ نوعیت کی حامل ہوتی ہیں اور یہ سب کچھ مناسب بھی نہیں تھا۔ نعیم بیگم بہر حال یہ بات تو نہیں جانتی تھیں کہ لوگوں کی شخصیت کیا ہے اور انہیں زندگی کے کیسے کیسے کٹھن معاملات سے گزرنا پڑا ہے۔ وہ بہر طور ساس تھیں اور بہو کو پھولوں سے زیادہ نرم و نازک سمجھتی تھیں۔ بہنا خود بھی اس سلسلے میں کوئی ضد نہیں کی تھی بلکہ ایک آدھ بار جب اس نے شہاب سے معاملے میں خود بھی متعلق ہونے کے لئے کہا تھا تو شہاب کی مرضی نہ پا کر خاموش ہو گئی۔ لیکن مسکراتی ہوئی وہ کبھی سوچ لیا کرتی تھی کہ واقعی شہاب جو کہا کرتا تھا وہی درست ہے۔ زندگی کا دوسرا رخ اختیار کرنے کے بعد پہلے رخ سے منہ موڑنا ہوگا۔ بہنا مسلسل بہنوں میں مصروف تھی کہ اس پہلے رخ سے منہ نہ موڑا جائے بلکہ کوئی ایسی ترکیب نکالی جائے جس سے دونوں مسائل حل ہو جائیں، ویسے بہر حال وہ اس زندگی سے ناخوش نہیں تھیں۔ وقت بھی وہ اپنے بیڈروم میں جا بیٹھی ہوئی تھی۔ شہاب ابھی تک انہی معاملات مصروف تھا جن معاملات نے انہیں زندگی کے اس روپ میں پیش کر دیا تھا اور وہ ایک

دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے..... دانی شاہ کا کيس ابھی ختم نہیں ہوا تھا بلکہ شاید یہ کيس تھا جو پیچیدگیوں پر پیچیدگیاں اختیار کرتا جا رہا تھا..... ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، یہ ڈائریکٹر ٹیلی فون تھا جو شہاب کے نام پر تھا، ویسے تو یہاں پر ان ٹیلی فون بھی تھا لیکن شہاب نے اس نام سے حاصل کیا ہوا ٹیلی فون اہم ضروریات کے لئے پینا کے کمرے میں لگوا دیا تو بہر حال ان دونوں کی لائن ڈائریکٹ ویسے بھی ہونی چاہئے تھی، مینا یہی سمجھی تھی کہ شہاب ٹیلی فون ہو گا..... ریسور اٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہیلو۔“

”جی میں مسٹر شہاب ثاقب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

”معاف کیجئے گا شہاب صاحب تو اس وقت موجود نہیں ہیں۔“

”آپ کون بول رہی ہیں۔“

”میں مسز شہاب ہوں۔“

”مسز شہاب۔“

”جی..... دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی تو مینا نے کہا۔

”اور میرا تعلق بھی محکمہ پولیس سے ہی ہے، میں اسی ڈیپارٹمنٹ کی ایک عہدہ دار ہوں..... اگر کوئی ایسی بات جو خاص اہمیت کی حامل ہو اور آپ مسٹر شہاب سے ہی کہنا چاہیں تو میرا خیال ہے اس کے بعد آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔“

”دیکھئے بات اصل میں یہ ہے۔“

”نہیں بی بی جھجکنے کی ضرورت نہیں..... میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ

آپ یہ محسوس کرتی ہیں کہ بات کا تعلق صرف شہاب سے ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے

گا..... ورنہ آپ مجھے ساری تفصیل بتا سکتی ہیں۔“

”آپ مجھے ایک بات بتائیے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”جی۔“

”کیا آپ میری بات صینہ راز میں رکھ سکتی ہیں۔“

”ہم لوگوں کے دل مقبرے ہوتے ہیں۔“

”آپ کے آس پاس تو کوئی موجود نہیں ہے۔“

”نہیں میں اپنے بیڈروم میں تھا ہوں۔“

”آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا۔“

”چند روز کہہ لیجئے۔“

”اوہ ہو کیا حال ہی میں ہوئی ہے۔“

”ہاں۔“

”تو میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے۔“

”شکریہ۔“

”میں کچھ ایسے حالات کا شکار ہوں کہ آپ کو اپنا نام بھی نہیں بتا رہی، ویسے کیا آپ

مجھے اپنا نام بتا سکتی ہیں۔“

”مینا شہاب۔“

”آپ نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ میں نے آپ کو اپنا نام کیوں نہیں بتایا۔“

”بی بی آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ کسی الجھن کا شکار ہیں۔“

”آپ یقین کریں کہ میں بہت پریشان ہوں کہ شاید دنیا میں کوئی اس قدر پریشان

ہو۔“

”کاش میں آپ کی پریشانی دور کر سکوں اور کاش آپ مجھ پر اعتبار کر سکیں۔“

”دیکھئے ویسے تو اصولی طور پر کچھ مشورے ایسے ہوتے ہیں جو صرف وکیلوں سے کئے

جاتے ہیں..... اگر میں یہ کہوں کہ میں نے بس آپ کو اپنا وکیل منتخب کر لیا ہے تو کیا آپ

میری یہ بات مان لیں گی۔“ مینا ہنسنے لگی پھر بولی۔

”بی بی اگر آپ کسی قسم کا مذاق کر رہی ہیں تب بھی مجھے یہ مذاق برا نہیں لگ رہا.....

کہہ جائیے میں فرصت سے ہوں ویسے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں نے وکالت بھی پڑھی

ہے اور اس سے پہلے میں وکالت ہی کرتی رہی ہوں۔“

”اوہ ویری گڈ لیکن ایک بات آپ ذہن سے نکال دیجئے گا آپ کو خدا کا واسطہ یہ نہ

ہونے گا کہ میں آپ سے کسی قسم کا مذاق کر رہی ہوں یا صرف ٹیلی فون پر فلرٹ کرنے والی

بچیوں میں سے ہوں، جو صرف ٹیلی فون کے ریسور میں پھونکیں مار مار کر اپنی زندگی کا اظہار

کرنا چاہتی ہیں اور میں ان بزدل اور بے وقوف لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے آپ بولتی رہئے۔“

”میں..... میں ایک بہت بڑی مشکل کا شکار ہوں اور اسی وجہ سے میں آپ بارے میں تفصیل سے نہیں بتا رہی۔“

”کوئی بات نہیں آپ کہئے بات کیا ہے۔“

”میں نے کہنا میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہوں۔“

”تو کیجئے میں نے کب منع کیا ہے۔“

”فرض کیجئے ایک چھوٹا سا خاندان ہے، کچھ بھائی کچھ بہنیں یا بہنیں نہ سہی کئی بھائی

کی ایک بہن ایک اچھی محبت کرنے والی ماں..... ایک بہت ہی شفیق چاہنے والا باپ جس

بارے میں بیٹی نے ہمیشہ یہ سوچا ہو کہ اس کا باپ انسانیت کے نقطہ نظر سے ایک قطب

ہے، اتنا بلند کہ اس کے آخری سرے تک دیکھا بھی نہ جاسکے..... اس گھرانے کے بیٹے

اس لڑکی کے بھائی بھی اسی احساس کا شکار کہ وہ بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں

کے ماں باپ دُنیا کے عظیم ترین لوگ ہیں..... پھر اچانک ہی کچھ ایسی منحوس گھڑیاں

ہیں جب اچانک ہی ایک بھائی اور ایک بہن پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا باپ ایک

ہے..... ایک ایسا شخص جو معاشرے کے بدترین جرائم کر رہا ہے..... دیکھئے میں آپ کو

بات بتاؤں مس بیٹا.....! اسوری مسز شہاب کہ انسان اپنے ذہن میں کسی کے لئے ایک

بناتا ہے، یہ تصور آسانی ہوتا ہے اور اس کی سوچیں انتہا تک پہنچی ہوتی ہیں اور پھر اچانک

سوچیں ٹوٹتی ہیں تو آپ خود غور کیجئے کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔

”ہاں بے شک۔“

”تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کا باپ ایک معاشرتی مجرم ہے۔“

”معاشرتی مجرم سے آپ کی کیا مراد ہے۔“

”ہاں میں وہی بتا رہی تھی لیکن بتاتے بھول گئی تھی، میں اصل میں یہ کہہ

تھی کہ کوئی شخص ایک جذباتی گناہ کر لیتا ہے..... ایک ایسا آدمی جس کے بارے میں

ابھی آپ سے کہا کہ وہ بیٹی اور بیٹوں کے لئے قطب مینار کی حیثیت رکھتے ہیں، اس سے کوئی

پھلکا جرم سرزد ہو جاتا ہے یا کوئی سخت جرم جیسے قتل وغیرہ حالانکہ قانون سے محبت و

محبت کا ثبوت ہوتی ہے..... قانون کی پابندی کرنا یہ سمجھ لیجئے کہ وطن دوستی کا ثبوت ہے

ہم اپنے وطن ہی کے دشمن ہیں تو وطن کے قانون سے وطن کی زمین سے وطن کے

قانون سے وطن کی تمام ضروریات سے محبت کرتے ہیں اور اس کا خیال رکھتے ہیں تو میں کہہ

تی تھی کہ ایسا ایک شخص کسی بڑے جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور وہ جرم صرف چند افراد

کے لئے قابل تلافی ہوتا ہے تو بہت زیادہ محبت کرنے والے اپنے اندر جرم کا احساس چھپا کر

اپنے باپ کے جرم کی مدد پوٹشی بھی کر سکتے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے ضمیر مجروح ہو جاتے

اور وہ ہمیشہ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ بہر حال انہوں نے اپنے وطن سے غداری کی ہے لیکن

ایک جرم جو جرم مسلسل ہو، دہرہ دہرہ وطنوں کا قتل عام کرتا رہے اور وطن کی معیشت و

نانی کو اغدار کرتا رہے اور جرم مسلسل جاری رہتا ہو تو آپ مجھے بتائیے کہ کیا ان بچوں کو

اپنے باپ کو معاف کر دینا چاہئے۔“

”ہرگز نہیں۔“ بیٹا نے ایک لمحے سوچے بغیر کہا۔

”نہیں نا۔“

”ہاں بالکل نہیں اگر وہ بچے جیسا کہ آپ نے کہا مس جو محبت و وطن ہیں اور یہ بھی

اس رکھتے ہیں کہ جرم مسلسل اور وطن سے غداری کا کوئی بدل نہیں ہے تو پھر انہیں

ہے کوئی بھی رشتہ ہو مجرم سے وطن دوستی کا ثبوت دینا چاہئے۔“

”چاہے وہ ان بچوں کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔“

”ہاں۔“

”اور مذہب کیا کہتا ہے اس بارے میں۔“

”میں مذہب ہی نہیں ہوں لیکن اگر یہ سوال کرنا ہے تو اپنے ضمیر سے پوچھ لیجئے گا ضمیر

کو بتا دے گا کہ خدا کی مخلوق کو نقصان پہنچانا چاہئے، اس کا محرک کوئی بھی ہونا قابل معافی

نہیں اور اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔“

ایک بار پھر دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی تھی، بیٹا چند لمحات انتظار کرتی رہی

بولد۔

”بیٹو۔“

”ہاں میں فون پر ہوں بند نہیں کروں گی جب تک آپ کو اطلاع نہ دے دوں مسز

بر۔“

”اب مجھے سوالات کرنے کا حق دیں گی آپ۔“

”جی جی فرمائیے۔“

”آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں ہے چلئے آپ بتادیتے کہ ایسا کوئی واقعہ آپ کے لیے پیش آیا ہے۔“

”ہاں..... دوسری طرف سے آنے والی آواز میں بے پناہ درد چھپا ہوا تھا اور ہلکا اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ یہ درد مصنوعی نہیں ہے وہ جو کوئی بھی تھی اس احساس سے شکار تھی مینا نے چند لمحے توقف کیا پھر بولی۔

”بی بی آپ کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں میں کہ آپ ایک آئینہ دل شہر ہیں، میں نہیں جانتی کہ آپ کے والد صاحب کیسی برائیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، کس شہر اور کس الجھن میں پڑ گئے ہیں لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ آپ کی رگوں میں وہ گند افون ہے جو ایسی چیزوں کو برداشت کرے..... بی بی اس کی وجہ جانتی ہیں کیا ہو سکتی ہے، اس کی صرف یہ ہے کہ خود آپ کے والد بھی برے انسان نہیں ہیں، وہ کیسے اور کیوں..... ایسا کرنے پر مجبور ہوئے جو آپ کی نگاہ میں اس قدر شدید ہے..... بی بی جب آپ نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ہی ہے تو آپ کو مشورہ دیتی ہوں صرف ایک دوستانہ مشورہ کہ مجھے حقیقتوں سے روشناس کرائیے میں آپ کی بھرپور مدد کروں گی، اگر آپ نے شہاب صاحب سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اسی فیصلے کے تحت انہیں ٹیلی فون کیا ہے تو اب آپ کو ایک بیوی کی حیثیت سے ہی نہیں ایک محبت و وطن شخص کی حیثیت سے ایک وکیل ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے یہ بتا رہی ہوں کہ شہاب ثاقب صاحب نے اپنی زندگی مقصد بنایا ہے یہ کہ جو جرم ان کی نگاہوں میں آئے گا تو اس کے لئے وہ زندگی کی بازی لگائے گے، ہم دونوں ایسا ہی کرتے ہیں اور ہمیں زندگی کی پروا نہیں ہوتی، سمجھ رہی ہیں نا آپ آپ وطن پرستی کے جذبے سے مجبور ہو کر اپنے والد صاحب کے جرائم سے خوفزدہ نہ بنیں بے دھڑک آپ مجھے اس کے بارے میں بتائیے اور میں آپ سے ایک انسان کی حیثیت وعدہ کرتی ہوں کہ اتنا زبردست تعاون کروں گی کہ آپ سوچ بھی نہیں سکیں گی۔“

”سنئے اصل میں بات یہ ہے کہ خود میرے والد صاحب نے اس بات کی اجازت ہے کہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں اور ایک بات اور بھی ہے۔“

”جی جی بتائیے۔“

”اس میں ہمارا ہی نہیں آپ کا بھی مسئلہ پوشیدہ ہے، یعنی یہ کہ میں کیا بتاؤں آپ کو

کے بتاؤں میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔“

”دیکھئے اب میں آپ سے آخری مرتبہ بات کہہ رہی ہوں..... یہ گفتگو خاصی طویل ٹی ہے، آپ کو خود بھی اس کا احساس ہوگا، اگر آپ انسانیت پر بھروسہ کرتی ہیں تو مجھے اپنی ٹی کے آگاہ کریں، اپنے بارے میں مفصل طور سے بتائیں اور میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے بتائے ہوئے لفظوں کو صیغہ راز میں رکھوں گی، مجھے آپ سے بے پناہ راز ہے..... اگر مصلحت پسندی میں گرفتار ہو کر آپ نے مجھے اپنے بارے میں نہ بتایا تو پتہ نقصان کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی، کیونکہ بہر حال ہم لوگ بھی انسان ہیں اور یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم پر بے اعتباری کی جائے اور اس کے باوجود ہم کسی کا ساتھ دیں۔“

”میں سمجھتی ہوں..... آپ ایک کام کر سکتی ہیں مینا صاحبہ۔“

”جی کہئے۔“

”دیکھئے میرا نام صدف ہے، میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، کسی ایسی جگہ جہاں مطلب نہ صرف میں اور آپ پہلے آپ میری تمام باتیں سن لیں مجھے بڑی بہن کی مانند مشورہ دیں تاکہ میں نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جاسکے، دیکھئے میں نے آپ کو پہلے بھی کہا ہے کہ اس ماہاراہی فائدہ نہیں آپ کا بھی فائدہ ہے..... میں آپ کو شہاب صاحب کے بارے میں بے خطرات سے بھی آگاہ کرنا چاہتی ہوں جن میں شہاب صاحب کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔“

”ہم زندگی اور موت کا معاملہ صرف اللہ پر چھوڑتے ہیں اور ہمیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہمارا کام نہیں ہے جس کا کام ہے وہی جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے، اس لئے ہمیں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہے نہ مجھے نہ شہاب صاحب کو باقی کوئی ایسا مسئلہ جو ملکی بے تعلق رکھتا ہے اگر ہے تو آپ ضرور مجھے اس سے آگاہ کریں۔“

”آپ مجھ سے ملاقات کر سکتی ہیں۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“

”کوئی ایسی جگہ ہے آپ کے پاس اصل میں کسی پبلک مقام پر یہ ملاقات نہیں کی

جاسکتی۔“

”ہاں میرے پاس جو جگہ ہے بشرطیکہ آپ اس کے لئے تیار ہوں۔“

”نہیں میں ایک خود اعتماد لڑکی ہوں اور ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں اپنے آپ پر خوفزدہ ہو جاؤں۔“

”تو ٹھیک ہے پھر صدف آپ کب اور کہاں مجھ سے ملاقات کر رہی ہیں۔“

”یوں کر لیجئے کہ کل کسی مناسب وقت آپ مجھے بتادیتے ہیں میں آپ کی بتائی ہوئی پہنچ جاؤں گی، ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنی شناخت کرائے دیتے ہیں، وہاں سے آپ اپنے ساتھ لے لیجئے گا اور پھر کسی مناسب جگہ۔“

”ہاں ٹھیک ہے تو کل آپ ایسا کیجئے کہ ہوٹل مار کو پولو پہنچ جائیے۔“

”میں نے مار کو پولو دیکھا ہے، لیکن ہوٹل کے اندر میں تنہا نہیں جاتی۔“

”آپ ہوٹل کے اندر نہ جائیے، مار کو پولو کے سامنے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کا بورڈ لگا ہوا ہے۔“

”جی ہاں بالکل ہے۔“

”آپ بس اس کے نیچے کھڑی ہو جائیے، میں وہاں آ جاؤں گی۔“

”میں آپ کی شناخت کیسے کروں گی۔“

”میں سبز لباس پہنے ہوئے ہوں گی۔“

”بس پھر ٹھیک ہے اور میں ہلکے پیازی رنگ کا سوٹ پہنوں گی، میرا نام صدف ہے رکھئے گا۔“

”او کے صدف۔“

”اچھا پھر خدا حافظ ہماری گفتگو کافی طویل ہو گئی ہے۔“

”ٹھیک ہے خدا حافظ۔“ بینا نے کہا اور دوسری طرف سے لائن بے جان ہونے کے بعد خود بھی ٹیلی فون کا ریسورر رکھ دیا، وہ ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی، اس کا ذہن برق رفتاری سے عمل کر رہا تھا..... لڑکی کی آواز اس کے الفاظ اس کا لہجہ اس نے نگاہوں سے سامنے رکھا تھا اور اب اس پر غور کر رہی تھی، زیادہ تجربہ تو نہیں تھا لیکن شہاب کی صحبت جتنا وقت گزار چکی تھی اس سے حالات کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ لگا سکتی تھی۔

کاندازہ غلط نہیں تھا تو لڑکی نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ اور سادگی پر مبنی تھا، کوئی فریب کی بات نہیں تھی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے واقعی ایک عجیب سی کیفیت اس کے دل میں ہو، برتا چاہئے شہاب واپس نہیں آیا تھا اور شاید مصروفیت کچھ زیادہ ہی تھی، کہہ کر گیا تھا کہ میں نے ساری رات مصروف رہے، اس لئے بینا انتظار نہ کرے اور بینا نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ رات کی مصروفیات کیا ہوں گی۔ بہر حال شہاب سے اس کو ہر طرح کا اطمینان اور اعتماد تھا، وہ جانتی تھی کہ شہاب کا عشق صرف دو چیزوں سے ہے..... بینا سے اور اپنے مقصد سے۔ بینا کو اس پر مکمل اعتماد تھا، لیکن لڑکی کی داستان نے اسے خاصی الجھنوں کا شکار کر دیا تھا، پتا نہیں چلے گا کہ کون ہے اور اس کا باپ کون سے جرم میں گرفتار ہو گیا ہے..... ویسے لڑکی کا نام بینا ہے۔ بینا نے اسے اس کا اظہار کرتا تھا جو کچھ بھی ہے اس کا تعلق کسی سے لکھے اور شاید دولت مند گھرانے سے ہی ہے..... ایسے بیٹی نون کس کس پر..... نام سے نہیں کہے جاسکتے بلکہ اپنی خواب گاہوں میں ہی ایسی گفتگو کی جاسکتی ہے، پھر اس کا ذہن دوسری بات مڑ گیا اس نے کچھ عجیب سی بات کہی ہے کہ خود نہیں ہی اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں بلکہ شہاب کو بھی، شہاب کی زندگی کو بھی، کیا مطلب ہو اس بات کا وہ میرے خدا کہیں گفتگو کا تعلق انہی واقعات سے تو نہیں ہے جن کے خلاف شہاب آج کل کام کر رہا ہے۔ بینا نے سوچا بات تو اس نے بے شک درست کہی تھی کہ زندگی اور موت کا تقابلی صرف حالات سے ہوتا ہے اور انسان خود اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، نہ بہر حال احتیاط بھی ضروری ہوتی ہے، اب شہاب واپس آجائے تب ہی آگے کا پروگرام فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔



”اوہ..... میرا سر چیخ جائے گا..... کس حادثے کی بات کر رہے ہو تم خدا را مجھے بتاؤ۔“
 ”وہ تینوں میرا مطلب ہے کہ روکی پیل اور گارون کیا تمہیں ان کے بارے میں
 معلومات حاصل ہو سکیں۔“
 ”نہیں کیوں خیریت۔“
 ”تینوں ہلاک ہو گئے۔“
 ”کیا؟ ڈاکٹر حیات کے ہاتھ سے شاید ریسیور چھوٹے چھوٹے بچا تھا..... پھر اس کی

ذخیرہ آواز سنائی دی۔

”ہلاک..... ہلاک..... ہلاک ہو گئے۔“

”مگر کک کیسے..... کک کیا پولیس۔“

”نہیں۔“

”اوہ تو پھر۔“ ڈاکٹر حیات نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”ایک ایکسڈنٹ ہوا ہے ان کا۔“

”ایکسڈنٹ؟“

”ہاں۔“

”مم..... مگر براہ کرم مجھے تفصیل تو بتاؤ۔“

”تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ تینوں یہاں ایک کمپنی کے انجینئر کی حیثیت سے پہنچے

تھے اور کمپنی کے افراد نے انہیں ایک طرح سے یہاں بلایا تھا۔“

”ہاں۔“

”رات کو وہ اسی کمپنی کی کار میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک آئل ٹینکر سے ان کی شدید

کڑبوئی کہ وہ تینوں ہلاک ہو گئے، ان کی لاشیں جل کر سیاہ ہو گئیں..... آئل ٹینکر ڈرائیور کو

رہنہ کر لیا گیا ہے، وہ پولیس کی تحویل میں ہے، وہ تو شکر ہے کہ آئل ٹینکر خالی تھا مگر وہ تینوں

نہ نہ بچ سکے..... ڈاکٹر حیات کچھ لمحے خاموش رہا..... دوسری جانب شیخ سلطان بھی

خاموش رہا تھا، پھر ڈاکٹر حیات کی آواز ابھری۔“

”شیخ سلطان۔“

”ہوں۔“

شیخ سلطان نے ڈاکٹر حیات کا ٹیلی فون نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا.....
 حیات کو اس وقت کلینک میں ہی ہونا چاہئے تھا..... کلینک اب بھی ایک محفوظ جگہ ہے
 صرف اس خیال سے کہ وہاں دن رات کام ہوتا تھا اور ڈاکٹر حیات نے کئی لاکھوں لی
 تھیں..... بہر حال چند لمحات کے بعد اس کا رابطہ ڈاکٹر حیات سے ہو گیا۔

”میں ایم ایس بول رہا ہوں۔“

”اوہ شیخ سلطان خیریت کیا بات ہے۔“

”کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“ شیخ سلطان نے کہا۔

”کیوں۔“ ڈاکٹر حیات کی آواز ابھری۔

”حالانکہ تم ہی سختی سے اس بات کی پابندی کرتے تھے کہ اپنے اصل ناموں سے

منظر عام پر نہ آئیں۔“

”شیخ سلطان میں سخت بد دل ہوں..... تم نہیں جانتے کہ راتوں کو انجکشن لے کر

ہوں ورنہ سونے کی ہلکی پھلکی دوائیں مجھ پر بے اثر ہیں۔“

”اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر حیات بہر حال ہم لوگ ایک ہی

کے سوار ہیں، یہ بتاؤ کچھ معلوم ہو لیا نہیں۔“

”کیا؟“

”کوئی اہم بات معلوم ہوئی۔“

”خدا کے لئے اس انداز میں گفتگو نہ کرو..... کون سی اہم بات کی بات کر رہے ہو

”اس حادثے کے بارے میں کہیں سے تمہیں اطلاع ملی یا نہیں۔“

بچہ بلاوجہ ہے..... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں ہلاک کیا گیا ہو۔
”کس نے ہلاک کیا ہو گا انہیں؟“

”یہ ہی تو ابھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”ہو نہ بہر حال اب جو کچھ بھی ہے لیکن ایک بات بتاؤ۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا۔

”ہاں بولو کیا؟“

”جو کام اس دن ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہوا تھا اس کے لئے کیا رہا۔“

”یعنی؟“

”بھی ذمہ داری جو تم نے قبول کی تھی..... میرا مطلب ہے اعظم بیگ کے گھر پر۔“

”ڈی آئی جی نادر حیات اور شہاب ثاقب کی موت کے سلسلے میں۔“

”ہاں۔“

”اس کے لئے میں نے کچھ انتظامات کئے ہیں کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم چند الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں..... درحقیقت ہمیں جتنی ذمہ داری اور ہوشیاری کے ساتھ یہ کام کرنا ہے..... تم اس کا تو تصور کرو دانی شاہ کی موت کے سلسلے میں یہ ہی دو نام سامنے آئے ہیں بلکہ وہ کیا خصوصی طور پر ایک ہی دو نام کا تذکرہ کرو اور وہ ہے شہاب ثاقب اور اس کے علاوہ شہاب ثاقب کے بارے میں جو رپورٹیں موجود ہیں اور جن سے ہماری شناسائی ہو چکی ہے، وہ یہ ہیں کہ وہ لومڑی سے زیادہ چالاک، شیر سے زیادہ نڈر اور گینڈے سے زیادہ طاقتور ہے..... ایک ایسے افسر اعلیٰ پر آسانی سے ہاتھ ڈالنا کیا ممکن ہو گا..... پھر اس شخص کا ماضی بھی بڑا خطرناک ہے..... بہت سے ایسے لوگوں کو یہ جال میں پھانس چکا ہے جو اپنے آپ کو ناقابلِ تخریب سمجھتے تھے۔“

”تم تو اس کی تعریف کرنے بیٹھ گئے۔“

”نہیں میں اس شخص کی حقیقت بیان کر رہا ہوں۔“

”خیر آگے بڑھو تمہیں پتا ہے کہ تم لوگ تو ابھی تک محفوظ ہو صرف میری ہی جان بولی پر لٹکی ہوئی ہے اور میں اس پریشانی کا شکار ہوں کہ وہ اپنے چیلنج کو کس طرح پورا کرے گا۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا۔

”ٹھیک ہے..... میں یہ صرف اس لئے کہہ رہا تھا۔“

”کیا یہ ایک طرح سے بہتر نہیں ہوا۔“

”موجودہ حالات میں اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ان لوگوں کی آمد اور ہم پر ہونے والا ایک مناسب عمل تھا۔“

”تم وہی بات کر رہے ہو ڈاکٹر حیات جس کے لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔“

”اوہ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو..... ہم شدید مشکلات کا شکار ہو گئے تھے..... وہ لوہے ہمارے بارے میں سنڈکیٹ کو جو رپورٹ دیتے اس کے نتائج پر ہم بحث کر چکے ہیں کہ ہمارا موت کی شکل میں بھی نکل سکتے تھے..... ان کا حادثہ ہو گیا، اب کمپنی ہی ان شناساؤں کو اطلاع دے گی جو ان سے متعلق ہیں اور اس کے ذریعے یہ اطلاع سنڈکیٹ کو پہنچے گی..... سنڈکیٹ اگر ہم سے رجوع کر لے گی تو ہم جانتے ہو کیا جواب دیں گے۔“

”کیا؟“

”ہم یہ ہی کہیں گے کہ ظاہر ہے وہ ہمارے لئے محترم تھے اور ہم ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتے تھے، ان کے اپنے مشاغل ایسے تھے جن پر ہمیں خود بھی اعتراض تھا..... ظاہر ہے شراب کے نشے میں دھت ہو کر وہ ڈرائیونگ کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں ہر طرح کی پڑکائیں کی ہیں لیکن انہوں نے ہم پر دباؤ ڈالتے ہوئے یہ ہی کہا کہ وہ جس مشن پر آئے ہیں ان کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں، ہم صرف اپنے کام سے کام رکھیں۔“

”یہ تو ٹھیک ہے مگر اس سے فائدہ کیا ہو گا۔“

”یاد رکھا کرتے ہو فائدہ بے شک کوئی بڑا نہیں ہو گا لیکن ہمیں سنبھل کر کچھ کرنے کے لئے وقت تو مل جائے گا..... ابھی تو ان لوگوں کی آمد نے اور ان کے سوالات ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔“

”ہو نہ مگر اس کا ایک اور پہلو بھی تو ہے۔“ ڈاکٹر حیات شیخ سلطان نے کہا۔

”وہ کیا؟“

”ہم یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ حادثہ اتفاقی نہیں ہو سکتا۔“

”تو تمہارا کیا مطلب ہے۔“

”دیکھو..... وہ لوگ کمپنی کی کار میں جا رہے تھے..... آئل ٹینک نے انہیں ٹکرا دیا۔“

گاڑی تباہ ہو گئی، اس میں آگ لگ گئی اور وہ لوگ ہلاک ہو گئے سمجھ رہے ہوں تم کیا بے

”مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم کیا کر رہے ہو۔“

”یہ ہی بتا رہا ہوں۔“

”اُف مائی گاڈ..... میرا ذہن کسی قدر منتشر ہو گیا ہے، پتا نہیں یہ صرف حادثہ ہے۔“

”ہاں یہ تو مجھے بھی پتا نہیں۔“

”خیر تم تذکرہ کر رہے تھے۔“

”تم سارا کالونی کے چینا کو جانتے ہو؟“

”کیا؟“ ڈاکٹر حیات نے کہا۔

”سارا کالونی کا ایک خطرناک آدمی جس کا اصل نام نجانبے کیا ہے لیکن چینا کے ہاں

پہچانا جاتا ہے۔“

”وہ غنڈہ جو۔“

”ہاں اسی کی بات کر رہا ہوں۔“

”ہاں..... نام سنا ہوا ہے لیکن ظاہر ہے مگر تم اس کا نام کیوں لے رہے ہو۔“

”میں اس سے بات چیت کر رہا ہوں اور ایک مخصوص طریقے سے میں نے اسے

کیا ہے..... وہ شہاب سے مقابلہ میں لایا جاسکتا ہے۔“

”ایک معمولی غنڈہ۔“ ڈاکٹر حیات حیرت سے بولا۔

”معمولی تو تم اسے نہیں کہہ سکتے..... آدمی بے حد خطرناک ہے..... لیکن ذرا تم:

تجویز پر غور کرو۔“

”ہاں بولو۔“

”وہ کرائے کا قاتل بھی ہے اور ایسے افراد اگر کوئی جرم کریں تو تم سمجھتے ہو کہ

کس طرف جائے گا۔“

”سمجھا دو..... سمجھا دو مجھے۔“

”یہ ہی سوچا جائے گا کہ چینا کسی بات پر ان دونوں افراد سے خوفزدہ تھا اور ان

انہیں قتل کر دیا۔“

”ہو نہ وہ تیار ہو جائے گا۔“

”تقریباً آدھا تیار ہو چکا ہے۔“

”تمہاری شخصیت سے واقفیت ہے۔“

”نہیں کچھ الگ ذرائع سے میں نے اس سے رابطہ قائم کیا ہے۔“

”اور وہ الگ ذرائع تمہیں جانتے ہیں۔“

”اب ظاہر ہے اتنا رسک تولینا ہی پڑتا ہے۔“

”میری جان یہ تو سوچو کہ اگر وہ گرفتار ہو گیا تو۔“

”تو وہ ذرائع جن سے میرا رابطہ ہوا ہے اسے زندہ کب چھوڑیں گے۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ چینا ان دونوں کو قتل کرے گا اور میرے وہ خاص آدمی اسی جگہ چینا کو

قتل کر دیں گے۔“

”ہو نہ..... پروگرام میں کوئی دقت پیش آسکتی ہے میرا مطلب ہے کوئی ایسی مشکل جو

اس پروگرام کو گڑبڑ کر دے۔“

”بظاہر نہیں..... چینا بے حد خطرناک انسان ہے اور اپنے کام بڑی خوش اسلوبی سے

سرا انجام دیتا ہے..... شاید تم بھول گئے اس نے کئی سیاسی شخصیتوں کو بھی ختم کیا ہے اور یہ

بات ہمارے علم میں تھی، لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا، جبکہ اخبارات

نے اور سرکاری ذرائع نے کھلم کھلا اس کی جانب اشارہ کر دیا تھا..... وہ اب بھی محفوظ ہے۔

”کتنی رقم پر معاملہ طے ہوا ہے۔“

”معاوضہ اس کے شایان شان ہی دینا پڑے گا، یعنی اتنا ہی بڑا معاوضہ جتنا کسی بڑی

سیاسی شخصیت کے قتل کا ہو سکتا ہے۔“

”بات ہو گئی ہے تمہاری۔“

”صاف بھی کسی حد تک میں نے کہا ناں کچھ ایسے مراحل باقی ہیں جنہیں سرانجام

دینا ہے۔“

”یہ وہی کہوں گا کہ جس قدر جلد ہو سکے یہ کام کر لو، ان تینوں کا ختم ہو جانا ہمارے لئے

ایک طرح سے باعث خوشی ہے اور اس سلسلے میں ہم سنڈیکیٹ کو ایک غم ناک خبر دینے

والے ہیں، لیکن بہر حال اس کے ساتھ ساتھ ہی ان دونوں اہم آدمیوں کی موت بھی

ندے لئے اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے۔“

”معاف کیجئے گا کیا آپ کا تعلق ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔“ توصیف نے چونک کر

اسے دیکھا اور بولا۔
”جی ہاں۔“

”میرا شوہر ٹیلی فون کی لائن کاٹ گیا ہے آپ براہ کرم میرے لئے تکلیف کریں
جے۔۔۔۔۔ توصیف نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔۔۔۔۔ لڑکی کی عمر چوبیس پچیس سال سے
بڑا نہیں ہوگی، اچھا بہترین لباس پہنے ہوئے تھی۔۔۔۔۔ اچھی شکل و صورت کی مالک تھی،
لیکن چہرے پر کوئی ایسی خاص بات نظر نہیں آئی تھی جو توصیف کے لئے باعث حیرت ہوتی،
بلکہ اس کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔۔۔۔۔ توصیف نے کہا۔
”آپ کے شوہر نے لائن کاٹ دی ہے۔“

”جی ہاں۔“
”کیوں؟“

”اس لئے کہ میں اپنے گھر والوں کو فون نہ کر سکوں۔“
”تو آپ لائن کا تار جوڑ لیجئے گا۔“

”مجھے نہیں آتا۔“ توصیف نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر شانے ہلاتے ہوئے بولا۔
”آئیے مجھے دکھائیے۔۔۔۔۔ چھوٹا سا خوب صورت سا بنگلہ تھا اور کوئی وہاں معلوم نہیں
ہوتا تھا۔۔۔۔۔ توصیف کے ذہن میں بہت سے خدشات بھی تھے لیکن بہر حال جب آہی گیا تھا
تو ایک نگاہ دیکھنا ضرور تھا۔

”آپ دیکھئے پلیز۔۔۔۔۔ نجائے کہاں سے کم بخت لائن ڈراپ کر گیا ہے۔۔۔۔۔ توصیف
نے فون کا ریسیور اٹھا کر دیکھا۔۔۔۔۔ پھر اس کے بعد وہ تار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور ایک
پلے سے اسے تار کٹا ہوا نظر آگیا چونکہ اس وقت اس کے پاس ایک لائن مین کی حیثیت سے
ٹیلی فون سے متعلق تمام چیزیں موجود تھیں۔۔۔۔۔ اس لئے اس نے اپنے تھیلے سے اوزار وغیرہ
نکالے اور اس کے بعد لائن جوڑ کر ٹیلی فون سیٹ کر دیا۔۔۔۔۔ لڑکی اس کے ساتھ ساتھ موجود
تھی، لیکن توصیف ہوشیار بھی تھا، ایسے معاملات میں کوئی بھی سنگین گڑبڑ ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔
اس بات کو اس نے ذہن میں رکھا تھا۔۔۔۔۔ پھر وہ لڑکی کے ساتھ واپس اندر آیا اور ریسیور
انٹرکان سے لگایا۔۔۔۔۔ لائن آرہی تھی، اس نے ریسیور لڑکی کی طرف بڑھا کر کہا۔

”اس سلسلے میں اگر تمہارے ذہن میں کوئی اور تجویز ہو تو بتاؤ۔“

”نہیں لیکن میٹنگ تو کرنا ہی ہوگی اور یہ طے کرنا ہوگا کہ ان تینوں کی موت کا مطلب
مطلب ہے موت کی خبر سنڈیکٹ کو کس انداز میں دی جائے۔“
”اس کے لئے کیا اعظم بیگ کی وہی رہائش گاہ مناسب رہے گی۔“
”نہیں۔“
”کیا مطلب؟“

”ایک ہی جگہ بار بار ہم سب کا پہنچنا خطرناک ہو سکتا ہے اور وہ بھی ان حالات میں جب
میرا کلینک خطرے میں پڑ گیا ہے، بہر حال گفتگو ختم کرو میں اب اس سلسلے میں مزید
چیت نہیں کرنا چاہتا، جب بھی میٹنگ کے لئے جگہ کا تعین کر لو مجھے اطلاع دینا۔
”اوکے۔۔۔۔۔ شیخ سلطان نے کہا اور اس کے بعد فون کا ریسیور رکھ دیا، پھر وہ کی ہرزا
سوچ میں ڈوب گیا تھا۔“



توصیف آہستہ آہستہ ٹیلی فون کے پول سے نیچے اتر آیا، اس کے جسم پر ٹیلی فون
لائن مین کی وردی تھی جس میں ایک زبردست ڈیوائس رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک
اعلیٰ درجے کا ٹیپ ریکارڈر جو بہت چھوٹا سا تھا منسلک تھا۔۔۔۔۔ اس وقت اس نے جو گفتگو یاد
کی تھی وہ اس کے لئے ناقابل یقین حیثیت کی مالک تھی، اتنے زبردست انکشافات تھے ان
گفتگو میں کہ توصیف خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔۔۔۔۔ شہنشاہ کی طرف سے
ہدایات ملیں تھیں اور اسے ڈاکٹر حیات کے کلینک سے کچھ فاصلے پر ایک طویل ڈیوٹی سرانجام
دینی پڑی تھی، لیکن بہر حال ڈبل اوگینگ کے ممبر کسی بھی کام کو کام کے طور پر کیا کرتے تھے
وہ کام کیا ہے اور کس حیثیت کا حامل ہے، اس پر وہ کبھی غور نہیں کرتے تھے، چنانچہ توصیف
پوری محنت اور ذہانت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا رہا تھا اور اس نے بڑی خوش اسلوبی
سے سارے انتظامات کئے تھے، حالانکہ لائن مین کی وردی میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا
اسے کچھ دلچسپ واقعات کا گزرنہ ہو تو بھلا زندگی کی کہانیاں کہاں ترتیب پائیں، وہ اسی درجہ
میں موجود تھا اور ٹیلی فون کے پول سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا تو ایک نوجوان لڑکی اس
پاس پہنچ گئی اور نرم لہجے میں بولی۔

ایک لمحے میں زندگی بھر کا عذاب سر پر مسلط ہو جاتا ہے، فیاض بیگ کی بیوی ہوں میں.....
 جانتے ہیں آپ فیاض بیگ کی عمر کیا ہے، اس وقت اڑتالیس سال اور میں تیس سال کی
 ہوں..... عورتوں والے جھوٹ نہیں بولے سچ بتا رہی ہوں آپ کو..... والد صاحب حضور
 ان فیاض بیگ صاحب کی فرم میں اکاؤنٹنٹ تھے، ایسے متاثر تھے ان سے کہ بس اپنی دنیا ان پر
 بڑھ کر تھے..... سب پیٹ کا چکر ہوتا ہے..... دولت کے لالچی لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ
 دولت کے حصول کے لئے وہ کون سی ایسی قریبی چیز ہے جسے وہ بچ سکتے ہیں..... بچ دیا والد
 صاحب نے ہمیں، بیوی مرگئی تھی ان فیاض صاحب کی اور ٹھیک مرگئی ہوگی..... زندگی
 عذاب کر رکھی ہوگی اس کی بھی..... بس ابا جان قبلہ کو اتنا رحم آیا کہ میری شادی اٹھا کر ان
 کے ساتھ کر دی..... شریف زادی ہوں..... ناں شریف زادی..... لیکن کیا کروں.....
 فیاض بیگ صاحب تو احساس کمتری کا شکار ہیں..... دیوانگی کی حد میں داخل ہیں، سارے
 الزامات مجھ پر ہیں مجھ پر..... گھر ٹیلی فون کرتی ہوں تو کہتے ہیں کہ میں ان کی شکایت کروں
 گی، بس ہر روز ایک نئی حرکت کرتے ہیں..... خدا یا خدا کیا کروں یہ بھی تو نہیں کہہ سکتی کہ
 خدا انہیں عارت کر دے، بس یہ ہی کہہ سکتی ہوں کہ خدا مجھے ہی عارت کر دے، تاکہ اس
 عذاب سے جان چھوٹے..... توصیف نے جلدی جلدی چائے حلق میں اُنڈیلی تھی، پھر اس
 نے آہستہ سے پوچھا۔

”آج بھی آپ کی ان سے لڑائی ہوئی ہے؟“

”مجھے بھلا لڑنے کا موقع دے گا وہ شخص..... ارے ڈیوس ہے ڈیوس..... معافی چاہتی
 ہوں..... چائے پی آپ نے۔“ وہ سنبھل کر بولی۔

”ایں..... جج جی ہاں۔“

”تو آخری گھونٹ لیں اور جائیں یہاں سے..... آپ تو جم ہی گئے..... لوگ بھی کمال
 کے ہوتے ہیں ایک جھوٹا سا احسان کر دیتے ہیں اور اس کے بعد سوچتے ہیں کہ بس اب اس کا
 مطالبہ من مانی کر کے وصول کریں، جلدی چائے ختم کریں، اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو میرا تو
 مسئلہ تباہ ہو جائے گا، ویسے بھی اڑتالیس سالہ شخص کی تیس سالہ بیوی کو نجانے کیسے کیسے
 اصل سے..... ارے پلیز کمال کر رہے ہیں آپ چائے ختم نہیں ہوئی، آپ کی تورکھ دیجئے
 جلد..... بہت بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے میرا ٹیلی فون ٹھیک کر دیا اور توصیف باقی بچی

”دیکھ لیجئے چیک کر لیجئے۔“

”ٹھیک ہو گیا۔“ وہ پر مسرت لہجے میں بولی۔

”جی۔“ لڑکی نے ریسپور کان سے لگا کر لائن چیک کی..... پھر آہستہ سے بولی۔

”کتنے پیسے دوں آپ کو؟“

”نہیں میرا تعلق تو ٹیلی فون کے محکمے سے ہے۔“

”مگر آپ نے ان آفیشی یہ کام ہے۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا کام تو کام ہی ہوتا ہے۔“

”شکریہ لیکن ایک پیالی چائے تو پی لیں آپ میرے ساتھ۔“

”نہیں..... محترمہ پھر کیا فائدہ..... معاوضہ ہی ہو جائے گا۔“

”فرشتہ بننے کی کوشش مت کیجئے..... انسان انسان ہی بن جائے کافی ہے، جبکہ اس

میں سب کچھ مل جاتا ہے..... انسانوں کے سوا پلیز میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لیجئے

خوشی ہوگی..... توصیف چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا اور پھر جو کام کر رہا تھا اس میں

اسے کوئی مشکل نہیں تھی، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اس کے پاس ایسے انتظامات تھے کہ

حیات کلینک میں خصوصی طور پر آنے والی ہر کال سن سکتا تھا..... لڑکی نے اسے بیٹھے کی

کش کی اور چائے بنانے چلی گئی، لیکن توصیف ہوشیار تھا..... بہر حال اس وقت تک کوئی

نہ ہوئی جب تک لڑکی چائے کی دو پیالیاں اٹھائے ہوئے اندر نہ آگئی۔

”ایک کپ لے لیجئے اس میں سے..... دوسرا میرا ہے۔“ اس نے کہا اور توصیف

ایک پیالی چائے اٹھالی..... لڑکی آہستہ سے بولی۔

”سوچ تو رہے ہوں گے آپ کہ میں نجانے کس ٹائپ کی عورت ہوں..... بات

میں ماں باپ کی زبردستی اور انا پرستی کی ہے..... اگر ہم لڑکیاں زبان کھولیں تو بے فائدہ

بے حیائی کا اشتہار لگا دیا جاتا ہے ہم پر..... ماں باپ کہتے ہیں کہ بے شرم ہو گئے ہیں،

پرانے زمانے کی بات اور ہے، انسان سیدھے سادھے ہوا کرتے تھے..... ہزار دو ہزار میں

ایک برا نکل آیا تو وہ بھلا کس گنتی میں شمار..... یہ دور دیکھئے فراڈ ہی فراڈ ہیں، کیا نہیں

دور میں دنیا بدل گئی، لیکن ماں باپ نہیں بدلے..... دو سیکنڈ میں عزت آبرو داؤ پر لگ

ہے..... اپنی مرضی سے جو دل چاہیں کر دیں انہیں پوچھنے والا کوئی نہیں..... یہ نہیں

”تم پولیس ہیڈ آفس پہنچ جاؤ..... لائن مین کے لباس میں ہو۔“

”جی سر۔“

”کوئی بات نہیں..... لباس تبدیل کر لو اور پولیس ہیڈ آفس پہنچ جاؤ..... لباس تبدیل کرنے کے بعد شہاب کے ٹیلی فون پر یہ چیک کر لینا کہ شہاب ہیڈ آفس میں موجود ہے یا نہیں، ساری رپورٹ اسے دے دو اور اس سے کہو کہ اس رپورٹ پر مجھ سے گفتگو کرے، ذریعہ پر کوئی اور ہدایت قبول نہ کرنا اور یہ کہہ دینا کہ میں نے کہا ہے۔“

”جی سر۔“

”تو پھر جاؤ لباس تبدیل کر کے شہاب تک پہنچ جاؤ، باقی رپورٹ میں شہاب ہی سے لے لوں گا..... تم بے فکر رہو۔“

”بہت بہتر جناب بہت بہتر۔“ توصیف نے جواب دیا اور پھر اس کے بعد سلسلہ منقطع کر کے گہری گہری سانس لینے لگا، بہر حال اسے واپس اپنے ٹھکانے پر جانا تھا، ٹھکانا وہی قدیم قلعہ تھا جس نے ان لوگوں نے اپنے مشن کی ابتدا کی تھی۔



شہاب نے پرتپاک انداز میں توصیف کا خیر مقدم کیا تھا..... توصیف ایک سادہ سے لباس میں ملبوس بہت سمارٹ نظر آ رہا تھا، اس نے شہاب کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”یوں محسوس ہوتا ہے سر جیسے آپ کے پاس میری آمد غیر متوقع نہ ہو۔“

”ہاں توصیف یہ ہی بات ہے مجھے چیف کی طرف سے تمہارے آنے کی اطلاع مل چکی ہے، غیر متاؤک صورت حال ہے۔“

”اگر چیف کی طرف سے آپ کو میری آمد کی اطلاع مل چکی ہے جناب تو یہ بھی علم ہو گا کہ میں کس سلسلے میں کام کر رہا ہوں۔“

”ہاں توصیف بالکل صورتحال وہی بڑی جلدی چل رہی ہے اور اس سلسلے میں چیف نے اپنے طور پر جو معلومات حاصل کی ہیں ہمیں اس کے تحت کام کرنا پڑ رہا ہے..... یہ بات ہم سب علم میں ہے کہ تم ٹیلی فون کے لائن مین کی حیثیت سے ڈاکٹر حیات کے کلینک کے آگے متعین ہو اور غالباً اس کے ٹیلی فون ٹریس کر رہے ہو۔“

”نہ اس کا مطلب ہے میری مشکل آسان ہو گئی۔“ توصیف نے مدہم سانس لیتے

چائے چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا، باہر نکلنے کے بعد اس نے بہت دیر تک خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی کھوپڑی کی ماش کی تھی، لیکن بہر حال ایک دلچسپ واقعہ تھا اور تھوڑا سا انفسوس ناک بھی خاصی شکل و صورت کی لڑکی بے چاری ان حالات کا شکار ہو گئی تھی کہ ایٹارمل کی تھی..... توصیف اس کی اس کیفیت پر ڈھکی تھالیکی بہر حال..... پھر اسے وہ اشارہ ملا تھا..... سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حیات کلینک سے پرستل ٹیلی فون پر کوئی کال آرہی ہے اور توصیف پھرتی سے پول پر چڑھ گیا تھا اور اس نے ڈیوائس سیٹ کر کے اس کال کو نوٹ کر لیا تھا..... کانوں پر لگے ہوئے اس فون میں ساری گفتگو سنائی دیتی رہی اور توصیف کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا..... شہاب نے شہنشاہ کی حیثیت سے اسے کچھ اشارے دیئے تھے..... اس سلسلے میں ساری گفتگو انہی اشاروں کا نچوڑ تھی..... بہر حال توصیف نیچے اتر آیا اور اس کے بعد پائپ لائن کی طرف بڑھ گیا جو کافی فاصلے پر پڑی ہوئی تھی اور اس کے نیچے بڑی چھاؤں تھی ہوئی کراسنگ نے اسے جنت بنا رکھا تھا اور توصیف زیادہ وقت اسی پائپ لائن کے آگے رہ رہا تھا..... یہاں پہنچ کر اس نے جلدی سے اپنا وہ ٹیپ ریکارڈر نکالا جس پر ڈیوائس سے اس نے یہ گفتگو ریکارڈ کی تھی، اسے ریوائنڈ کر کے وہ کان کے پاس ٹیپ لگا کر سننے لگا..... ایک ایک لفظ بڑی اہمیت کا حامل تھا..... کسی شیخ سلطان نے فون کیا تھا اور اس فون پر اس نے وہ گفتگو کی تھی وہ ناقابل یقین تھی..... توصیف اس گفتگو کو سن رہا تھا اور پھر اس نے ایک لمحہ غائب کئے بغیر براہ راست شہنشاہ سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا جو چند لمحات کے بعد قائم ہو گیا تھا..... دوسری طرف سے شہنشاہ کی آواز سنائی دی۔

”ہاں۔“

”سی پی کالنگ سر..... سی پی کالنگ۔“ توصیف بول رہا ہے۔

”ہاں توصیف..... بولو خیریت کیا بات ہے۔“

”سر بہت اہم رپورٹ ہے میرے پاس..... انتہائی اہم رپورٹ ہے..... میں اسے اب

تک پہنچانا چاہتا ہوں سر..... آپ یقین کیجئے میں بڑی عجیب و غریب کیفیت میں ہوں، کیا بات اتنی ہی سنگین نوعیت کی ہے۔“

”تم ایک کام کرو توصیف۔“ شہنشاہ نے کہا۔

”جی سر۔“

”میں جانتا ہوں جس قدر معلومات مجھے حاصل ہیں ان کے تحت واقعی وہ ایک حیرت انگیز انسان ہے اور میں مسٹر توصیف پتا نہیں آپ کو اس بارے میں کوئی معلومات ہیں یا نہیں، میں دعوے سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم چھان بین کریں تو ملکی انتظامیہ میں وہ کسی بہت بڑے عہدے پر فائز مل جائے گا۔۔۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ شہنشاہ کی حیثیت سے ہم اس کے بارے میں معلومات نہ حاصل کر سکیں لیکن بہر حال اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ خود وہی معمولی شخصیت نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ توصیف حیران نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگے۔۔۔۔۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنسنی پھیل گئی تھی، اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

”خدا کی قسم ویسے تو ہم نے اس کے بارے میں ہر بات سوچی ہے مسٹر شہاب لیکن یہ ایک اجنبی سوچ ہے۔۔۔۔۔ ایک نیا خیال نیا احساس۔۔۔۔۔ اود میرے خدا حالانکہ بات کتنی واضح ہے وہی اعلیٰ ترین سرکاری عہدے دار ہی اس قدر وسائل رکھتا ہوگا کہ ہر مشکل پر قابو پالے۔۔۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود بھی انتہائی ذہین اور با عمل شخص ہوگا، لیکن اس کے اختیارات بے پناہ ہوں گے، سوچی جاسکتی ہے یہ بات سوچی جاسکتی ہے، سوائے ایک مشکل کے۔“

”وہ کیا؟“ شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

”ابتداء میں ہم بڑے بے وسائل تھے اور ایسے ایسے معمولی کارنامے سرانجام دیا کرتے تھے کہ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شہنشاہ بھی اس وقت کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔“ آپ کیا پنا پسند کریں گے مسٹر توصیف۔“ شہاب نے کہا توصیف نے چونک کر شہاب کو دیکھا اور پھر بے اختیار ہنس پڑا پھر بولا۔

”معافی چاہتا ہوں شہاب صاحب۔۔۔۔۔ کبھی کبھی انسان جذبات میں یہ بہہ کر بہت معمولی سا آدمی بن جاتا ہے۔۔۔۔۔ بچوں کی طرح پر تجسس ہو جاتا ہے، اصولی طور پر مجھے آپ نے پاس سے اٹھ جانا چاہئے تھا۔۔۔۔۔ آپ نے یہ سوال کر کے مجھے یہ احساس دلایا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔“

شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔

”نہیں واقعی آپ بتائیے کیا پلاؤں میں آپ کو۔“

”بے حد شکر ہے۔“ توصیف نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔۔۔ پھر اس نے شہاب سے مصافحہ کیا اور باہر نکل گیا شہاب مسکراتا رہا تھا، پھر کچھ دیر کے بعد اس نے پر تجسس

ہوئے کہا اور شہاب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔۔۔۔۔ توصیف نے کہا۔

”یہ ایک ٹیپ ہے میرے پاس اور یہ ٹیپ ریکارڈر بھی ہے۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے آپ ہی لے لیجئے کیونکہ آپ کو چھوٹے سائز کا ٹیپ ریکارڈر مہیا کرنے میں دقت ہوگی۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ یہ تم نے ٹیلی فون ڈیوائس سے ٹیپ کیا ہے؟“

”جی سر۔“

”یقینی طور پر اس میں کوئی بہت ہی اہم رپورٹ ہوگی۔“

”جی سر۔“

”چلو ٹھیک ہے میں اسے دیکھ لوں گا۔“ شہاب نے جواب دیا پھر بولا۔

”تمہیں شہنشاہ نے ہی میرے پاس پہنچنے کی ہدایت کی ہوگی۔“

”جی۔“

”مجھے اس کی اطلاع دی گئی ہے کہ مسٹر توصیف آنے والے ہیں اور وہ جو کچھ ہر

حوالے کریں، میں اس کے مطابق غور کر کے اس پر عمل کروں۔“

”بالکل ٹھیک میرے لئے کوئی ہدایت ہے؟“ توصیف نے سوال کیا۔

”میرا خیال ہے نہیں اور اگر کوئی ضرورت پیش آئی مسٹر توصیف تو ظاہر ہے

آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔۔۔۔۔ پہلے یہ دیکھ لوں کہ آپ نے اس سلسلے میں کیا کارنامے

سرانجام دیا ہے۔“

”بہتر۔۔۔۔۔ ویسے یہ سنسنی خیز صورت حال۔“

”یقیناً ہوگی ورنہ شہنشاہ اس کے لئے اتنی تگ و دو نہ کرتا اور یہ بات تو ہم جانتے ہیں

معاملہ اسی مسئلے میں چل رہا ہے اور میرا آئیڈیا ہے توصیف کہ چیف ان لوگوں کو آسانی

نہیں چھوڑے گا جو اس کے لئے چیلنج بن گئے ہیں۔“

”چیف نے ہر چیلنج کا مقابلہ کیا ہے۔۔۔۔۔ مسٹر شہاب ہم تو اس وقت سے اس عظیم

شخصیت کے ہمراہ ہیں جب ہمارے پاس ذرہ برابر وسائل نہیں تھے اور ہم لوگ بالکل

سی حیثیت کے لوگ تھے۔۔۔۔۔ یوں سمجھ لیں جیسے محلہ میں کمیٹیاں ہوتی ہیں اور سرنگوں

جگہ بٹھا دیا جاتا ہے، بس اپنے طور پر جو کچھ بھی کر سکتے تھے کر لیا کرتے تھے، لیکن آج

بدولت ہم آپ کے سامنے موجود ہیں اور ہمیں ایک باقاعدہ سرکاری عہدہ دیا گیا ہے۔“

نگاہوں سے سامنے رکھے ٹیپ ریکارڈر کو دیکھا اور اس کے بعد ٹیل بجا کر چڑا سی کو طلب کیا۔
”اس وقت تک جب تک میں تمہیں دوبارہ یہ نہ کہوں کہ مجھے فرصت ہے، کسی شخص کو اندر نہ آنے دینا ٹھیک ہے۔“

”جی سر۔“ چڑا سی نے کہا اور باہر نکل گیا۔ شہاب نے قریب رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کے ریسیور بھی اتار کر نیچے رکھ دیئے اور اس کے بعد ٹیپ ریکارڈر کا ٹیپ ریوائنڈ کرنے پر ٹیپ ریوائنڈ ہو گیا اور اس نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا اور بغور اس پر ریکارڈر گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ شیخ سلطان اور ڈاکٹر حیات کے درمیان ہونے والی گفتگو تھی۔ شہاب نے پہلے اسے سنا اور اس کے چہرے پر شدید تجسس کے آثار پھیل گئے، اس کا مطلب ہے توصیف کی سنسنی بے مقصد نہیں تھی، ابھی تک اسے اس ایکسیڈنٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، اخبار سرسری طریقے سے نگاہوں سے گزرا تھا۔ ٹریفک کے حادثات اس قدر ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک حادثے پر خصوصی طور پر توجہ دینا مشکل ہی ہوتا ہے، خصوصاً جب وقت مختصر ہو پورا ٹیپ سننے کے بعد شہاب نے دوبارہ کیسٹ ریوائنڈ کیا اور پھر ایک پیڈ اور پین نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ کیسٹ کو اس نے دوبارہ آن کیا اور پھر تمام نوٹس لینے لگا، اس کمپنی کا نام اس نے نوٹ کیا جس کے تین افراد حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ حادثے کی جگہ علاقے کا تھانہ تمام چیزیں اس نے پیڈ پر نوٹ کر لی تھیں، بات قابل توجہ تھی اور بہت غور کرنے کا مقام تھا کیونکہ اس گفتگو میں خود اس کی ذات کی بھی جگہ جگہ نشاندہی کی گئی تھی۔ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے بارے میں بھی بڑی سنسنی خیز گفتگو تھی، یہ تمام چیزیں مل کر شہاب کو احساس دلارہی تھیں کہ بہت ہی سنجیدگی کی ضرورت ہے۔ بہر حال ٹیپ ریکارڈر بند کرنے کے بعد اس نے کیسٹ نکال کر اپنے پاس محفوظ کیا۔ ٹیپ ریکارڈر کو بھی وہاں سے ہٹا کر ایک الماری میں رکھ کر لاک کیا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ تقریباً تیس پینتیس منٹ تک وہ کاغذ پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچتا رہا تھا، اس پر کچھ لکھتا رہا تھا۔ بے ترتیب اور بے ربط جملے خاصی دیر تک یہ سارا عمل کرنے کے بعد وہ اپنے جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، پھر اس نے پیڈ پر لگا ہوا کاغذ نکالا اسے ساتھ لیا اور اس کے بعد بیٹھ کر تین کاغذات گن کر جن پر اس تحریر کا امپریشن بن گیا تھا، نکال لئے اور جب اسے یہ احساں ہو گیا کہ پیڈ پر بال پوائنٹ کے امپریشن کے نشانات نہیں رہے ہیں تو وہ یہ تمام کاغذات

ساتھ لے کر واش روم کی جانب بڑھ گیا۔ انہیں ریزہ ریزہ کر کے فلیش میں ڈالا اور فلیش ٹیپ چلا دیا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ باتھ روم سے نکل کر آفس کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار پولیس ہیڈ آفس سے باہر نکل رہی تھی، لیکن اس وقت وہ وردی میں بھی تھا اور سروس ریوالور اس کے پاس موجود تھا۔ عقب میں لگے ہوئے آئینے میں دائیں بائیں اس کی نگاہ بھٹک رہی تھی اور وہ کسی چہرے جیتے کی مانند اپنا یہ سفر طے کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ وقت کے بعد وہ اس متعلقہ تھانے میں پہنچ گیا جس کے علاقے میں آئل ٹینکر اور کار کا حادثہ ہوا تھا۔



تہ پرے میں بتایا..... پھر شہاب نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر کہا۔
”مسٹر سعید میں آ رہا ہوں..... آپ وہیں رکیں۔“

”لیں سر..... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ اس طرف متوجہ ہوئے..... میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”چلو ایس آئی میرے ساتھ چلو۔“ پھر تھوڑی دیر کے بعد شہاب ایس آئی زکریا کے ساتھ جائے حادثہ پر پہنچ گیا..... معمول کے مطابق انسپکٹر نے ایک مخصوص دائرے میں بیٹیں لگادی تھیں..... آکل ٹینکر بھی وہاں سے جا چکا تھا..... کمپنی کی کار بھی تھانے میں پہنچی گئی تھی..... جسے شاید سامنے کی بجائے عقبی حصے میں رکھا گیا تھا..... انسپکٹر نے یہ ہی بتایا تھا اس نے بہر حال شہاب کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا..... شہاب نے متعلقہ علاقے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تو جگہ بھی ایسی ہے انسپکٹر سعید کہ تمہیں حادثے کے گواہان بھی نہیں مل سکے ہوں گے۔“
”قطعاً نہیں سر چونکہ حادثہ رات کو ہوا ہے، کوئی ایسی شخصیت نہیں مل سکی جو ادھر آئی نہ کہا۔“

”سر آپ یہاں شریف رکھئے..... پلیز انچارج صاحب کو موبائل پر اطلاع دے دیں گئی ہے..... وہ گشت پر ہیں۔“
”کیا نام ہے تمہارا۔“ شہاب نے اس ایس آئی کو دیکھتے ہوئے کہا جس نے ”والہ“ کہے تھے۔

”زکریا شیخ سر۔“ اس نے جواب دیا۔
”مسٹر زکریا اپنے روزنامے میں سے وہ رپورٹ نکالو جس میں آکل ٹینکر اور کار کاہ..... ہے..... کار کے اس حادثے میں تین افراد ہلاک ہوئے ہیں۔“
”جی سر..... انچارج صاحب وہیں گئے ہوئے ہیں۔“
”اوہو کیا واقعی؟“

”جی سر..... آپ فرمائیں تو میں موبائل پر ان سے رابطہ قائم کرادوں۔“
”ٹھیک ہے ذرا بات کرو اور ایس آئی نے موبائل ٹیلی فون پر علاقہ انچارج سے..... جس کا نام سعید خان تھا، اس نے پوچھا کہ وہ کیا جائے حادثہ پر موجود ہے اور پھر اس نے.....

مینکر کے ڈرائیور اور کلینر کے بارے میں کیا۔

”جی سر لاک اپ میں ہیں دونوں، تحقیقات کر رہا ہوں میں۔“

”کیا کہتے ہیں۔“

”ابھی تو سر صحیح طور سے بیان بھی نہیں لیا ہے میں نے ان کا اگر آپ حکم دیں تو۔“
 ”ہاں بالکل مینکر کہاں ہے۔“

”بڑی کمپنی کا مینکر ہے سر اس نے درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ مینکر اسے طور پر دے دیا جائے ڈرائیور اور کلینر تو قبضے میں دیئے ہی جا رہے ہیں۔“ مینکر کی کمر مت کرائی ہے تاکہ کمپنی کو نقصان نہ ہو، بہر حال بات قاعدے کی تھی مینکر کو واپس کر دیا گیا ہے۔“

”ہوں ٹھیک بلاؤ ان دونوں کو۔“ شہاب نے کہا اور ڈرائیور اور کنڈیکٹر بلا لئے دونوں کی بری حالت تھی، ڈرائیور اچھی خاصی عمر کا آدمی تھا، نیاز خان نام تھا ہاتھ جو قدموں میں گر گیا اور کہنے لگا۔

”افسر صاحب ویسے تو ہم اچھے آدمی نہیں ہیں بس جی پڑھے لکھے ہیں نہیں ڈرائیور کی زندگی جیسی بھی ہوتی ہے صاحب جی اب دنیا سے اتنے ناواقف بھی نہیں ہوئے تم کہ اس کے بارے میں نہ جان سکو صاحب جی، بس ایسی ہی زندگی گزاری ہے اس میں بڑا برائیاں بھی رہی ہیں، کہنے کا مطلب یہ ہے صاحب جی کہ زندگی میں بہت برے کام کئے گئے لیکن ایک بات ہم آپ کو بتادیں، یہ حادثہ ہم سے نہیں ہوا ہے۔“

”نام کیا ہے تمہارا؟“ شہاب نے پوچھا۔

”نیاز خان جی نیاز خان۔“

”نیاز خان عجیب بات نہیں کہہ رہے تم۔“

”صاحب جی بات لگے گی تو عجیب ہی لیکن سچی ہے اگر اللہ کے نام پر مان لو تو۔“

”تفصیل بتاؤ۔“ شہاب نے ڈرائیور کو گھورتے ہوئے کہا۔

”بات تھوڑی بہت سمجھ میں آگئی ہے جی لیکن اب یہ نہیں کہتے کہ غلطی ہماری ہے۔“ صاحب جی تھوڑی سی لگا لیتے ہیں ڈرائیور آدمی ہیں، راتوں کو مینکر لے کر ہزار میل کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ اپنا بابو جو ہے نا یہ بھی چسکی لگا لیتا ہے، تھوڑی بہت چرس دیتا

جی جاتی ہے صاحب جی، دماغ گرم کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے یہ اور عادت پڑ گئی جس صاحب جی عادت کا شکار ہو گئے۔“

”بات مختصر کرو نیاز خان کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”صاحب جی وہ سالا باہر کا آدمی تھا، اشاروں میں بات کرتا تھا، گوری چمڑی والا تھا۔“
 ”صاحب جی چرس دی اس نے ہمیں بس خود بخود ہی آکر ملا تھا اور بڑی اعلیٰ چرس تھی، ملاوٹ کے بغیر یہاں تو صاحب جی بات یہ ہے کہ جتنی رقم جیب میں ہے خرچ کر دو اصلی نشے کی چیز ہی نہیں ملتی، اس میں بھی سالی ملاوٹ ہوتی ہے، پر اس نے جو دی تھی صاحب جی۔۔۔۔۔۔ ابے ہوں بولتا نہیں ہے مزا آگیا تھا جی، بس یاری ہو گئی اور پھر رات کو بھی وہ چرس لے کر ہمارے پاس آیا تھا۔۔۔۔۔۔ سوٹا لگا یا اور اس کے بعد یہ بابو تو اسی وقت اتنا غفیل ہو گیا تھا ہمیں کچھ صحیح طور پر یاد نہیں آ رہا بابو ہمارے ساتھ تھا۔۔۔۔۔۔ وہ بندہ بھی ساتھ تھا اور اگر ہمارا خیال غلط نہیں ہے تو بولسا ہوش باقی ہے ہمیں جی مینکر وہی چلا رہا تھا، بس اللہ معلوم جی اس کے بعد کیا ہوا۔۔۔۔۔۔ پس نے پکڑ لیا نہ ہمیں حادثے کی خبر تھی اور نہ ہی پولیس کے پکڑنے کی۔“

”اچھی کہانی گھڑی ہے تم نے نیاز خان۔“

”ٹھیک ہے جی۔۔۔۔۔۔ دیکھو ایک بات بتا دیں بابو جی۔۔۔۔۔۔ افسر صاحب جی زندگی ہے تو موت بھی ہے۔۔۔۔۔۔ مرنا تو ہے ہمیں۔۔۔۔۔۔ ایسے لکھی ہے تو ایسے ہی سہی۔۔۔۔۔۔ دے دو پھانسی۔۔۔۔۔۔ بڑا کہا ہے اللہ کا نام لے کر کہا ہے۔۔۔۔۔۔ برائیاں ہیں تو مانی ہیں اور جھوٹ نہیں بولا۔۔۔۔۔۔ آپ سے پتائی کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے ہمارے پاس۔۔۔۔۔۔ بس جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔۔۔۔۔۔ اللہ کی رخصتی۔۔۔۔۔۔ بندہ کیا کر سکتا ہے۔“ نیاز خان نے کہا۔

”تمہارا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ اس وقت ڈرائیونگ تم نہیں کر رہے تھے۔“

”صاحب جی۔۔۔۔۔۔ ایک بات کہیں آپ سے۔۔۔۔۔۔ چرس بھی بڑی پی پی ہے شراب بھی پی پی۔۔۔۔۔۔ سارے گناہ کئے ہیں مگر اس چرس میں کوئی گھپلا تھا۔۔۔۔۔۔ ایسا گھپلا جس نے اُلٹا کر دیا۔۔۔۔۔۔ پھر نہیں تھی صاحب جی وہ بلکہ کوئی اور گڑبڑ تھی، اس میں اور اس کے بعد جو ہے ہوش ہوئی تھی ہم پر پھر ڈرائیونگ کیا چاہی تک نہیں گھمائی جاسکتی۔۔۔۔۔۔ سنیرنگ تو بڑی چیز ہے۔۔۔۔۔۔“

”ہونہ۔۔۔۔۔۔ اس آدمی کا چہرہ یاد ہے تمہیں۔“

”اے بابو..... بولتا نہیں یاد ہے کچھ۔“

”کیوں نہیں جی۔“ اور اس کے بعد بابو ایک چہرے کے نقوش بتاتا رہا تھا اور یہ اس کی تائید کرتا رہا تھا، خصوصی بات یہ تھی جو بابو نے نوٹ کی تھی کہ اس آدمی کی شہادت ایک زخم تھا..... جس کی شکل بندر جیسی محسوس ہوتی تھی، کٹی ہوئی کھال جسے سائیکلر جائے تو بندر کا چہرہ نظر آتا تھا۔“ انسپکٹر سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔

”وہ بھی تجھے نشتے میں ہی نظر آیا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے انسپکٹر انہیں بند کر دو۔“ شہاب نے کہا۔

”یس سر۔“ پھر شہاب دیر تک انسپکٹر سے اس بارے میں باتیں کرتا رہا تھا

انسپکٹر سعید نے کہا۔

”سر اب میرے لئے کیا حکم ہے۔“

”نہیں تم اپنا کام جاری رکھو ویسے ایک بات کہوں انسپکٹر۔“

”جی۔“

”مارا پیٹا ہے تم نے ان لوگوں کو۔“

”نہیں سر میں نے آپ کو عرض کیا تھا کہ ابھی تک کوئی تحقیق ہی نہیں ہوئی۔“

”ویسے تم جو طریقہ کار رکھتے ہو اس کے لئے میں تمہیں کوئی ہدایت نہیں کر رہا

لیکن نیاز خان جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے، میرے پاس بھی اس قسم کے ثبوت موجود ہیں، لئے انہیں بند رکھو..... ظاہر ہے تحقیقات کے لئے ضروری ہے ابھی کوئی ضمانت وغیرہ

کرنے کی ضرورت نہیں ہے..... ویسے کوئی ضمانتی آیا تو نہیں ان کا۔“

”نہیں سر کیوں بھٹی۔“ انسپکٹر نے ایس آئی سے پوچھا۔

”نہیں سر..... کوئی بھی نہیں..... کسی نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی ہے۔“

”ہو نہہ..... ضمانتی اگر کوئی آئے بھی تو اس سے اس کا نام پتا وغیرہ لے لینا ضمانت

لینا..... باقی میں تم سے ٹیلی فون پر رابطہ رکھوں گا جو بھی صورت حال ہوئی۔“

”ٹھیک ہے جناب۔“ اور اس کے بعد شہاب وہاں سے بھی اٹھ گیا تھا، اس کا

خیالات میں ڈوبا ہوا تھا..... پھر وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے اسے بیٹا کا خیال آیا..... میں موجود تھی، زیادہ قریب تھی لیکن شہاب یہ بات بہت اچھی طرح محسوس کر رہا تھا

دہی کے بعد ایک بڑی نمایاں تبدیلی یہ آئی ہے کہ کسی بھی کیس کے سلسلے میں بیٹا کو سامنے لایا کر جب اس سے بحث ہوتی تھی تو اس کا لطف ہی کچھ اور تھا..... یہ کام اب بھی ہو سکتا تھا، مگر جا کر بیٹا سے اس سلسلے میں بات کر سکتا تھا لیکن بار بار کی گھر واپسی بند کمرے میں بیٹا سے بات پر ڈسکس یہ باتیں گھر والوں کے لئے عجیب ہوتیں اور خود کو بھی ذرا عجیب سی محسوس ہوتی تھیں..... شاید یہی وجہ تھی کہ ابھی دونوں کے ذہنوں میں شادی کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن لمحے اپنا فیصلہ خود کرتے ہیں اور وقت نے یہ فیصلہ کر دیا تھا، ایک تھوڑی سی جتنی کا احساس شہاب کو تھا لیکن بہر حال یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ وہ اس تشنگی پر غور کرے، اپنے طور پر کچھ فیصلے کرنے تھے اور یہ فیصلے کرنے کے بعد وہ آخر کار اس کمپنی کی جانب چل پڑا جس کے وہ نمائندے تھے اور جس کی طرف سے ان کی موت کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی..... یہ سارا مسئلہ ذرا سنسنی خیز نوعیت رکھتا تھا اور شہاب اس سلسلے میں اپنے آپ کو کسی الجھن کا شکار بنائے بغیر کام جاری رکھنے کا خواہشمند تھا..... بہر حال وہ کمپنی پہنچ گیا اس کی شخصیت کا تعارف ہونے کے بعد کمپنی کے جنرل مینجر مسٹر ڈیسوزا نے جو عیسائی تھے اسے خوش آمدید کہا اور شہاب اس کے سامنے بیٹھ کر بولا۔

”میں جانتا ہوں جناب کہ یہ کمپنی کا آفس ہے اور آپ کی ذمہ داریاں بے پناہ لیکن معاملہ تین افراد کے قتل کا ہے، میں اس سلسلے میں آپ کو زحمت دینے کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن ساری تفصیلات۔“

”جی ہاں وہ صحیح معنوں میں مجھ سے ملاقات بھی نہیں کر سکے تھے مسٹر فیٹ..... مسٹر رائی اینڈ مسٹر گارون ہم نے انہیں خصوصی طور پر دعوت دی تھی، حالانکہ ان کا تعلق دنیا کے مختلف ملکوں سے ہے، میں ان کی تفصیلات آپ کو مہیا کر دوں گا لیکن وہ سب ہانگ کانگ میں ہماری کمپنی کی برانچ میں کام کر رہے تھے اور اپنی نوعیت کے واحد انجینئر تصور کئے جاتے تھے..... بہر حال یہاں آکر انہوں نے چارج بھی نہیں لیا تھا اور کمپنی نے انہیں کچھ دن تک آرام کرنے کی مہلت دے دی تھی، چنانچہ اپنے طور پر وہ سیر و سیاحت کر رہے تھے کہ اس حادثے کا شکار ہو گئے۔“

”بہر حال جناب ہم اس سلسلے میں مکمل طور پر آپ سے اور مرنے والے کے لواحقین سے مدد کی کا اظہار کرتے ہیں..... تحقیقات کی جارہی ہیں، براہ کرم آپ ایک زحمت کیجئے گا۔“

”ہاں ہاں فرمائیے۔“ مسٹر ڈیوڑا نے کہا۔

”ان کے ریکارڈ وغیرہ تو آپ کے پاس ہوں گے۔“

”مکمل طور پر ان کی تفصیل وغیرہ ہمارے پاس موجود ہیں۔“

”وہ ہمیں فراہم کر دیجئے گا تحقیقات میں مدد دینی ہے۔“

”یہ کام ابھی ہو سکتا ہے۔“ مسٹر ڈیوڑا نے اپنے پی اے کو انٹر کام پر مخاطب کر

شہاب کی خواہش کے مطابق ہدایت جاری کر دیں، اس کے بعد شہاب نے کہا۔

”کیا کمپنی ان کی لاشوں کو ان کے وطن واپس بھجوانے کا انتظام کر رہی ہے۔“

”آفیسر کیا آپ نے ان کی لاشیں دیکھ لی ہیں۔“

”ابھی تک نہیں۔“

”تو ایک نگاہ ان پر ڈال لیجئے جلی ہوئی راکھ کو اگر بھیجنے کی خواہش کا اظہار کیا جائے تو

اس راکھ کو بے شک بھجوانے کا انتظام کر سکتے ہیں، اصل میں ان کے لواحقین کو اس بار

میں اطلاع دی جا رہی ہے اور یہ فیصلہ انہی کو کرنا ہے کہ کیا وہ ان جلی ہوئی لاشوں کو لے

پسند کریں گے..... کمپنی اپنے اخراجات پر انہیں بلوانے کا بندوبست کر رہی ہے اور اس سلسلے

میں ضمنی کارروائیاں ہو گئی ہیں..... لاشیں ہسپتال کے سرد خانے میں ہی ہیں، ذرا ایک

ان کا جائزہ لے لیجئے گا۔“

”ٹھیک ہے یہ معلومات حاصل کر لی جائیں گی۔“ شہاب نے کہا تھوڑی دیر کے بعد

اسے ان کے فائل موصول ہو گئے اور شہاب نے یہ فائل اپنی تحویل میں لے کر ان کی رہ

کمپنی کے جنرل منیجر کو دے دی، پھر مزید کچھ دیر تک معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی

جگہ سے اٹھ گیا اور ہیڈ کوارٹر ہی واپس آ گیا..... اس تمام تر معلومات کو اپنے طور پر

کر کے وہ ایک رپورٹ تیار کر رہا تھا..... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے ٹیلی فون پر رابطہ

کھانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ وہ موجود نہیں ہیں اور کسی کام سے گئے ہوئے ہیں..... شہاب

عقلی گھوڑے دوڑاتا رہا اور پھر نادر حیات کا ٹیلی فون ہی اسے موصول ہوا تھا..... وہ ریس

اٹھا کر ان سے بات کرنے لگا تو نادر حیات صاحب بولے۔

”تم نے مجھے کال کیا تھا..... میرے پی اے نے بتایا ہے مجھے۔“

”جی سر ملنا چاہتا ہوں۔“

”آجاء بھی فوراً آجاؤ“..... نادر حیات صاحب نے کہا۔ شہاب نے وہ ٹیپ ریکارڈر

نہیں نکالا اور ان لوگوں کے کاغذات اور فائل لے کر نادر حیات صاحب کے کمرے کی

بجلی چلی پڑا..... نادر حیات صاحب کو سیلوٹ کرنے کے بعد اس نے کہا۔

”شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس وقت ہو۔“

”بالکل وقت ہے کچھ مصروفیات تھیں جنہیں نمٹنا چاہوں۔“

”تو میں دروازہ بند کئے دیتا ہوں۔“

”میں چپڑاسی کو ہدایت دیئے دیتا ہوں تم بے فکر رہو۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور

بجلی چپڑاسی کو طلب کر کے اسے ہدایت دیں، ان کی سنسنی خیز نگاہیں شہاب کے ساتھ لائے

ہوئے ٹیپ ریکارڈر اور فائلوں پر جمی ہوئی تھیں، شہاب بیٹھ گیا تو نادر حیات صاحب بولے۔

”ہاں اب بتاؤ کیا صورت حال ہے۔“

”آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے کام شروع کیا ہوا ہے اور کام مسلسل جاری

ہے..... ایک بات فرمائیے انٹرنیشنل نار کو ٹکس کے وہ دونوں نمائندے کیا ابھی یہاں

موجود ہیں۔“

”لاڈ اور ہیکٹر۔“

”جی ہاں۔“

”ہاں دونوں موجود ہیں۔“

”آپ سے رابطہ ہے۔“

”مختصر۔“

”کیا مطلب؟“

”بھی ظاہر ہے اب میں ان کا محکمہ تو نہیں ہوں، ویسے انہیں سرکاری طور پر ٹھہرایا

نہیں، وہ اپنے طور پر ہی وقت گزاری کر رہے ہیں۔“

”آپ سے کب رابطہ قائم ہوا۔“

”اب تو خیر خاصا وقت گزر گیا۔“

”خیریت سے تو ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”نہیں بات بڑی واضح ہے یہ شیخ سلطان۔“

”جی سلطان انڈسٹریز۔“

”ہاں ہاں تم مکمل طور سے مجھے بتا چکے ہو۔“

”اور دوسرے فرد کو تو آپ پہچان ہی گئے ہوں گے۔“

”اچھی طرح لیکن بھی بڑے دل گردے کا کام ہے، ڈاکٹر حیات اب بھی ان تمام

معلومات میں ملوث ہے یعنی تمہیں چیلنج دینے کے بعد بھی۔“

”جی ہاں۔“

”مگر یہ ٹیپ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟“

”میں نے عرض کیا تھا نا کہ کام جاری ہے۔“

”مگر یہ تین افراد کیا ان کے بارے میں تم معلومات حاصل کر چکے ہو۔“

”جی ہاں یہ تین فائل موجود ہیں ان پر تصویریں لگی ہوئی ہیں، تین افراد جن میں سے

ایک کا نام راکی، دوسرا فیٹ اور تیسرا گارون ہے..... اس کمپنی میں انجینئر کی حیثیت سے آئے

تھے، آئل ٹینکر سے ان کی کار کا حادثہ ہوا جبکہ انہوں نے ابھی تک اپنا چارج بھی کمپنی سے

نہیں لیا ہے۔“

”مگر ان کے سلسلے میں تم۔“

”اصل میں سر میرا جہاں تک شبہ ہے، یہ تین افراد وہی ہیں جن کے بارے میں لائڈ

اور میکٹرنے آپ کو اطلاع دی تھی۔“

”اوہ میرے خدا اتنا تو تو کیا۔“

”جی ہاں جی ہاں اور یہ بہر حال آپ کی ذمہ داری ہے کہ ان تینوں چہروں کی تصدیق

لائڈ اور میکٹرنے سے کرا دی جائے۔“

”مگر ان کو ہلاک کس نے کیا۔“

اصلی طور پر تو جیسا کہ اس گفتگو سے ظاہر ہوا میرا مطلب ہے شیخ سلطان اور ڈاکٹر

نات کے درمیان ہونے والی گفتگو سے کہ یہ کام ان لوگوں کو ہی کرنا چاہئے تھا، کیونکہ

تجزیاتی کی جانب سے انہیں سزا کا خطرہ ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ سندیکیٹ کے نمائندے

بڑی کے سلسلے میں اپنی سپلائی رک جانے کی تحقیقات کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں ان

”میرا مطلب ہے کہ کیا مقامی حکومت کی سیکورٹی میں ہیں وہ۔“

”نہیں کیوں۔“

”میرا خیال ہے کہ ہونا چاہئے تھا۔“

”کک کیا مطلب کیا ہونا چاہئے تھا، کیا انہیں خطرہ ہے۔“

”ہو بھی سکتا ہے۔“

”یہ پیشکش انہیں کی گئی تھی۔“

”پھر۔“

”انہوں نے خود اسے قبول نہیں کیا۔“

”یعنی۔“

”یعنی انہوں نے کہا کہ وہ اپنے طور پر وقت گزاری کر رہے ہیں اور خود اپنے ذرا

ہیں۔“

”کہاں ہیں وہ۔“

”ہوٹل میں ہیں جس کے بارے میں بہر حال مجھے علم ہے۔“

”خیر ابھی میں آپ کو یہ نہیں کہوں گا کہ آپ ان کی خیریت معلوم کریں۔“

”ویسے شہاب وہ ذمہ داری ہے میری۔“

”تو بہتر یہ ہو گا کہ ان پر نگاہ رکھی جائے صرف ان کی سیکورٹی کے خیال سے۔“

”ٹھیک ہے میں انتظام کر دوں گا مگر تم بتاؤ کوئی خاص اطلاع ملی ہے۔“

”جی ہاں کام تو ہو رہا ہے۔“

”مثلاً۔“

”میں آپ کو ایک ٹیپ ریکارڈر سناتا ہوں اس پر ذرا سی تفصیلات موجود ہیں۔“

خیال ہے میرے اور آپ کے لئے معاون ہوں گی۔“ شہاب نے کہا اور ڈی آئی جی صاحب

متوجہ ہو گئے..... شہاب نے کیسٹ جو اس نے اپنے پاس ہی رکھا تھا نکال کر ٹیپ ریکارڈر

لگایا اور پھر ٹیپ ریکارڈر پر ہونے والی گفتگو سن رہے تھے اور جب یہ کیسٹ ختم ہو گیا تو شہاب

نے کہا۔

”اگر کوئی الجھن رہ گئی ہو تو میں اسے Rewind کروں۔“

پانچواں افراد کے بارے میں فوری طور پر کوئی رپورٹ سنڈیکیٹ کو نہ دینے پائیں، ان کے موت کا مسئلہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے کیونکہ نمائندے اپنی ذمہ داری پر یہاں آئے ہیں۔ سنڈیکیٹ نے انہیں پورے اعتماد کے ساتھ بھیجا ہے لیکن یہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس حادثے کے ذمہ دار یہ نہیں ہیں۔“

”ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔“ نادر حیات صاحب اُلجھے ہوئے لہجے میں بولے، ان کے نگاہوں میں ایک بار پھر تعریف کے آثار ابھر آئے تھے، شہاب کتنی باریکی سے یہ سب پتہ سوچ رہا ہے، وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ پھر انہوں نے کہا۔

”مگر شہاب تمہارا کیا خیال ہے کیا انہی میں سے کسی نے۔“

”نہیں۔“ شہاب کے الفاظ نے نادر حیات صاحب کو مزید سنسنی کا شکار کر دیا تھا۔

”تب تو پھر۔“

”ایک شخص جو غیر ملکی تھا ڈرائیور اور کلیئر سے ملا اس نے انہیں چرس پیش کی اور اوپر ویری گڈ میں تھوڑی سی اجازت چاہتا ہوں ٹیلی فون کرنے کی۔“

”ہاں۔۔۔۔۔۔ ہاں کے ٹیلی فون کر رہے ہو۔“

”ایک خیال ہے جناب اس سے پہلے کہ میں یہ فائل آپ کو تصدیق کے لئے دوں گی اور سے بھی ان کی شناخت کرانا چاہتا ہوں۔“

”جیسا دل چاہے کرو۔“

”آپ کا وقت ضائع ہونے کا مجھے افسوس ہو گا۔“

”نہیں بالکل بے فکر ہو میں فرصت سے ہوں۔“

”شہاب نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں متعلقہ تھانے کے نمبر دیکھے جہاں انسپٹر سعید خان بیٹھا ہوا تھا۔۔۔۔۔ انسپٹر سعید خان تھانے میں ہی موجود تھا اور اسی نے فون ریسیو کیا تھا۔“

”ہیلو انسپٹر سعید خان۔“

”کون صاحب بول رہے ہیں۔“

”میں شہاب ثاقب ہوں میں نے آپ سے ملاقات کی تھی اس سلسلے میں۔“

”جی سر جی۔۔۔۔۔ السلام علیکم۔“

”سعید خان مکمل اعتماد کے ساتھ ڈرائیور اور کلیئر کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔“

مطلب ہے پولیس ہیڈ کوارٹر آ جاؤ، ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔۔۔۔۔۔ کام جتنی جلدی سے کر سکتے ہو کر لو سیدھے ڈی آئی جی صاحب کے کمرے تک آ جانا۔“

”میں سر۔“ سعید خان کی آواز سنائی دی اور شہاب نے ٹیلی فون بند کر دیا، پر نادر حیات صاحب کو دیکھتا ہوا بولا۔

”اصل تو میرے ذہن میں ایک تصور ہے جناب آپ کا حکم ہو تو پہلے سے اس کی ضمانت کر دوں ہو سکتا ہے میرا خیال غلط بھی ہو۔“

”میرے سامنے تکلف کی یہ باتیں نہ کیا کرو۔“

”جناب ان تینوں آدمیوں کو یہاں کام کرنے والے افراد نے قتل نہیں کیا بلکہ مجھے یہ کوئی اور ہی پراسرار چکر معلوم ہوتا ہے۔“

”مثلاً کیا؟“

”جہاں تک میرا خیال ہے سنڈیکیٹ کے وہ تینوں نمائندے قتل ہی نہیں ہوئے۔“

”کیا؟“ نادر حیات صاحب نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے، شہاب کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اس نے کہا۔“

”حالات اسی کی جانب اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ لائڈ اور ہیکٹر نے بتایا کہ وہ تین افراد کا نائب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں اور وہ تین افراد یہی لوگ تھے جن کا تعلق سنڈیکیٹ سے ہے۔۔۔۔۔۔ یہاں کسی کمپنی کی وساطت سے آئے ہیں اب میں یہ نہیں سمجھتا جناب یہ کمپنی کی حد تک اس معاملے میں ملوث ہے، ہو سکتا ہے کمپنی کے افراد کو تمام تفصیلات کا علم ہی نہ ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ وہاں اس طرح کے بیٹھے ہوئے ہوں اس کی تحقیقات بعد میں کی جاسکتی ہے بلکہ یہ پتا بھی چلانا پڑے گا کہ اس کمپنی کا تعلق ان پانچوں افراد میں سے کسی سے تو نہیں ہے، اس بات کے امکانات ہیں کہ ایسا ہو لیکن یہ بعد کی بات ہے، وہ لوگ یہاں آئے۔۔۔۔۔۔ یہاں آنے کے بعد ابتداء میں انہوں نے ان سے رابطہ قائم کیا۔۔۔۔۔۔ میری مراد ان پانچوں افراد سے ہے جن کی تفصیلات میں آپ کو بتا چکا ہوں اور پھر ان لوگوں نے انہیں ایک برقی نقل کر دیا ہو سکتا ہے کسی خاص بنیاد پر وہ اپنے آپ کو پردہ سے ہٹانا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے خود کو قتل کر دیا۔“

”کیا مطلب؟“ نادر حیات صاحب پھر بولے۔

”ب نے کہا۔“ وہ لوگ بھی آرہے ہیں، پھر چند منٹ کے بعد انسپکٹر سعید خان ڈرائیور اور کلینر کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اپنے تھانے کے افراد کے ساتھ وہ ان لوگوں کو لے کر آیا تھا۔
جناب کی اجازت سے وہ لوگ اندر آگئے اور ڈرائیور سہا ہوا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔
”معاف کرنا دوست تمہیں فوری طور سے تکلیف دینی پڑی ہے۔ غور سے ان تینوں بڑیکھو اور یہ بتاؤ کہ جس شخص نے تمہیں چرس پیش کی تھی اور پھر تم سے دوستی کی تھی، کیا ان میں سے کوئی ہے۔“ تینوں فائلوں میں لگی تصویریں ڈرائیور کے سامنے کر دی گئیں اور ڈرائیور نے فوراً ہی ایک تصویر پر انگلی رکھ دی۔

”یہ ہے صاحب اس شخص کا نام گارون تھا۔“ شہاب نے نادر حیات صاحب کی طرف دیکھا اور نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ ڈرائیور سے بولے۔

”تم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ یہ وہی آدمی ہے۔“
”صاحب جی زندگی پر بن گئی ہے اب بھی یقین کے ساتھ نہیں کہیں گے تو کیا مرنے کے بعد کہیں گے ہم پورے ہوش و حواس میں ہیں کیونکہ پھانسی کا پھندا ہمارے گلے کے پاس جھل رہا ہے، یہی وہ آدمی ہے اور اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔“

”ہوں۔“ شہاب نے گردن ہلائی پھر سعید خان سے بولا۔
”معاف کرنا سعید خان اس وقت یہ بڑا ضروری تھا، تمہیں تکلیف دی انہیں واپس لے جاتے ہو، ذرا احتیاط رکھنا۔“

”بس سر۔“ سعید خان جھٹکے دار آواز میں بولا۔ ڈی آئی جی صاحب کے سامنے پیشی ہوئی تھی اس کی معمولی بات نہیں تھی، باتوں میں وقت گزر گیا تب شہاب نے کہا۔
”یہ صورت حال ہے جناب ان لوگوں نے تین افراد کو قتل کر کے اپنی لاشوں کے طور پر انہیں پیش کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ یہاں روپوش ہونا چاہتے ہیں اور شاید اس سلسلے میں اپنے ان پانچوں افراد کو بھی اعتماد میں نہیں لینا چاہتے جو یہاں سنڈیکیٹ کی نمائندگی کرتے ہیں اب آپ لاڈ اور ہیکٹر سے تصدیق کرا لیجئے اس کے بعد صرف یہ مرحلہ باقی رہ جائے کہ وہ تین افراد کون تھے جنہیں اس طرح زندہ جلا دیا گیا۔ ڈرائیور اور کلینر بیچارے بہ ضرورت ہیں۔ ان کا اتنا سا جرم ہے کہ لالچ میں آکر انہوں نے کچھ جرائم پیشہ افراد کی مدد

”دیکھئے۔۔۔۔۔ یہ ٹیپ جو میں نے آپ کو سنایا ہے خود اس بات کی تصدیق کرتا ہے، اس میں اس کی وضاحت نہیں کروں گا کہ یہ تصدیق کیسے ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے خود اپنے قتل کا ڈرامہ رچایا۔ ڈرائیور اور کلینر کو نشہ آور ادویات پلا کر انہوں نے اپنی جائز متوجہ کیا، پھر کمپنی کی کار نے ایک ایکسڈنٹ کیا اور لاشیں جلا کر رکھ کر دیں، یہ سب کمپنی کی اپنی کارروائی ہے، ہلاک ہونے والے ہو سکتے ہیں وہ لوگ نہ ہوں بلکہ کچھ اور لوگ ہوں جن کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی جاسکتی کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں، لیکن بہر حال آپ مجھے خود بتائیے ڈی آئی جی صاحب کہ لاشیں جل کر رکھ ہو جاتی ہیں اور ہمیں میرا مطلب ہے پولیس کو ان کے وہ کاغذات مل جاتے ہیں جن سے ان کی شناخت ہو جاتی ہے، لاشیں جل کر خاکستر ہو جائیں بھلا وہ سامان کیسے بکھر سکتا ہے، کیا حادثے کی وجہ سے اگر حادثہ کی وجہ سے سامان بکھرنا ہی ہے تو گاڑی کے کاغذات اس میں موجود تو تمام چیزیں بھی بکھرنے چاہئیں اور پھر یہ تینوں اپنے کاغذات لے کر کیوں پھر رہے تھے۔۔۔۔۔ ان کا تو کسی باقاعدہ جہاز قیام تھا، کچھ ایسی الجھنیں درپیش ہیں اگر ڈرائیور اور کلینر کا بیان غلط نہیں ہے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرنے والے اصل لوگ نہیں تھے بلکہ انہی میں سے کسی نے ڈرائیور کو اس بات پر اکسایا تھا اور فیکٹر کی مدد حاصل کی تھی، میں نے اسی لئے تصدیق کے لئے ڈرائیور اور کلینر یہاں بلایا ہے کہ انہیں بھی یہ تصویریں دکھا کر یہ معلومات حاصل کروں کہ کیا وہ ان میں سے کسی کو پہچانتا ہے۔“

”تو پھر ایک کام میں بھی کئے دیتا ہوں۔“

”کیا؟“

”لاڈ اور ہیکٹر سے بھی کیوں نہ اس کی تصدیق ہو جائے۔“

”میں سمجھتا ہوں نہایت مناسب ہے۔“

”میں انہیں بھی طلب کئے لیتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے آپ ضرور ایسا کیجئے گا اس سلسلے میں آپ کی پیش قدمی کی اطلاع بھی انہیں مل جائے گی جو میرے لئے ضروری ہے۔“

”پلیز ایسا ضرور کیجئے گا۔“ شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب ٹیلیفون پر کسی سے رابطہ

قائم کرنے لگے۔ شہاب خاموشی سے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ دیر بعد نادر حیات

”ہاں کیا تم مجھ سے ملاقات کر رہے ہو۔“
 ”میں حاضر ہو رہا ہوں فائل احتیاط سے رکھنے ہیں، لیکن پہلے ذرا تھوڑی سی اس کمپنی کے بارے میں ذمہ داری پوری کر لوں تاکہ کوئی الجھن نہ بنے پائے۔“
 ”ہاں ٹھیک ہے بہر حال اس کے بعد مجھ سے مل لو فائل میں نے اپنے پاس ہی رکھی ہے۔ تم چاہو تو انہیں حاصل کر لینا۔“
 ”جی سر۔“ رابطہ منقطع کرنے کے بعد شہاب ڈبل او گینگ کے ممبروں کو کال کرنے لگا۔ سردار علی سے رابطہ قائم ہوا تھا اس نے شہنشاہ کی آواز میں کہا۔
 ”ہاں سردار علی میں تمہیں ایک کمپنی کا نام اور پتہ دے رہا ہوں..... کم از کم چاروں افراد اس کمپنی کے ذمہ دار لوگوں کی نگرانی پر لگا دو اور ان سے کہو کہ وہ ان لوگوں کی تمام معلومات پر نگاہ رکھیں، مجھے ان کے بارے میں مفصل رپورٹ درکار ہے۔“
 ”بہت بہتر جناب۔“ اور اس کے بعد شہاب نے سلسلہ منقطع کر دیا، پھر کرسی کی پشت سے سر نکا کر گہری گہری سانسیں لینے لگا، اس معاملے کے دلچسپ مراحل طے ہو رہے تھے اور کس دلچسپ سے دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔



کی، اب باقی سارا مسئلہ کیا ہے..... کمپنی کے بارے میں تحقیقات کے لئے میں باقی تحقیقات شروع کرتا ہوں، لاٹڈ اور ہیکٹر آجائیں تو آپ اس کی تصدیق دوبارہ کر لیں گے۔ باتیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔“ نادر حیات صاحب نے پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے شہاب بولا۔

”میرا خیال ہے میرا آپ کے پاس ہونا ضروری نہیں ہے..... آپ مجھے ان کی وجہ کے بعد طلب کر لیجئے گا۔“ پھر شہاب وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا، تمام چیزیں وہ اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا، بس فائل چھوڑ دیئے گئے تھے..... تقریباً بیس من کے بعد نادر حیات صاحب نے اس طرف رابطہ قائم کیا۔
 ”شہاب۔“

”نادر حیات بول رہا ہوں۔“

”یس سر۔“

”وہ آگئے ہیں۔“

”آپ نے۔“

”ہاں انہوں نے تصدیق کر دی ہے یہی وہ تینوں آدمی ہیں۔“

”گڈ..... اس کا مطلب ہے کہ کم از کم یہاں تک بات واضح ہو گئی۔“

”ہاں شہاب ویسے لاٹڈ اور ہیکٹر اب یہاں سے واپسی چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں

”ہمیں آگے کام کرنا ہوں گے۔“

”سرا نہیں روکنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے۔“ شہاب نے جواب دیا۔

”وہ ان فائلوں کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔“

”آپ نے کیا جواب دیا۔“

”اب ظاہر ہے ہم کسی کے جوابدہ تو نہیں ہیں، میں نے کہا کہ ابھی تحقیقات جاری ہیں اور بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو وقت سے پہلے بتائی نہیں جاسکتیں..... انہوں نے تحقیقات

یعنی ان تصویروں کی تصدیق کر دی ہے بس اتنا کافی ہے وہ جب چاہیں واپس جاسکتے ہیں۔“

اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجھے اطلاع دیں۔“

”گڈ۔“ شہاب نے مطمئن لہجے میں کہا۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے آپ کا یہ خیال غلط ہے مینا صاحبہ اب بات صرف شرارت کی باتوں کی نہیں ہے بلکہ اللہ نے ہمارے کا اور بھی بند و بست کر دیا ہے۔“ مینا ہنس پڑی پھر بولی۔
”کیا ربا دن بھر۔“

”وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سواب بھی ہے۔“
”نہیں اس رفتار کو بے ڈھنگی تو نہیں کہا جاسکتا، ویسے شہاب ایک بات بتائیں یہ کیس
ہمارے لئے تو مبارک رہا۔“ جواب میں شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔
”دوسرا کیس بھی ہمارے لئے مبارک رہے گا۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ کیس جو میٹر نئی
ہوم میں ہو گا۔“

”پلیزیہ بتائیں اس سلسلے میں بات کہاں تک پہنچی ہے۔“
”میں بتاؤں۔۔۔۔۔“ شہاب نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔
”کیا مطلب۔“ مینا شہاب کی بات نہیں سمجھ سکی تھی۔
”بھائی میٹر نئی ہوم میں جو کیس ہو گا اس کے بارے میں میرا جہاں تک تجربہ ہے
خواتین ہی مناسب بتا سکتی ہیں۔“
”گویا سنجیدگی کا موڈ نہیں ہے۔“

”یار مینا دن بھر سنجیدہ رہنا پڑتا ہے، کبھی ناور حیات صاحب کے سامنے۔۔۔۔۔ کبھی
”دوسروں کے سامنے۔۔۔۔۔ اب اگر تمہارے سامنے بھی سنجیدگی اختیار کر لی جائے تو کیا مزہ
آئے گا اس زندگی میں۔“

”لیکن یہ بھول رہے ہیں آپ جناب شہاب ثاقب صاحب کہ میں آپ ہی کے محکمے کی
ایک رکن ہوں، ہر چند کہ چھٹی پر ہوں لیکن بہر حال وہ ذمہ داریاں مجھ پر بھی بدستور عائد
ہوتی ہیں۔“

”مینا ایک بلت بتاؤ۔“

”جی پوچھے۔“

”ملازمت ختم کر دی جائے تمہاری۔“

”کو؟“ ”افسوس۔۔۔۔۔“ ”وگئی ہے یا کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔“

”سنجیدہ ہوں۔“

شہاب اپنی تمام ضروریات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آخر کار گھر پہنچ
گیا۔۔۔۔۔ گھر میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی، بلکہ مینا کی آمد سے کافی رونق ہو گئی تھی۔
نعیمہ بیگم بے حد خوش تھیں۔۔۔۔۔ ثریا بھابی تو ویسے بھی مزاج کی بہت نفیس خاتون تھیں۔
باقی تمام لوگ بھی محبت کرنے والوں میں سے تھے، اس گھر میں اگر کبھی کوئی ذہنی دباؤ کی وجہ
سے چیقلش رہی بھی ہو تو اب طویل عرصے سے بالکل ختم ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ سب ایک دوسرے
کے ساتھ محبت اور یگانگت سے رہتے تھے اور مینا تو ویسے بھی بہت ہی فراخ ذہن اور فزول
دل کی لڑکی تھی، اس کے علاوہ دنیا دار بھی تھی اور حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی، وہ جانتی
تھی کہ کس طرح ایک گھر کے افراد سے اندرونی طور پر واقفیت حاصل کر کے دوستی بنا
جاسکتی ہے اور ذہنی طور پر انہیں مطمئن رکھا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ بہر حال ذہن پر شہاب ان لوگوں
کے ساتھ شریک تھا اور کافی پر لطف باتیں ہوتی رہی تھیں۔۔۔۔۔ عدنان واسطی صاحب
کبھی کبھی اپنی اہلیہ کے ہمراہ آجایا کرتے تھے تو یہاں ان کا اتنا پر تپاک خیر مقدم ہوتا تھا کہ
شرمندہ ہو جاتے تھے۔۔۔۔۔ بہر حال تمام معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شہاب
مینا کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا، لباس وغیرہ تبدیل کر کے مینا اس کے نزدیک آگئی
شہاب نے شرارت بھری آواز میں کہا۔

”محترمہ آپ نے تو تمام حدود پھلانگ لی ہیں، ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ
اس قسم کے مواقع نصیب ہوا کرتے تھے اور اس کے بعد بس کیا کہیں کیا ہوتا تھا۔“
”اور اگر آپ شرارت کی یہ باتیں نہ کریں تو میں جانتی ہوں کہ آپ کا کھانا
نہیں ہو سکتا۔“

”کیا فضول بات ہے یعنی کیوں ختم کر دی جائے میری ملازمت۔“

”نہیں میرا مطلب ہے اب زندگی کا دوسرا رخ دیکھو، ان حالات سے لطف اٹھاؤ۔“

”اگر یہ آپ کا حکم ہے جناب شہاب صاحب تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کا ہر حکم مانوں..... ہاں اگر مجھ سے میری آخری خواہش پوچھی جائے تو یونہی عرض کرنا پسند کروں گی کہ خدا را ایسا نہ کریں، جب بھی ایک گھریلو عورت بنانا چاہیں گے اعتراض نہیں کروں گی لیکن میرے چند الفاظ کی مجھے یہ سزا نہ دیں۔“

”چند الفاظ۔“ شہاب چونک کر بولا۔

”ہاں۔“

”کیا..... وہ جو تم نے ایجاب و قبول کے سلسلے میں ادا کئے تھے۔“

”جی نہیں۔“

”پھر۔“

”وہ جو میں نے کہہ دیا تھا کہ کسی مہم کے دوران میں کسی حادثے کا شکار نہ ہو جاؤں،

آپ نے مجھے اس کی سزا دے ڈالی۔“

”خیر اگر یہ سزا بھی ہے تو اتنی حسین سزا کہ زندگی بھر یہ سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔

لیکن بات وہیں آجاتی ہے کہ میری نوکری۔“

”ارے بابا میں نے تو صرف سوال کیا تھا۔“

”تو میرا جواب سن لیا ہے آپ نے۔“

”جی ہاں سن لیا ہے اب اگر کچھ اور سوالات کئے جائیں گے تو پتا نہیں ان کا جواب کیا

ملے۔“

”مثلاً۔“ بیٹا نے سوال کیا۔

”کچھ سوالات زبان سے نہیں کئے جاتے..... محترمہ بیٹا صاحبہ بلکہ۔“ شہاب نے کہا

اور ایک قدم آگے بڑھ گیا..... بیٹا ہنسنے لگی تھی، کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے..... پھر بیٹا نے

شہاب کے سینے پر زرخار رکھتے ہوئے پوچھا۔

”ویسے پلیز شہاب آپ بتائیے تو سہی کہ اس سلسلے میں کہاں تک پیش رفت ہوئی

کیس بہت لمبا ہو گیا نا۔“

”بیٹا کیس لمبا نہ بھی ہو تا تو باڑی سے واپسی کے بعد جو فائل میرے ہاتھ لگا تھا اگر اس کے تحت کام ہو جاتا تو پھر یہ تمام صورت حال نہ رہتی، اصل میں اس بار دل میں یہ خواہش ابھری تھی کہ ذرا نادر حیات صاحب کو بھی دیکھ لیا جائے..... ان کی رائے اور مشورہ لے لیا جائے لیکن بہر حال میں انہیں قصور وار نہیں کہتا، بڑی زنجیریں بکھری ہوئی ہیں چاروں طرف، بیٹا بظاہر یہ نظر نہیں آتیں لیکن انہیں ایک لمحے کے لئے اگر سنجیدگی کے ساتھ دیکھو تو پاؤں بری طرح ان میں الجھ جاتے ہیں..... نادر حیات صاحب کی مشکل کو بھی میں اچھی طرح سمجھتا ہوں بیچارے بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ انتہائی مخلص انسان ہیں..... اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہتے لیکن وہی نادیدہ زنجیریں ان کے بھی سامنے ہیں اور بہر حال بیٹا ان زنجیروں کا ایک مستحکم وجود ہے، ابھی تک تو کوئی ان زنجیروں سے بچ نہیں پایا، چاہے کسی پائے کی شخصیت ہو۔“ بیٹا خاموشی سے شہاب کی باتیں سن رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

”لیکن شہاب ایک بات تو آپ نے سوچی ہی نہیں۔“

”کیا۔“

”جن دشمنوں کو آپ نے آزاد چھوڑ دیا ہے کہیں وہ آپ کے لئے عذاب ہی نہ بن

جائیں۔“

”اب تمہارے سوچنے کا انداز بدلانا ہے بیٹا دشمن تو ہمیشہ ہی عذاب ہوتا ہے، ظاہر ہے

”کبھی نیک نیتی سے یا اچھے انداز میں نہیں سوچے گا، چونکہ خود اس کی اپنی زندگی کا معاملہ

ہوتا ہے۔“

”مگر ایک بات تو سوچئے جناب آپ کو تو بھی بہر حال دشمن سے ہوشیار رہنا ہوتا ہے۔“

”تو کیا میں نہیں رہتا۔“

”خاک رہتے ہیں بے دھڑک ہر مسئلے میں کود پڑتے ہیں۔“

”کچھ دعاؤں کے ساتھ۔“ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”خالی دعاؤں سے کام نہیں چلتا محنت بھی کرنا ہوتی ہے، جدوجہد بھی انتہائی

ضروری ہے۔“

”وہی کرتے ہیں بیٹا صاحبہ بس یوں سمجھ لیجئے آپ کے احسانات شدید ہو چکے ہیں

ورنہ باقی کام تو ہوتا ہی ہے اور کرنا پڑتا ہے کیا کیا جائے۔“

”ہاں ٹھیک ہے میں کب اس سے انکار کرتی ہوں..... بہر حال کچھ اطلاعات میں آپ کے لئے۔“

”اطلاعات۔“

”ہاں۔“

”کس سلسلے میں بھی کیا وہی میٹر نئی ہوم والا مسئلہ ہے۔“

”احتجاج۔“ بیٹا نے کہا۔

”کیوں سرکار۔“

”بات اصل میں یہ ہے کہ اب میٹر نئی ہوم کا تذکرہ کر کے آپ یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ ہم صرف اسی مسئلے میں آپ کے لئے کارآمد ہیں۔“

”ارے..... ارے..... ارے..... یہ کس نے کہا۔“

”تو پھر وہی والی بات کہ ہمیں کسی اور قابل نہیں سمجھا جاتا کیا۔“

”سوری بیٹا یہ مقصد تو بالکل نہیں تھا۔“

”تو مراد یہ ہے کہ بات اسی سلسلے میں ہو رہی تھی۔“

”کس سلسلے میں۔“

”میرا مطلب ہے آپ سے جو باتیں ہو رہی تھیں نا اسی سلسلے میں۔“ بیٹا کس قدر بے ہوش لہجے میں بولی، بہر حال شہاب کی قربت ذہنی طور پر اسے متاثر تو کئے ہوئے تھے انسانوں سے الگ تو کوئی جنس نہیں تھی جو کسی ایسے مسئلے سے متاثر نہ ہو پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلدی سے بولی۔

”شہاب ایک فون آیا تھا آپ کے لئے۔“

”کسی سابقہ محبوبہ کا نہیں ہو سکتا تقدیر اتنی اچھی کبھی نہیں رہی ہے۔“ شہاب مسکراتے ہوئے کہا۔

”براہ کرم سنجیدہ ہو جائیے۔“

”ہو گئے بھی ہو گئے۔“

”ایک لڑکی کا فون ہی تھا۔“ بیٹا نے کہا۔

”کیا کہہ رہی تھی۔“ شہاب نے شرارت کے باوجود سنجیدہ چہرہ بناتے ہوئے پوچھا۔

”وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔“ کچھ عجیب الجھی الجھی سی لڑکی تھی اور بیٹا شہاب کو وہ تمام تفصیلات بتانے لگی جو اس کے اور صدف کی گفتگو کے دوران پیش آئی تھیں..... شہاب اب

دوری سنجیدگی اور دلچسپی سے بیٹا کی کہانی سن رہا تھا..... جب بیٹا پوری تفصیل بتا کر خاموش ہوئی تو شہاب نے کہا۔

”دوری گڈ۔“

”کیا دوری گڈ یعنی اب آپ میرے سامنے دلیر سنگھ یا دلیر خان بننے کی کوشش کریں گے، یعنی آپ اس بات کو خاطر میں ہی نہیں لائیں گے، کچھ لوگ آپ کو اور نادر حیات

موجب کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔“

”کیا مجھے اس بات کو خاطر میں لانا چاہئے بیٹا؟“

”پھر یہی سوال کہوں گی کہ کیوں اس سوال سے کیا مراد ہے آپ کی۔“

”زندگی میں کبھی آپ نے اس قدر کمزور یا بزدل پایا ہے مجھے؟“

”بالکل نہیں اسی لئے میں کہہ رہی تھی کہ اب آپ دلیر خان بننے کی کوشش کریں گے جناب دلیری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے دشمن سے کبھی غافل نہ رہا جائے اور ہمیشہ

اس کی طرف سے جو کس اور چوکنار ہا جائے۔“

”تو میں نے کب انکار کیا ہے اس بات سے۔“

”ایک بات سمجھ لیجئے آپ۔“

”جی جی سمجھائیے سمجھائیے۔“ شہاب جلدی سے سیدھا ہو گیا اور بدن سے چادر

ھٹک گئی۔“

”خدا تمہیں سمجھے۔“ بیٹا نے چادر سمیٹتے ہوئے کہا۔

”ارے بابا..... بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”سنجیدہ نہیں ہو گے۔“

”یار سنجیدہ ہوں کیوں بور کر رہی ہو۔“ شہاب نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ نے اگر اپنے آپ کو بہت زیادہ بے پروائی کی نذر کیا تو پھر مجھے میدان عمل میں

آنا پڑے گا۔“

”کیا واقعی۔“ شہاب خوشی سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”کیا مطلب کوئی شک ہے آپ کو۔“

”ارے نہیں خدا کی قسم کوئی شک نہیں ہے۔۔۔۔۔ ذرا پلیر جلدی سے میدان عمل پر آجائیے۔“ شہاب نے معنی خیز لہجے میں کہا، بیٹا چند لمحے اس کا مقصد سمجھنے کی کوشش کر رہی اور پھر اس نے شرمناک شہاب کے بالوں بھرے سینے میں منہ چھپا لیا۔۔۔۔۔ شہاب ہنسنے لگا۔ پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”بات اصل میں یہ نہیں ہے بیٹا مذاق اپنی جگہ میں پہلے تو صرف اپنے لئے تھا ہمارے لئے نہیں ہوں، جیتے ہوئے بیٹا کے بارے میں بھی سوچنا پڑتا ہے اور یہ خیال رکھنا ہے کہ اس وجود کا ایک بہت بڑا حصہ اب میرا اپنا نہیں رہا ہے بلکہ محترمہ بیٹا کی ملکیت ہو گیا ہے، ایسی شکل میں ذرا صورت حال کو ذہن میں رکھنا ہو گا۔“

”اس عنایت کا بے حد شکریہ واقعی میری بھی یہی آرزو ہے۔“

”کیا نام بتایا تم نے اس لڑکی کا۔“

”صدف۔“

”اوہ صدف۔“ شہاب پر خیال لہجے میں بولا اور بیٹا چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر بولا۔

”کوئی شرارت۔“

”نہیں بیٹا میں نے ان پانچ ناموں میں تمہیں ایک نام بتایا تھا اعظم بیگ۔“

”بالکل مجھے یاد ہے چاہے تو پانچوں افراد کے نام پوچھ لیجئے۔“

”نہیں مجھے پتا ہے کہ بیٹا ایسے معاملات کبھی نظر انداز نہیں کرتی۔“

”یہ صدف جو ہے اعظم بیگ کی بیٹی ہے مگر بات ذرا ناقابل فہم ہے، یعنی تھوڑی

الجھن والی اس لڑکی کو اچانک یہ کیا سوچیں۔“

”پتا نہیں میں تو بڑی تجسس ہوں اور انتہائی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔“

”بات واقعی تجسس والی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس تجسس کو ذہن سے لگائے

ایک ہی طریقہ ہے، تاکہ ہم سکون کے ساتھ کل کا انتظار کر سکیں۔“

”وہ کیا۔“ بیٹا نے سوال کیا اور شہاب نے اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا۔

”صرف اور صرف یہ۔“ اس نے کہا اور بیٹا کی ہنسی کی آواز دب گئی۔“

دوسری صبح معمولات کے مطابق تھی۔۔۔۔۔ شہاب نے کچھ ٹیلی فون کئے، معلومات

مل گئیں۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب سے بھی رابطہ قائم ہوا، کوئی اہم بات سامنے نہیں

آئی۔ مقررہ وقت پر طے شدہ منصوبے کے مطابق شہاب نے بیٹا کو ساتھ لیا اور کریم

سوسائٹی کی کونٹری کی جانب چل پڑا۔۔۔۔۔ صدف سے ملاقات میں کافی وقت ہے، وہاں کچھ

انتظامات کر لینے تھے، چنانچہ ایک مخصوص کمرے میں اس آٹومیک ٹیپ ریکارڈر کا بندوبست

کرایا جس پر ضرورت کے وقت تمام گفتگو ٹیپ کی جاسکتی تھی۔۔۔۔۔ ایک طاقتور ڈکٹافون اس

کمرے میں موجود تھا۔۔۔۔۔ کریم سوسائٹی کی اس کونٹری کو اب ضروریات کے مطابق تیار کیا

جا رہا تھا اور کافی حد تک کام ہو چکا تھا، ایک زیر زمین تہ خانہ تعمیر کرایا گیا تھا جس میں یہ

انتظامات کئے جا رہے تھے کہ اگر کوئی ایسا دیا معاملہ ہو تو اس تہ خانے کو استعمال کیا جاسکتا

ہے۔۔۔۔۔ کچھ مخصوص قسم کے لوگ یہاں کام کر رہے تھے اور اس کے لئے بھی مخصوص

اوقات مقرر تھے۔۔۔۔۔ ڈکٹافون ایک مخصوص جگہ نصب کیا گیا تھا اور یہاں سے تار دوسرے

کمرے تک پہنچائے گئے تھے۔۔۔۔۔ وہاں ہر طرح کی گفتگو ریکارڈ کرنے کا اور سننے کا معقول

انتظام تھا۔۔۔۔۔ کمرہ ساؤنڈ پروف کر لیا گیا تھا، سارے انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد شہاب نے

اپنے چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا اور ڈرائیور کے روپ میں آگیا۔۔۔۔۔ یہ ہی طے کیا گیا تھا کہ

ہوٹل مارکو پولو کے سامنے ڈرائیور کی حیثیت سے جا کر شہاب اور بیٹا صدف کو اپنے ساتھ

لے کر آئے، چنانچہ مقررہ وقت پر وہ لوگ کریم سوسائٹی کی کونٹری سے نکل آئے۔۔۔۔۔ شہاب

ڈرائیور کر رہا تھا اور بیٹا اپنی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ راستے بھر خاموشی ہی رہی،

دونوں اپنے اپنے طور پر سوچ میں ڈوبے رہے تھے اور پھر وہ ہوٹل مارکو پولو پہنچ گئے۔۔۔۔۔

شہاب نے راستے میں بیٹا سے کہا تھا۔ ”اور اس کی تلاش میں تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے

گی کیونکہ تحقیقات کے دوران میں نے خاصی معلومات حاصل کر لی ہیں۔۔۔۔۔ مثلاً یہ کہ مرزا

اعظم بیگ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، بیٹی کا نام صدف ہے۔۔۔۔۔ دو بیٹے شادی شدہ ہیں اور

انہیں کوئی مالی پریشانی نہیں ہے۔۔۔۔۔ صدف ایک نوجوان اور بظاہر باعزت قسم کی لڑکی ہے۔

”اتنی معلومات حاصل کر لی ہیں آپ نے شہاب۔“

”ہاں ابھی ظاہر ہے بیٹا یہ سب کچھ تو ضروری ہوتا ہے۔“

”ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔“ مارکو پولو کے سامنے صدف کھڑی ہوئی تھی، پریشان پریشان سی

غالباً ٹیکسی میں آئی تھی، بینا نے اسے دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس پہنچنے لگا۔
 نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی، صدف نے چونک کر بینا کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔
 ”ویری گڈ آئیے صدف۔“

”مس بینا۔“ صدف نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“ بینا آہستہ سے بولی۔

صدف کے چہرے پر پیلاہٹ تھی اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔
 آہستہ سے بولی۔

”کیوں کیا بات ہے؟“

”نہیں کچھ بھی نہیں ہے۔“

”صدف کوئی ہے آپ کے ساتھ۔“

”خدا کی قسم نہیں۔“

”تو پھر آئیے جب آپ نے مجھ پر اعتماد کیا ہے تو میرا خیال ہے آپ کو تمنا ہو کہ وہاں سے نکال دینا چاہئے۔“

”جی میں ایسے ہی۔“ صدف نے کہا اور بینا کے ساتھ سڑک عبور کر کے بائیں

پاس پہنچ گئی۔ شہاب نے ڈرائیور کی حیثیت سے جلدی سے پہلے ایک طرف کااں پھر

طرف کا دروازہ کھولا تھا، دونوں اندر بیٹھ گئیں تو وہ اسٹیرنگ پر بیٹھا اور تیز رفتار سے

پہلے اس نے مختلف راستوں پر کار دوڑائی تھی، تھوڑا سا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ صدف

”محترمہ بینا پلیز یہ اندازہ لگائیے کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا۔“ بینا ہنس

”نہیں تعاقب میں اگر کوئی ہے تو اس کا اندازہ ہو جائے گا، ہم نے اس طر

کیا ہے جہاں ہمیں پہنچنا ہے بلکہ پہلے یہی جائزہ لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اگر

کریں تو اندازہ لگا سکتی ہیں، کار مختلف سمتوں میں جا رہی ہے۔“

”اوہو میں بھول گئی تھی کہ آپ کا تعلق کون سے شعبے سے ہے۔“

قدر مطمئن ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں یہ نہیں بھولے گا اور بالکل

ویسے ایک بات بتائیے صدف آپ کو کس سے خطرہ ہے۔“

”اصل میں جو گفتگو میں آپ سے کرنے والی ہوں ساری تفصیلات

میں نے بھلا زندگی میں اس طرح کے کام کب کئے ہیں، خوف تو محسوس ہوتا ہے نا
 ہر حال کچھ لوگوں کے خلاف قدم اٹھا رہی ہوں اور لوگ بھی وہ جو انتہائی خوفناک اہمیت کے
 مال ہیں اور اب تو اب تو.....“ صدف نے جملہ ادھر ادھر چھوڑ دیا۔
 ”جی جی اب تو۔“

”نہیں بات وقت سے پہلے ہو جائے گی، آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔“ صدف

نے کہا اور بینا مدہم سی ہنسی کے ساتھ خاموش ہو گئی، اسے اندازہ تھا کہ شہاب ہر چیز کا

بازو لے رہا ہے اس لئے وہ مطمئن تھی، پھر شہاب نے کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں دائرہ

کردی اور پورچ میں دونوں اتر گئیں تو صدف نے کہا۔

”آپ یہاں رہتی ہیں۔“

”یہی سمجھ لیجئے۔“

”کیا مطلب۔“

”یہ ہمارا آپریشن ونگ ہے۔“

”قیام کہیں اور ہے آپ کا۔“

”جی ہاں۔“

”اچھی جگہ ہے۔“ صدف نے کہا۔

”آئیے پلیز۔“ پھر کچھ لمحات کے بعد بینا صدف کو ساتھ لے کر اس کمرے میں

گئی جہاں نشست کا انتظام رکھا گیا تھا..... صدف نے اس جگہ کو بھی تعریفی نگاہوں سے

تماشا کیا۔ بینا کے اشارے پر وہ ایک جگہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

”ہماری گفتگو یہاں محفوظ ہے۔“

”مکمل طور پر آپ یہ بتائیے آپ کیا پتیں گی۔“

”دیکھئے ایک بات کہوں آپ سے برا تو نہیں مانیں گی۔“

”بالکل نہیں مانوں گی۔“

”خدا ار مجھے پانی تک کے لئے نہ پوچھئے بس یہی میری آرزو ہے۔“

”ارے کیوں۔“

”جواب دوں گی تو آپ ناراض ہو جائیں گی۔“

”ہیں۔“ بینا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔
 ”دوسری طرف جھوٹ بولنا پڑے گا۔“ بینا اسے پر خیال انداز میں دیکھتی رہی پھر
 مار کر ہنس پڑی پھر بولی۔
 ”خیر میں سمجھ گئی کہ آپ نے یہ الفاظ کیوں کہے ہیں، لیکن صدف آپ تو مکمل
 کے ساتھ یہاں آئی ہیں، اس کا مقصد ہے کہ اس اعتماد میں کمی ہے اور آپ اس کی کوئی
 مددگار نہیں کی، وہ بتانے سے گریز کریں گی جس میں آپ کا اپنا کوئی خوف پوشیدہ ہو۔
 صورت حال تو میرے لئے ذرا سی مشکل رہے گی، یہ آپ خود بتائیے کہ ایسا ہے کہ نہیں۔
 صدف سوچ میں ڈوب گئی پھر آہستہ سے بولی۔
 ”ہاں ہے۔“
 ”اور آپ ایسا کریں گی۔“
 ”نہیں اب نہیں کروں گی چلے آپ جو دل چاہے پلا دیجئے۔“
 ”نہیں آپ کا مطمئن رہنا ضروری ہے، البتہ ایک درخواست آپ سے ضرور کر
 گی، اب بھی اگر آپ یہ محسوس کریں کہ جو کچھ آپ بتانے آئی ہیں اس میں کہیں تھوڑا
 آپ کا نقصان بھی ہو سکتا ہے تو پلیز اس سلسلے میں مجھے وہ سب کچھ نہ بتائیں لیکن جب باند
 آغاز کریں تو پھر اس میں کوئی غامی نہیں رہنی چاہئے۔“
 ”نہیں رہے گی۔“ صدف نے مضجیل لہجے میں کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔
 خاموش نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ صدف کے بارے میں اس نے اندازہ
 تھا کہ ایک بہت بڑے گھرانے کی معصوم صفت لڑکی ہے، لیکن جو کچھ وہ بتانا چاہتی ہے۔
 کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا۔ صدف دیر تک سوچتی رہی تھی اور بینا اس کے
 کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی، جبکہ شہاب دوسرے کمرے میں ڈکٹافون کا ریکارڈ
 ٹیپ ریکارڈ پر صدف کی جانب سے ہونے والی گفتگو کے آغاز کا منتظر تھا، دیر تک
 رہنے کے بعد اس نے کہا۔
 ”جی۔“ بینا مسکراہٹ دبا کر بولی۔ سنجیدہ ہی رہنا مناسب تھا۔ ان الفاظ
 صدف کی معصومیت چھپی ہوئی تھی، کیونکہ بہر حال وہ بینا کو اپنا نام پہلے ہی بتا چکی تھی۔
 اب صدف خیالات میں کھو گئی تھی۔ اس لئے اسے اپنی کسی حماقت کا احساس نہیں

”میرے والد کا نام اعظم بیگ ہے۔۔۔۔۔ ہمارے تین بھائی ہیں۔۔۔۔۔ بہنوں میں میں
 بہن ہوں اور سب سے چھوٹی ہوں، میرے دو بھائیوں کی شادی ہو چکی ہے۔۔۔۔۔ ایک
 غیر شادی شدہ ہے۔۔۔۔۔ اس کا نام مرزا طاہر بیگ ہے۔۔۔۔۔ مرزا طاہر بیگ بہت جذباتی
 اصل میں، میں آپ کو بتاؤں ہم سارے بہن بھائی وطن کی محبت کے جذبے
 پر مشرک ہیں، مادر وطن سے پیار کا احساس ہماری زندگی ہے اور ہم اس کی محبت کو دنیا کی ہر
 چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ ایک بہت بڑے کاروباری آدمی ہیں۔۔۔۔۔ انہوں نے
 کے لئے بہت سے کام کئے ہیں اور بڑے نیک نام انسان کے طور پر مشہور ہیں۔۔۔۔۔ یہ
 معاملات چل رہے ہیں، میرے والد نے انسداد منشیات کے لئے یہاں کے ایک
 بل میں ایک بہت بڑا شعبہ بنوایا ہے اور اس شعبے میں تمام رقم خود خرچ کی ہے اور منشیات
 مریضوں کا وہاں علاج کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ پچیس لاکھ روپے سالانہ اس شعبے کو قائم رکھنے کے
 مخصوص کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح اور بھی بہت سے کام میرے والد نے کئے
 ۔۔۔۔۔ میرے دونوں بڑے بھائی ناظم بیگ اور اطہر بیگ دو بڑی بڑی فرموں کے ڈائریکٹر
 ہیں، اتیر بھائی طاہر بیگ بھی اپنا کاروبار کرتا ہے اور میرے والد صاحب نے ایک اچھے
 مشفق باپ ہونے کی حیثیت سے یوں سمجھ لیجئے کہ سارے بہن بھائیوں کو بہت اچھی
 مارے مستقبل کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔۔۔۔۔ وہ ہمیشہ ایک اچھے نیک اور بہت ہی اعلیٰ
 بت کے مالک باپ ثابت ہوئے اور ہم لوگوں نے ہمیشہ بن ان پر ثریا اور یہ سوچا کہ ہم
 کے بہت اچھے لوگوں میں سے ہیں۔۔۔۔۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ بینا صاحبہ۔۔۔۔۔ ایک معیار
 اگر کھا تھا ہم نے اپنے باپ کے لئے اور نجات یا کیا سوچتے تھے ہم۔۔۔۔۔ وطن کا پیار
 سے رگ و پے میں زندگی بن کر دوڑتا تھا اور ہم ناز کرتے تھے۔۔۔۔۔ اپنے عمل پر جس کی بنا
 ایک اچھے محب وطن ہونے کی حیثیت رکھتے تھے کہ اچانک ہی میرے بھائی طاہر بیگ کو
 بدغریب احساس ہوا اور وہ احساس یہ تھا کہ ہمارے والد اعظم بیگ نے اپنی شخصیت پر
 انقلاب ڈال رکھا ہے۔۔۔۔۔ یعنی یہ کہ ایک طرف وہ ایک محب وطن صنعت کار کی حیثیت
 سے دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں تو دوسری طرف وہ سب سے بری حیثیت کے مالک ایک جرائم پیشہ
 انسان ہیں، یعنی منشیات فروش اور انسانیت کے دشمن۔۔۔۔۔ طاہر بیگ پر جب یہ انکشاف ہوا تو

ڈاکٹر حیات کے کلینک میں عموماً یہ میٹنگیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ لوگ وہاں علاج پزیر سے جاتے ہیں چونکہ پانچواں ممبر خود ڈاکٹر حیات ہے، اس لئے وہ ان سب کے لئے رب بندوبست رکھتا ہے لیکن پچھلے دنوں ڈاکٹر حیات کا کلینک کچھ مشکوک ہو گیا تھا۔ اس نے یہ میٹنگ وہاں نہ ہو سکی اور ہمارے ہاں اس حجرے میں ہوئی۔ تب میرے بھائی طاہر بیگ نے ہاں پوشیدہ ہو کر میٹنگ کی تمام کارروائی سنی..... مینا صاحبہ اس سلسلے میں سب سے اہم بات میں آپ کو بتانے جارہی ہوں، خدا را آپ اس پر غور کیجئے..... اس میٹنگ میں جو سب سے بڑی بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ڈی آئی جی نادر صاحب اور آپ کے غیر شاہد صاحب ثاقب صاحب کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور اس کام کو سارے کاموں میں اول حیثیت دی گئی ہے..... چنانچہ ایک بد معاش جو پتا نہیں کون سے علاقے کا ہے اس کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ خدا کے لئے آپ ان دونوں قیمتی انسانوں کی حفاظت کا بندوبست کریں محترمہ مینا۔“

”ایک بات بتائیے مس صدف۔“
”جی۔“

”آپ اپنے والد کے خلاف یہ رپورٹ دے رہی ہیں۔“ جواب میں صدف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے..... اس نے مدہم لہجے میں کہا۔“

”ممکن ہے آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے..... ممکن ہے آپ اس بات کو ایک چال سمجھیں لیکن مینا صاحبہ یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے وطن کی مٹی سے پیار کرتی ہوں..... بہت محبت ہے مجھے اپنی زمین کے اوپر سجے ہوئے سائبان سے بڑا پیار ہے..... مس مینا مجھے..... مینا صاحبہ میں اپنے لئے نہیں سوچتی..... خواہ میری بوٹی بوٹی کر دی جائے، جوتے کی نوک پر لپکتی ہوں اپنی زندگی کو لیکن میرے وطن کے لوگ ان جیسے لوگوں کے ہاتھوں جس طرح اغوا و برباد ہو رہے ہیں..... مینا میں اسے نہیں دیکھ سکتی..... ایک ننھا سا بچہ وہ کسی بھی آغوش میں نمودن آتا ہے کتنا معصوم ہوتا ہے..... اگر آپ اس ننھے بچے کی صورت دیکھ لیں تو ان کی معصومیت پر غور ہو جائیں آپ مینا..... پھر وہ ماں اور باپ جو اس بچے کی مسکراہٹ سے ہنستے ہیں اور اس کی تکلیف سے افسردہ ہو جاتے ہیں..... اسے اپنے لہو کا قطرہ قطرہ پلا کے لئے راتوں کو جاگتے ہیں، دن کو محنت کرتے ہیں اور اسے

وہ دیوانگی کی حد میں داخل ہو گئے جو معیار انہوں نے اپنی زندگی اور اپنے باپ کے کردار کا پیر کر رکھا تھا۔ وہ اس طرح پاش پاش ہوا کہ اس کی کرچیاں بھی ہمارے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ سب ہی اپنے وطن سے پیار کرتے ہیں، اس وطن نے ہمیں جو کچھ دیا ہے ہم اسے فراموش نہیں کر سکتے، اس نے ہم سے پیار کیا اور ہم نے اس کے ساتھ لیکن اچانک ہی وہ جو ہمارے باپ کی مہربانیوں اور شفقت سے سجا ہوا تھا، ہمیں ایک اجنبی جہنم کدہ محسوس ہوا جہاں ایک وطن دشمن چھپا ہوا بیٹھا تھا اور یہ وطن دشمن بد قسمتی سے ہمارا باپ تھا..... بھائیوں سے ہم نے تذکرہ کیا..... نام تو نہیں لیا لیکن ہم نے یہ اندازہ لگانا چاہا کہ ہمارے دونوں بھائی جو شادی شدہ ہیں اور اپنی زندگی بہت عمدگی سے گزار رہے ہیں اس سلسلے میں کیا رائے رکھتے ہیں..... خدا کا شکر ہے ہمیں مایوسی نہیں ہوئی..... اگر کبھی کسی مرتطہ انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہیں اور وطن دشمن کے لئے کوئی جنونی اقدام اٹھانے پر مجبور ہو جائیں تو وہ ہمارا ساتھ دیں گے..... یہ سوچے سمجھے بغیر کہ مد مقابل کون ہے ہم نے انہیں اپنے راز میں شریک تو نہیں کیا، لیکن اپنے طور پر اپنے والد صاحب کو تو توں کا کھوج لگانے لگے..... میں جو معلومات آپ کو فراہم کر رہی ہوں مس مینا معاف فرمائیے گا مسز شہاب وہ بڑی مستحکم ہیں، چند افراد جن کے نام آپ براہ کرم نوٹ کر لیجئے اور ان کی حلفیہ بیان دینے کے لئے تیار ہوں کہ میری ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے..... ہاں ان کے رشتے سے میرے سب سے بڑے دشمن یہ ہی لوگ ہیں تو میں آپ کو ان کے بارے میں بتا رہی ہوں لیکن ذرا بعد میں، میں ان کے ناموں کی تفصیل آپ کو بتاؤں گی..... مرزا بیگ کے بارے میں، میں آپ کو بتا رہی تھی..... مرزا اعظم بیگ بظاہر ایک درویش آدمی بنے رہتے ہیں، یعنی میرے والد انہوں نے ایک حجرہ نما جگہ کو کھسی سے الگ بنایا ہے، جہاں بقول ان کے وہ عیادت کرتے ہیں اس حجرہ نما جگہ میں انہوں نے پرندے رکھے ہیں لیکن وہیں انہوں نے بہت ہی خفیہ قسم کے ٹرانسمیٹر پوشیدہ کر رکھے ہیں..... کبھی وہاں پر منشیات فروش بڑے آدمیوں کی میٹنگیں بھی ہوا کرتی ہیں..... یہ بڑے لوگ ہیں جو ملک میں بڑی نیک نام حیثیت رکھتے ہیں اور حکومت ان کی بے حد عزت و تکریم کرتی ہے..... ان میں ایک شخص کا نام راحیل رضا ہے..... وہ

پردان چڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، پھر وہ بچہ ایسے شیطانوں کے ہاتھ لگ جائے۔ اس وقت جب اس کے ماں باپ اسے اس کے پیروں پر کھڑا کرنے کے قابل بنادیں اور بچہ جو ماں باپ کی آنکھ کا نور ہوتا ہے۔ گندی نالیوں میں دم توڑ دے، بے بسی اور بے رحمی کے عالم میں۔ تو آپ مجھے بتائیے مینا کیا ایک صاحب دل اس کی اس موت کو افسوس نگاہوں سے دیکھ سکے گا۔ کیا ایسا ہو سکے گا مینا یہ سارے میرے اپنے ہیں۔ میرے بھائی بھائی ہیں۔ وہ مظلوم مائیں، بہنیں، بیویاں، بیٹیاں جن کے بیٹے جن کے بھائی جن کے شوہر جن کے باپ منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر سڑکوں پر دم توڑتے ہوئے پائے جاتے ہیں اور اخباروں میں بڑی سادہ سی خبریں چھپ جاتی ہیں کہ نشے کے عادی اتنے افراد نے ایسی ایسی جگہوں پر دم توڑ دیا۔ مینا ایک کہانی ہوتی ہے۔ ان کے پس منظر میں شاید میں کچھ زیادہ بول گئی، ہم اپنے باپ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ کسی بھی مشکل کا شکار ہوں۔ مینا وہ ہماری چھت ہیں ہم اپنے آپ کو دھوپ تلے نہیں لانا چاہتے، لیکن ہم بھی نہیں چاہتے کہ ہم بہت سوں کو دم توڑتے ہوئے دیکھ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار اپنے باپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ میں اور طاہر بیگ ان کے سامنے آگئے اور ہم نے شدید انداز اختیار کیا، ہم نے ان سے سوالات کئے مینا۔ ہم نے ان سے کہا کہ کیا یہ سب کچھ جائز ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ مینا پہلے تو انہوں نے ہم سے بہت انحراف کیا نہ مانے ہمارے بات کو لیکن ہم سچ لے کر ان کے سامنے گئے تھے اور وہ اس سچ سے منحرف نہ ہو سکے۔ سچ کو وہ ٹھکرا نہیں سکے مینا۔ انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ وہ مجرم ہیں۔ جرم کر رہے ہیں اور انہیں معاف نہیں کیا جاسکتا۔ مینا ہم انہیں پست کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہ ہمارے سامنے رو پڑے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں وہ معاشرے کے انسانیت کے مذہب اور ملت کے دشمن ہیں اور پھر انہوں نے ہمیں اپنے جرم کی داستان سنائی، وہ بنی انسانی معاملات تھے، انسان کی کمزوریاں اس قسم کے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ آخر کار انسان ان کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اور مشکلوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مینا صاحبہ ہم نے انہیں مجبور کیا کہ وہ سارے معاملے کو منظر عام پر لے آئیں، اپنے ان ساتھیوں کو بے نقاب کر دیں۔ ہم انہیں مجبور کیا مینا کہ وہ اپنے آپ کو سلطانی گواہ کے طور پر پیش کر دیں مینا وہ تیار ہو گئے۔ انہیں تیار کر لیا اور سب کچھ بتانے پر مجبور کر دیا، لیکن مینا ایک بات کہوں میں نہیں جاتی

یہ اس حیثیت کے انسان ہیں یا نہیں، تمام تر قانون تو میں نہیں جانتی۔ میں بس ان کی مدد چاہتی ہوں۔ ہاں اگر ایسا نہ بھی ہو سکے اور ہمیں اپنے باپ کی قربانی دینا پڑے تو شاید میری بات کو عجیب سے انداز میں محسوس کرو مس مینا۔ میرا مطلب ہے مسز شہاب تو میں اس کا اختیار ہے، لیکن اگر باپ کی زندگی کے بدلے مجھ سے یا میرے بھائی کی زندگی لے جائے تو ہم ہزار بار اپنے باپ کے عوض مرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو جہاں اس سارے جال کو توڑنے کے لئے ہم اپنے باپ کی قربانی بھی دے دیں گے اور شاید باپ بھی اس کے لئے تیار ہو۔“ صدف کے لہجے میں ایک عجیب سی جذباتی کیفیت پیدا ہوئی تھی اور مینا کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ بہر حال ایک سچی محبت و وطن کے سامنے تھی اور مینا سے متاثر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”یہ مکمل کہانی ہے مینا صاحبہ اور اسی کے لئے میں نے آپ سے رجوع کیا ہے۔ بتانا نہ فرمائیں گی کہ کیا ہو سکتا ہے۔“ مینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر ہم لہجے میں بولی۔

”صدف شاید میں نے آپ کو ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ شہاب تو اس محکمہ سے وابستہ ہیں میں بھی انتظامیہ سے تعلق رکھتی ہوں اور براہ راست اس سلسلے میں ملوث ہوں۔“ مینا اس کے علاوہ آپ نے میرے شوہر کی زندگی بچانے کے لئے ایک مخلصانہ جذبہ کا ہمارا کیا ہے اور یہ جذبہ بھی مجھ پر قرض ہے، بہت سے معاملات ہیں جن میں آپ نے مجھے مدد کیا ہے۔ صدف شہاب بہت نیک انسان ہیں، میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے جذبات کی بنیاد نہ کرنا شاید ان کے بس کی بات بھی نہ ہو، وہ آپ کو ضرور اس سلسلے میں مطمئن کریں گے۔ میں ان سے رابطہ قائم کر کے آپ کے تمام جذبات ان تک پہنچا دوں گی اور اب اگر مرزا اعظم بیگ حکومت کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گئے ہیں، اس لئے ہم ان سے بہت معلومات بھی حاصل کریں گے اور بہر حال ان دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے، کیا تمہارے صدف کہ آپ مرزا اعظم بیگ سے ہمارا براہ راست رابطہ کرادیں۔“

”ہاں بالکل ممکن ہے، لیکن آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ دوسرے چار خطرناک آدمی بھی اس سلسلے میں منظر عام پر ہیں، میرا تو دل یہ چاہتا ہے کہ ان چاروں کو بھی اس بات پر آمادہ کر دوں کہ وہ یہ وطن دشمنی چھوڑ کر اپنے گناہوں کا ازالہ کریں لیکن ممکن نہیں ہے اور پھر

سارے جہاں کے درد اپنے جگر میں سمیٹ کر تو شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں، اس لئے میں یہ نہیں کر سکتی اور مرزا اعظم بیگ کو بھی وقتی طور پر محتاط ہونا پڑے گا، تاہم اگر آپ اس بات کی خواہشمند ہیں تو کوئی بھی لمحہ ایسا ہو سکتا ہے بلکہ یوں کیجئے میرے ذریعے آپ کا ان سے رابطہ قائم ہو جائے گا۔

”ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم بھی ایسا ہی طریقہ کار اختیار کریں گے جہاں میں آپ کو ایسی کسی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“

”آہ محترمہ بیٹا۔۔۔۔۔ آپ اگر میری یہ مدد کر دیں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں آپ پر غلام بے دام ہو جاؤں گی۔۔۔۔۔ ساری زندگی آپ کے اس احسان سے سر نہ اٹھا سکوں گی بس بیٹا میرے والد کی زندگی بچا لیجئے اور ساتھ ہی ان سب کی بھی جو منشیات کی لعنت کاٹ دے ہو گئے ہیں۔“ صدف کی آواز زندہ گئی اور بیٹا متاثر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”بہت جلد شہاب سے بھی آپ کی ملاقات کر اؤں گی صدف۔۔۔۔۔ بہر حال اب آپ کو ہم میں سے ایک سمجھئے۔“

”اور ڈی آئی جی صاحب کو بھی کسی طرح محتاط کر دیجئے۔۔۔۔۔ وہ لوگ ان کی زندگی درپے ہیں اور ہر ممکن کوشش کریں گے کہ شہاب صاحب اور ڈی آئی جی صاحب کو منظر سے ہٹا دیں تاکہ ان کا یہ خوف دور ہو جائے۔۔۔۔۔ بس آپ یہ کر ڈالئے بیٹا۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتی کہ میرے اس قدم سے آنے والے وقت میں کیا حالات سامنے آئیں۔۔۔۔۔ میری زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔۔۔۔۔ بیٹا آپ یقین کریں اگر کوئی مجھ سے یہ کہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور صدف تم صرف اپنی زندگی قربان کر دو تو آپ میرے ان جذبوں پر یقین کر پائیں لیکن میں ایسا ہی کروں گی، بھر وسا کیجئے میں ایسا ہی کروں گی۔“ بیٹا نے سچے جذبہ سے اپنی جگہ سے اٹھ کر صدف کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”میں جانتی ہوں صدف اور تمہارے اس جذبے کو سلام کرتی ہوں۔“ صدف نے اختیار اس سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی تھی اس نے روتے ہوئے کہا۔

”بیٹا میں اپنے باپ کی زندگی بھی چاہتی ہوں آہ اگر ہو سکے تو میرے باپ کو بچا لیجئے گا۔“ صدف روتی رہی اور بیٹا اسے تسلیاں دیتی رہی، پھر تھوڑی دیر کے بعد صدف

سنبھل کر کہا۔

”میں اب جاؤں۔“

”نہیں صدف میں تمہیں خود پہنچا دیتی ہوں، ایسی جگہ جہاں سے تم اپنے گھر جا سکو۔۔۔۔۔“

”اپنے گھر کے سامنے ہی پہنچا دیتی ہوں تمہیں۔“

”اتنی دُور نہیں۔۔۔۔۔ بس کسی بھی ایسی بڑی سڑک پر جہاں سے مجھے ٹیکسی مل جائے۔۔۔۔۔ یہ ضروری ہے۔۔۔۔۔ ویسے میں آپ سے رابطہ کہاں قائم کروں۔۔۔۔۔ بیٹا صاحبہ۔“

”وہ ہی میرا ٹیلی فون نمبر۔۔۔۔۔ ایک وقت کا خاص طور سے یقین کر لیجئے میں بہت جلد آپ کو خود اطلاع دوں گی۔“

”تو سنیں ہمارے گھر میں چھ ٹیلی فون لائنیں ہیں۔۔۔۔۔ میں جو آپ کو ٹیلی فون نمبر بتا رہی ہوں وہ میرے اپنے ٹیلی فون کا نمبر ہے اور آپ اس پر مجھے رنگ کر لیجئے گا، بس یہ کہہ دیجئے کہ میں صدف کی دوست بول رہی ہوں، اگر میں نہ بھی ہوئی تو کسی کو بھی پیغام دے دیجئے گا۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ بیٹا مدہم لہجے میں بولی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی صدف اس کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔۔۔۔۔ بیٹا کو معلوم تھا کہ شہاب دوسرے کمرے میں یہ ماری گفٹگو سن رہا ہے لیکن جب وہ باہر نکلی تو شہاب بدستور ڈرائیور کے میک اپ میں کار کے پاس کھڑا ہوا تھا۔۔۔۔۔ ان دونوں کو دیکھ کر مودب ہو گیا اور کار کے عقبی دروازے کھول دیئے، دونوں اندر بیٹھ گئیں تو پھر اس نے مودبانہ انداز میں دروازے بند کئے اور اسٹیرنگ سنبھال لیا، کار سٹارٹ ہو کر باہر نکل آئی تھی تو بیٹا نے کہا۔

”کسی ایسی بھری پڑی سڑک پر گاڑی روک دو جہاں سے ٹیکسی مل جائے۔“

”یس میڈم۔“ شہاب نے مودبانہ انداز میں کہا۔

ایسی جگہ بھی یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی، چنانچہ کار روک دی گئی۔۔۔۔۔ صدف نے بیٹا کو خدا حافظ کہا اور اتر کر پیدل ایک جانب چل پڑی۔۔۔۔۔ بیٹا متاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، شہاب نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔۔۔۔۔ بیٹا خاموش بیٹھی رہی تھی، لیکن وہ ہلکے ہلکے تھی کہ کار کا رخ کریم سوسائٹی کی کوٹھی کی جانب ہی ہے، راستے میں مکمل خاموشی قائم تھی۔۔۔۔۔ شہاب نے بھی کسی سوچ میں ڈوبے ہونے کی بنا پر کوئی بات نہیں کی تھی۔

”اس نے مجھے ایک ایسی بات سے آگاہ کیا ہے جس کا تعلق میری زندگی سے ہے اور میری زندگی شہاب ہے۔“

پینا نے کہا۔

”اوہ یعنی وہ نادر حیات صاحب اور میری زندگی کے خاتمے والی بات۔“

”تم اسے سرسری انداز میں لے رہے ہو۔“

”نہیں بھی خوفزدہ تو میں بھی ہوں۔“

”غیر سنجیدگی بالکل نہیں چلے گی شہاب..... دیکھو صدف اپنے باپ کی زندگی کی ذراں ہے کیونکہ وہ اپنے باپ کو بے پناہ چاہتی ہے..... میری زندگی میں بھی خوشیوں کا عنصر بہت مختصر ہے..... صرف چند افراد میری زندگی سے متعلق ہیں اور ان کی زندگی ہی میری زندگی ہے۔“ شہاب کسی بھی طور اس بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کرو گے تم۔“

”نہیں بیٹا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بھلا یہ نظر انداز کرنے کی بات ہے۔“ شہاب نے محسوس کر لیا تھا کہ بیٹا کی آواز گلوگیر ہو گئی ہے اور اگر اس نے ذرا بھی کوئی غلط گفتگو کی تو وہ رو پڑے گی حالانکہ شہاب بیٹا سے پہلے یہ بات جان چکا تھا کہ شیخ سلطان نے چینی نامی ایک فنکار کو اس کام پر آمادہ کیا ہے لیکن بیٹا نے صدف کا معاملہ پیش کیا تھا اور بہر حال شہاب نہیں چاہتا تھا کہ بیٹا محسوس کرے کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا اور یہ ساری کہانی شہاب کو پہلے سے معلوم تھی، چنانچہ اس نے بیٹا پر اس بات کا بالکل اظہار نہیں کیا اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ اس مسئلے پر پوری پوری نگاہ رکھے گا اور اسے نظر انداز نہیں کرے گا، پھر اس نے کہا۔

”ویسے بیٹا اعظم بیگ کے بارے میں جو کچھ میں نے کہا تھا وہ سچ نکلا ناں۔“

”خیر میں نے تو اس پر کبھی شک نہیں کیا، ظاہر ہے تم ہر مسئلے کی تحقیقات کے بعد ہی کیا کوئی تاثر دہاؤ، لیکن شہاب ایک بات بتاؤ۔“

”ہاں بیٹا۔“

”ان لوگوں کے بارے میں بھی تمہارے نظریات وہی ہیں، یعنی یہ کہ یہ لوگ صاحب

نہایت ہیں اور اگر ان پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا تو یہ اپنی گلو خلاصی کر لیں گے۔“

”ہاں بیٹا سب کے تعلقات کا جائزہ لیتا رہا ہوں میں اور یہ حقیقت ہے کہ وہ لوگ نجانے

بیٹا اپنے طور پر خود بھی اس کہانی کے تاثر میں الجھی ہوئی تھی، جو اسے صدف نے سننا تھی..... بڑے عجیب و غریب اور پر پیچ معاملات تھے، بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہو گئے..... شہاب نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جی بیٹا صاحبہ..... کیا فیصلے کئے آپ نے..... اس تمام گفتگو کے پس منظر میں۔“

”سچ ماننا شہاب..... میں تو بڑی متاثر ہو گئی ہوں۔“

”کس بات سے؟“ شہاب نے سوال کیا اور بیٹا کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ آگئی، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”اس ساری کہانی میں ایک بیٹی کا پیار ترپ رہا تھا، وہ اس لئے افسردہ اور پریشان ہے کہ اس کا باپ ایک غدار وطن کی حیثیت سے منظر عام پر آیا ہے اور وہ لوگ وطن کی محبت سے سرشار ہیں وہ نہ وطن کو کوئی نقصان پہنچنے دینا چاہتے ہیں اور نہ اپنے باپ کو شہاب، اگر میری مانو تو یہ بات بہر طور قابل قدر بھی ہے اور قابل احترام بھی کہ وہ وطن کی محبت میں بہت آگے ہیں..... کوئی عام انسان ہوتا تو اتنے اہم اور گہرے رشتے کو متاثر نہ کرتا لیکن یہ بہت بڑی بات ہے۔“

”ہاں بیٹا اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دلوں میں نہیں ہیں، میں اپنے وطن کے نوجوانوں کے جذباتوں کو دیکھ چکا ہوں، اگر بڑے بے دشمن ہمارا مقابلہ ہونے کی کوشش کرے تو دوسرا کل اور ہتھیار کے نکتہ نگاہ سے الگ ہٹ کر ہمارے پاس جذباتوں کا جو اسلحہ ہے دشمن اس کا مقابلہ تاقیامت نہیں کر سکتا اور جذباتوں کا اسلحہ تم ہیوں سمجھ لو ناقابل تسخیر ہے اور کسی کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے..... ہم جذبات کی طاقت سے مالا مال ہیں..... میرے وطن کے نوجوان وطن کی آبرو پر ہزار جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور یہ طاقت معمولی نہیں ہے..... خیر ہم اس جذبہ گفتگو میں الجھ گئے اب تم یہ بتاؤ اس ساری کہانی کو سننے کے بعد تمہارا نظریہ کیا ہے۔“

”دیکھو شہاب باقی باتوں میں تو ظاہر ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اس لڑکی نے مجھ پر بھی احسان کر ڈالا ہے۔“

”احسان؟“

”کیوں..... اس کو احسان نہیں کہو گے۔“

”احسان نہیں سمجھا۔“

کیوں ابھی براہ راست مجھ سے نہیں اُجھے..... ورنہ اگر وہ چاہیں تو میرے خلاف غلاف مٹا دیتے۔
منظر عام پر آ سکتے ہیں۔“

”پھر تم نے انہیں کیوں چھوڑ رکھا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”شہنشاہ کی عدالت میں کیا ہو رہا ہے۔“

”کیا تم یہ چاہتی ہو بینا۔“

”کیا مطلب؟“

”یہ کہ شہنشاہ کی عدالت انہیں سزا دے دے۔“

”نہیں ابھی نہیں۔“ بینا نے کہا۔

”ابھی نہیں سے کیا مراد ہے۔“

”اور اب تو خاص طور سے کیونکہ بہر حال ایک بات کو تم نظر انداز نہیں کر سکتے۔“

”وہ کیا؟“

”میں بھی واسطی صاحب سے اتنا ہی پیار کرتی ہوں۔“ بینا نے کہا اور شہاب پر ہنسی

انداز میں گردن ہلانے لگا..... دیر تک سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

”بینا ویسے ہمیں مشکلات پیش آجائیں گی۔“

”کیا؟“

”کیا تم یہ چاہو گی کہ اعظم بیگ کو زندہ بچا لیا جائے۔“

بینا نے چونک کر شہاب کی صورت دیکھی پھر آہستہ سے بولی۔

”ہاں میں یہ چاہوں گی۔“

”یہ ممکن نہیں ہوگا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ وہ ناصرف منشیات فروش ہے بلکہ غدار وطن بھی ہے اور غدار انسان

بھی..... بے شمار افراد کا قاتل ہر قسم کے جرائم اس پر عائد ہو سکتے ہیں..... اس نے حکومت

دھوکہ دیا ہے..... ایک طرف وہ ہسپتال بنواتا ہے تو دوسری طرف منشیات فروخت

ہے..... گویا اس نے قانون کو صرف ایک مذاق کا درجہ دیا ہے..... بینا یہ بڑی خطرناک

ہے اور بہت غور کرنا پڑ جائے گا۔“ بینا مغموم انداز میں گردن ہلانے لگی، پھر اس نے کہا۔

”لوگ نہیں سوچتے..... لوگ نہیں سوچتے..... بس جذبے کچھ عجیب ہوتے ہیں اب

کچھ شہاب کہ اس شخص نے اپنے بچوں کو بہتر جگہ فروکش کر دیا اور خود کیا بن گیا، کیا

ہے جائے گا اپنے ساتھ..... سزائے موت ہو جائے گی اور زندگی کھو بیٹھے گا حالانکہ سوچا

اس نے یہ ہوا ہے کہ اپنے تعلقات کی بنا پر کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اس کا لیکن آج وہ کس نہج

پہنچ گیا ہے۔“

”البتہ بینا۔ ان بچوں کی یہ قربانی اور ان کے جذبے مجھے متاثر کر رہے ہیں۔ بینا جب

قانون کی حفاظت کیلئے میں غیر قانونی طور پر قانون شکنوں کو سزائیں دے سکتا ہوں تو وہ

دوسرے ایسے کام بھی کئے جاسکتے ہیں جو بظاہر غیر قانونی ہوں لیکن قانون انسانیت پر پورے

اُترتے ہوں دیکھیں گے بینا دیکھیں گے۔“ شہاب نے کہا اور بینا کی آنکھوں میں امید کی

روشیاں جل اُٹھیں وہ درحقیقت شہاب کو اس وقت نہیں سمجھ پارہی تھی اس کی آنکھوں کی

نئی آواز کی بھراہٹ شہاب کو بار بار اپنے فیصلے بدلنے پر مجبور کر رہی تھی اور بہر حال وہ خاصی

مشکل میں پڑ گیا تھا۔ لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں مشکلات قبول کرنا پڑتی

ہیں، دیر تک وہ دونوں بیٹھے اس موضوع پر بات کرتے رہے تھے اور پھر شہاب نے مسکراتے

ہوئے کہا۔

”بس اب آپ بیوی بن جائیے۔“ بینا نے اسے چونک کر دیکھا اور محبت بھرے انداز

میں مسکرا دی۔



”یہ بتائیے کہ ہم ڈی آئی جی نادر حیات اور شہاب ثاقب کے لئے مصروف ہو جائیں۔۔۔۔۔“
 ڈاکسن تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوب رہا پھر بولا۔
 ”نہیں۔۔۔۔۔ وہ تینوں چونک کر ڈکسن کو دیکھنے لگے پھر پیل نے کہا۔

”میں سمجھا نہیں فادر؟“

”دیکھو۔۔۔۔۔ یہ لوگ ویسے تو اپنے طور پر ناکارہ ثابت ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ پے در پے
 غلطیاں کر کے انہوں نے بات اس حد تک پہنچا دی ہے کہ ہم شدید نقصانات سے دوچار ہیں،
 بس میں نے اس دوران اور بھی معلومات حاصل کی ہیں۔ یہاں رہ کر اس میں کوئی شک نہیں
 ہے کہ اس ملک میں وہ بڑی زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور بڑے سے بڑے مسئلے کو حل
 کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کے اختیارات اعلیٰ حکام تک ہیں، میں انہیں قائم رکھنا چاہتا ہوں اور
 نہیں محفوظ۔۔۔۔۔ میری آرزو تو یہ ہے کہ تم صرف ایسے معاملات میں الجھو جن میں میں
 انہیں شریک نہ کرنا چاہوں۔۔۔۔۔ اب اسی دوران دیکھ لو شاید ابھی انہوں نے تم تینوں کی
 موت کی اطلاع سنڈیکیٹ کو نہیں پہنچائی ہے اور سنڈیکیٹ ابھی تک تمہاری موت سے
 باخبر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ یہ کوشش کر رہے ہوں اور جلد ہی کوئی ایسا قدم اٹھالیں
 لیکن یہ ان کی کوتاہی ہے، تم ابھی ذرا پرسکون رہو۔۔۔۔۔ میں گولڈن کراؤن کی حیثیت سے ان
 سے رابطہ کرتا ہوں اور اس سلسلے میں ان سے باز پرس کروں گا کہ پہلے تو تمہاری موت اور
 ان کے بعد یہ کوتاہی پھر میں ان سے یہ چاہوں گا کہ انسپکٹر جنرل اور آفیسر ان اسپیشل ڈیوٹی
 کو فوری طور پر راستے سے ہٹائیں، اس طرح تمہیں محفوظ رکھوں گا میں اور انہیں لباس لائن
 ہنگاموں گا کیا سمجھے؟“ تینوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ان میں سے ایک نے

”ہم سمجھ گئے فادر اور ایک بات اور بھی سمجھ گئے۔“

”کیا؟“ رونا لڈو نے بھوین ٹیڑھی کر کے ان سے پوچھا۔

”یہ کہ گولڈن کراؤن صرف انعام میں نہیں مل جاتا بلکہ اسے حاصل کرنے کے لئے
 نام استعمال ہوتا ہے اور دماغ کہیں سے نرید انہیں جاسکتا۔“ رونا لڈو نے ہونٹوں پر
 مسکراہٹ پھیل گئی تھی، کچھ لمحے مسکراتا رہا اور اس کے بعد سنجیدہ ہو گیا، پھر اس نے کہا۔
 ”فی الحال تمہیں اپنی تمام مصروفیات ترک کرنا پڑیں گی، بہتر ہے کہ یہیں قیام کرو۔۔۔۔۔“

فادر رونا لڈو نے ان تینوں کا استقبال کیا، اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ
 رقصاں تھی، روکی پیل اور گارون عقیدت سے اس کے سامنے پہنچے اور اس کے ہاتھ چومے
 ڈاکسن مسکراتے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔
 ”کہو مقتولو! کیسے ہو تم لوگ۔“

”یہ جگہ فادر یہ جگہ تو بہت عمدہ ہے آپ نے کہاں سے حاصل کی۔“ جواب دہ
 رونا لڈو مسکراتے لگا پھر بولا۔

”بھئی تم لوگوں کو یہاں آئے کافی دن گزر گئے لیکن بہر حال ہم بھی کچھ لمحے تو بہر
 گزار ہی چکے ہیں۔۔۔۔۔ ہو گیا کچھ نہ کچھ کام ویسے کیسی جگہ ہے۔“

”سر۔۔۔۔۔ بہت ہی شاندار اور حیرانی کی بات ہے کہ آپ نے اسے کیسے حاصل کر لیا
 لحاظ سے ایک شاندار جگہ ہے۔“

”بات اصل میں یہ ہے کہ اب ذرا یہاں کافی عرصے تک مستقل کام کرنا پڑے گا۔
 سب سے پہلا مسئلہ ہمارے سامنے یہ ہے کہ باڑی کے معاملات کو درست کیا جائے۔ ہانڈ
 میں جو کچھ ہوا ہے وہ انتہائی سنسنی خیز ہے۔۔۔۔۔ جس طرح بھی ممکن ہو سکے۔۔۔۔۔ ہمیں ہانڈ
 میں کاشت اور سپلائی کو واپس قائم کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ جیسا کہ اس سلسلے میں تم سے بات چیت
 ہو چکی ہے۔“

”جی۔۔۔۔۔ مسٹر رونا لڈو۔“

”بہتر یہ ہو گا کہ تم مجھے صرف فادر ڈکسن یا فادر رونا لڈو کہو یہ ہی اس وقت مناسب ہے۔
 ”لیس فادر۔۔۔۔۔ لیکن فادر اب جبکہ ہم تینوں کو ایک حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔“

لفظ، زندگی بھر کی رقت بخش دیتے ہیں۔“ مینا گہری نیند سو رہی تھی، اس کے بہت قریب، بت ہی قریب اور ان قریبوں کے لئے نہ جانے کیا کیا الفاظ تراشے گئے تھے۔ “شہاب کو نیند نہیں آرہی تھی لیکن اس نے بہت دیر سے کروٹ بھی نہیں بدلی تھی کہ کہیں مینا کی آنکھ نہ مل جائے، بس محبت کا ایک یہ بھی انداز ہوتا ہے..... اس وقت نیند نہ آنے کی وجہ اسی معاملے کے احساسات تھے، وہ غور کر رہا تھا کہ یہ کیسے بے حد طوالت اختیار کر گیا ہے..... اس مصوم لڑکی کے قتل سے واقعات کا آغاز ہوا تھا..... دانی شاہ منظر عام پر آیا تھا اور اس کے بعد بازی کے خوفناک واقعات، پھر ان پانچوں کا منظر عام پر آنا اور پھر اس کے بعد نادر حیات صاحب کی بے بسی، یہ ساری چیزیں اس داستان کو طوالت دیتی چلی گئی تھیں، شہاب نادر حیات صاحب سے بھی غیر متفق نہیں تھا..... بہر حال وہ بھی انسان تھے..... ان کی ہاتھوں کی دستیں بھی محدود تھیں..... اگر شہاب کو ان پر یہ اعتبار نہ ہوتا کہ وہ زمانہ ساز نہیں ہیں تو شاید اب تک اس معاملے کا خاتمہ بھی ہو چکا ہوتا۔ بات اصل میں وہیں سے شروع ہوتی تھی اور وہیں پر ختم ہو جاتی تھی..... دونوں رخ سامنے رکھے تھے اس نے اور اب تک اسے انتہائی کامیابی حاصل ہوئی تھی، قانون کے راستے اگر بند کر دیئے جاتے تھے تو پھر شہنشاہ سامنے آتا تھا، ویسے شہاب نہیں چاہتا تھا کہ شہنشاہ کی شخصیت کسی طرح اس سے منسوب ظاہر ہو..... اور اب تک سارا کھیل ختم ہو چکا ہوتا، ایک اور احساس بھی دل میں تھا، کھیل صرف اسی حد تک نہیں تھا، بلکہ دانی شاہ سے حاصل شدہ فائل میں جو اعداد و شمار اسے ملے تھے۔ ان میں کچھ اور کہانیاں بھی تھیں، کسی ایک مسئلے کو آسانی سے ختم کر کے داخل دفتر کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اس کی مکمل تفصیل سامنے نہ آئے تو مزہ انہیں آتا اور یہی احساس شہاب کو ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر حیات نے ڈی آئی جی صاحب کو اور اسے چیلنج کر دیا تھا..... وہ بے چارہ تھا کیا چیز، لیکن شہاب نے اسے موقع دیا تھا اور اس کی وجہ بھی صرف یہی تھی کہ وہ ڈاکٹر حیات کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کا خواہشمند تھا، غرض یہ کہ وقت آگے گزر رہا تھا اور اب شہاب فیصلے کر لینا چاہتا تھا، اس وقت انہی سوچوں نے اس کے ذہن کو الجھا رکھا تھا، نہ جانے کیوں ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں تھا، خصوصی طور پر ٹرک کا وہ حادثہ، ٹرک ڈرائیور نیاز خان نے جو تفصیلات بتائی تھیں، وہ تو کچھ عجیب ہی نوعیت کی حامل تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ حادثہ خصوصی طور پر کیا گیا ہو اور اس کی کوئی اہم وجہ ہو، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اہم

تمہاری جگہ میں کام کر رہا ہوں، مجھے ذرا یہ دیکھنا ہے کہ اس کمپنی کا رد عمل اس دوران کیا ہوگا جس کے نمائندوں کی حیثیت سے تم یہاں آئے ہو میرا خیال ہے کمپنی کو بھی اس مسئلے پر تھوڑی سی جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ حکومت پر اثر پڑے۔“

”جی مسٹر رونا لڈو آئی ایم سوری فادر رونا لڈو تو اب ہم لوگ یہیں قیام کریں۔“

”ہاں۔“

”اور فادر آپ۔“

”میری دنیا بہت وسیع ہے، اب دیکھوں ناں راستوں سے بھٹکے ہوؤں کو راہ راست لانا مشنری کے ایک ممبر کی حیثیت سے عبادت گاہوں میں جانا یہ بھی تو میری ہی ذمہ داری ہے، بہر حال اس رہائش گاہ میں تمہارے لئے میں نے وہ سب کچھ اکٹھا کر دیا ہے جس کی تمہیں ضرورت پیش آسکتی ہے تو اب میں چلتا ہوں، تم اپنی اس نئی آرام گاہ کو سنبھالو۔“

ڈکسن اپنی جگہ سے اٹھ گیا، پھر وہ باہر کھڑی ایک کار میں بیٹھا اور اسے سٹارٹ کر کے چل پڑا۔ کار پر مشنری کے ایک ادارے کا مونو گرام بنا ہوا تھا، جب اس کی کار نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو پیل نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گارون اور روکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”پتا نہیں..... تم لوگوں کے اس کے بارے میں کیا خیالات ہوں لیکن درحقیقت یہ تو وہ ایک روحانی پیشوا ہی لگتا ہے، کیا عظیم دماغ پایا ہے اس نے اور کیا ہی عمدہ اقدامات ہوتے ہیں اس کے..... میں تو شدید متاثر ہو گیا ہوں، روکی اور پیل بھی مسکرانے لگے تھے اور پیل آنے والے لمحات کے تصور میں کھو گئے..... واقعات بہر حال ایک دلچسپ نوعیت رکھتے ہیں اور آنے والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔“



شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے مینا کو دیکھا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہو گیا اتنی قربت جس کو خواب ہی سمجھا جائے..... کل تک مینا ایک حسین خواب ہی تھی اور اب تعبیر..... یہ فیصلہ کرنا مشکل کہ خواب زیادہ حسین ہوتا ہے یا تعبیر، شہاب سمجھی اس میں بھی سوچنے لگتا تھا، مینا جب ایک اجنبی شخصیت تھی تو شہاب اسے چھیڑتا رہتا تھا۔ مدہم مسکرائیں، شرمیلیں انداز، آنکھوں میں محبت ایک انوکھا رنگ رکھتی تھی اور شہاب قریب کہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو لے..... کیا عجیب کہانی ہوتی ہے، انسانی اقدار کی

بیٹا تھا تو واقعی اس کی سوچوں میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہونے لگی تھیں..... اس نے بہت سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن ان سوچوں کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا تھا..... ویسے وہ اب بھی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کئے ہوئے تھا ورنہ صورت حال کافی خراب ہو سکتی تھی۔ جب بھی دماغ کی چرخہ الٹی گھوم جاتی، سارے مسئلے حل ہو جاتے، لیکن چونکہ یہ سب کچھ آئی جی نادر حیات صاحب کے علم میں آچکا تھا، اس لئے شہاب نہیں چاہتا تھا کہ نادر حیات صاحب اس سلسلے میں مختلف انداز میں سوچیں، بہر حال اس نے یہ فیصلہ دل میں تو کر لیا تھا۔ جب صورت حال ناگزیر ہو جائے گی اور کوئی ایسی مصروفیت سامنے آجائے گی، جو زیادہ اہم نوعیت کی حامل ہو تو پھر اس کیس کو شہنشاہ کے حوالے کر دے گا اور شہنشاہ کی عدالت میں اس کا مناسب فیصلہ ہو جائے گا، لیکن ابھی جب تک یہ سب کچھ نہیں تھا اس نے اس مسئلے میں ذہنی ورزش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور دوسری صبح ناشتے کی میز پر اتفاقیہ طور پر بیٹا نے بارے میں سوال کر دیا تو شہاب نے اسے بھی یہی جواب دیا۔

”بات اصل میں یہ ہے بیٹا کہ ابھی کوئی اور مصروفیت تو ہے نہیں، گاڑی چل رہی ہے تو چلتی رہنے دی جائے، نادر حیات صاحب بھی اسی بات کے خواہشمند ہیں اور پھر کچھ بات ہے کہ یہ ان کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ تم نے انہیں بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے شہاب۔“

”نادر حیات صاحب کو؟“

”تو اور کیا۔“

میں اس دنیا کے قابل نہیں ہوں..... میں نے وہ کیا ہے جو برا تھا اور اس پر سے اس کی نظر ہٹا لی تھی میں نے، جیسے میں اس دنیا کا انسان ہی نہ ہوں، کیا کرنا چاہئے مجھے؟ کیا کرنا چاہئے؟ خودکشی کرنا حرام ہے، لیکن کیا دنیا میں یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی میں عاقبت میں اپنے بھری کے لئے کوئی تصور دل میں رکھوں؟ جہنم میری تقدیر ہے، جب جہنم میں ہی جانا سب سے اچھا ہے، جلد از جلد کیوں نہ پہنچ جاؤں..... اس نے دل میں سوچا اور اس کا جنون، انتہائی حد تک پہنچ گیا، اپنی جگہ سے اٹھا، میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا، اسے کھول کر اس کے پیچھے لٹکے اور اپنی جگہ آ بیٹھا..... پھر اس نے ایک کاغذ سامنے رکھا، قلم نکالا اور کھول کر

”میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا..... زندگی میں انسان برائیاں بہت جلد اپنا لیتا ہے، بچوں کے راستے بڑے دشوار گزار ہوتے ہیں، اس لئے ان پر سفر اتنا آسان نہیں ہوتا،

وجہ کیا ہو سکتی ہے، نہ جانے کب تک شہاب کے ذہن میں یہ تمام چیزیں گڑبگڑتی رہیں۔ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن ان سوچوں کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا تھا..... ویسے وہ اب بھی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کئے ہوئے تھا ورنہ صورت حال کافی خراب ہو سکتی تھی۔ جب بھی دماغ کی چرخہ الٹی گھوم جاتی، سارے مسئلے حل ہو جاتے، لیکن چونکہ یہ سب کچھ آئی جی نادر حیات صاحب کے علم میں آچکا تھا، اس لئے شہاب نہیں چاہتا تھا کہ نادر حیات صاحب اس سلسلے میں مختلف انداز میں سوچیں، بہر حال اس نے یہ فیصلہ دل میں تو کر لیا تھا۔ جب صورت حال ناگزیر ہو جائے گی اور کوئی ایسی مصروفیت سامنے آجائے گی، جو زیادہ اہم نوعیت کی حامل ہو تو پھر اس کیس کو شہنشاہ کے حوالے کر دے گا اور شہنشاہ کی عدالت میں اس کا مناسب فیصلہ ہو جائے گا، لیکن ابھی جب تک یہ سب کچھ نہیں تھا اس نے اس مسئلے میں ذہنی ورزش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور دوسری صبح ناشتے کی میز پر اتفاقیہ طور پر بیٹا نے بارے میں سوال کر دیا تو شہاب نے اسے بھی یہی جواب دیا۔

”بات اصل میں یہ ہے بیٹا کہ ابھی کوئی اور مصروفیت تو ہے نہیں، گاڑی چل رہی ہے تو چلتی رہنے دی جائے، نادر حیات صاحب بھی اسی بات کے خواہشمند ہیں اور پھر کچھ بات ہے کہ یہ ان کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ تم نے انہیں بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے شہاب۔“

”نادر حیات صاحب کو؟“

”تو اور کیا۔“

”نہیں بیٹا..... میں بالکل یہ بات نہیں کہتا..... میں جانتا ہوں کہ وہ بیچارے بہر حال مجبور ہیں، ظاہر ہے قانون کے آدمی ہیں اور سارے قانونی عمل کو ذہن میں رکھنا چاہئے، اب یہ تو ممکن نہیں کہ وہ مجھے اس بات کی کھلی اجازت دے دیں۔“ بیٹا ایک گرا سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔



اعظم بیگ جب سے اپنے بچوں کے سامنے نمایاں ہوا تھا اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی، چہرے کی مسکراہٹیں رخصت ہو گئی تھیں اور اس پر اُداسی کی ایک دھندلی سی چڑھ گئی تھی، وہ ہمیشہ سوچ میں ڈوبا رہتا تھا اور اب جب اس کے بچوں نے اسے سوچنے

دوبارہ کپٹی پر رکھ کر یکے بعد دیگرے ٹرانسگر دباتا چلا گیا، لیکن ہلکی ہلکی آوازوں کے سوا کوئی عمل نہ ہوا تو وہ شدت حیرت سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا..... تبھی اس کی نظر عقب پڑی، اس نے دیکھا کہ طاہر اور صدف وہاں کھڑے ہوئے ہیں وہ انہیں اس طرح دیکھ کر بہہ گیا تھا۔

”تم لوگ یہاں؟“

”ہاں ڈیڈی..... ہم اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔“

طاہر بیگ نے کہا۔

”ڈیوٹی!؟“ اعظم بیگ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہاں ڈیڈی! وہ ڈیوٹی جو ہم نے اپنی ہے اور جواب ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیت کی مال ہے۔“

”طاہر تم؟“

”ڈیڈی آپ خود کشی کر رہے تھے۔“ طاہر غناک لہجے میں بولا..... مرزا اعظم بیگ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا..... پھر میز پر رکھے ہوئے پرچے کی جانب دیکھا..... پھر پستول کو دیکھا..... پھر آہستہ سے بولا۔

”ہاں۔“

”گناہوں میں ایک گناہ کا اضافہ..... آپ جانتے ہیں یہ گناہ کیا حقیقت رکھتا ہے؟“

”جتنے گناہ میں کر چکا ہوں طاہر..... اس کے بعد میرا ضمیر گناہوں کے بوجھ سے اس قدر ذلک چکا ہے کہ کوئی اور گناہ، گناہ نہیں لگتا۔“

”ڈیڈی! میں نہ تو آپ کو نصیحت کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں، نہ میرا اتنا علم ہے، اپنے مجنوں سے علم کی بنا پر میں یہ بات کہتا ہوں کہ ”جگہ جگہ ہمیں بہت سی تحریریں نظر آئی ہیں..... بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ ”توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے۔“ بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ ”توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔“ ڈیڈی! توبہ کی طرف راغب ہونے کے بجائے یہ اور گناہ کا اضافہ، کیا عقل سے تعلق رکھتا ہے؟“ جب ضمیر کو گناہ کی شدت کا احساس ہو تو انسان کو توبہ کی جانب راغب ہونا چاہئے۔“

”تم نہیں سمجھتے، میری توبہ بے مقصد ہے۔“

جبکہ برائیوں کے خوشگوار راستوں پر جو آخر کار تباہی کے گڑھوں پر ختم ہوتے ہیں، چلنے پر کوئی خاص دشواری پیدا نہیں ہوتی..... میں نے انہی آسان راستوں کا سفر شروع کیا تھا۔

بہر حال میں نہ لفظ سازی کرنا چاہتا ہوں، نہ افسانہ طرازی میں ایک جرائم پیشہ شخص ہوں۔ میں نے زندگی میں بہت کچھ برائیاں کی ہیں، تفصیل بے کار ہے، میں اپنے ان چار ساتھیوں کی نشاندہی اور کرنا چاہتا ہوں، جو اس سلسلے میں جرم کی دنیا سے منسلک ہیں، ہمارا تعلق ایک ایسے سنڈیکیٹ سے ہے جو بین الاقوامی پینا نے پر نشیات کی تجارت کرتا ہے اور ہم مقامی طور پر اس کے کرتادھر تابتے ہیں، میرے ساتھ یہ چار افراد اور شریک ہیں، میں اپنے ضمیر کی آواز سے مجبور ہو کر موت کی وادیوں کی جانب قدم بڑھا رہا ہوں..... یہ خود کشی میرے لئے ضروری ہے، کیونکہ میرے بچے بہت جلد میرے جرائم سے واقف ہونے والے ہیں، میرے بچوں میں سے کوئی میری اس زندگی سے واقف نہیں ہے، میں نے اپنی زندگی میں یہ ڈبل رول یاد کیا ہے..... بہر حال میں اپنے بچوں سے معافی کا خواست گار ہوں اور ان سب سے بھی جنہیں میرے جیسے لوگوں کے ہاتھ نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے، ہم اس کا کوئی سدباب نہیں کر سکتے لیکن میں سنڈیکیٹ کے کچھ پوائنٹ کی نشاندہی کر رہا ہوں..... اگر حکومت اعلیٰ سطح پر دنیا کی مختلف حکومتوں سے رابطہ قائم کر کے سنڈیکیٹ کے ان پوائنٹس کو ختم کرنا چاہے تو ظاہر ہے یہ اس کا کام ہے۔ ”چراغ سے چراغ جلتے ہیں“ ان پوائنٹس سے پتا چل سکے گا کہ کہاں کہاں سنڈیکیٹ کے پوائنٹ ہیں..... میں اپنا چھوٹا سا فرض پورا کر رہا ہوں، یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا کہ اب میرا ان تمام معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن میں اس تعلق کو ختم کر رہا ہوں۔“

اعظم بیگ

اپنے دستخط کرنے کے بعد اس نے کاغذ کو دھرا تہہ کیا اور ایک پیپر ویٹ کے نیچے دبایا۔

پھر ادھر ادھر دیکھا اور مدہم لہجے میں بولا۔

”میرے بچو! میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا تھا..... جینا چاہتا تھا لیکن انسان زندگی میں جب کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے تو ان میں سے بعض غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کازالہ نہیں کیا جاسکتا..... بہر حال میری مجبوری مجھے اس دنیا سے لے جا رہی ہے۔“ اس نے پستول پر رکھا ایک لمحے سوچتا رہا اور اس کے بعد ٹرانسگر دبا دیا۔

ایک ہلکی سی آواز ہوئی اور اس نے حیرت سے پستول کو کپٹی سے ہٹا کر دیکھا۔

نے صدف کو دیکھا..... جس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے، ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی، وہ ہاتھ بڑھا کر صدف کی جانب بڑھا صدف کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”نہیں ڈیڈی! مجھ سے اس محبت کا اظہار نہ کیجئے، کبھی نفرت کی یہ انتہا کہ ہمارا مستقبل برباد کرنے پر قتل جاتے ہیں اور اس کے بعد محبت کا یہ انداز، ڈیڈی آپ کی یہ دورخی اچھی نہیں لگ رہی۔“

”کیا کہوں میں تم سے؟ کیا بتاؤں؟ مگر یہ پستول.....“

”کہنا ڈیڈی! آپ پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے..... یہ جعلی کار توں ہم نے پستول میں ڈالے تھے، کیونکہ ہم آپ کے ہاتھوں کسی بھی مزید گناہ کو برداشت نہیں کر سکتے۔“

”ڈیڈی! ہم نے بتایا تھا کہ آپ کے دشمنوں کے خلاف..... یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس پستول سے خودکشی کریں گے، بلکہ اس سوچ کا حقدار تھے ہم کہ کہیں یوں نہ ہو کہ آپ اپنے کسی دشمن کو فنا کرنے کے بارے میں سوچیں..... اس کے لئے ہم خود مسلح ہیں بیٹی اور اپنی کاوشیں کر رہے ہیں۔“

مرزا بیگ نے گہری سانس لی اور مدہم لہجے میں بولا۔

”دیکھو..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... میں باروں مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟“

”کچھ نہیں کیجئے ڈیڈی..... اب اپنے آپ کو ان تمام معاملات سے آزاد کر لیجئے، ہم کہہ رہے ہیں جو کچھ ہم سے ہو رہا ہے..... ہم کر رہے ہیں لیکن ڈیڈی عقل و ہوش سے کام لینے کے بجائے، آپ جو عمل کر رہے ہیں وہ بہتر نہیں ہے..... آپ خود سوچئے سنڈیکیٹ کے ذریعہ سے افراد آپ کے ساتھ شریک ہیں..... وقت سے پہلے ہماری کاوشیں منظر عام پر آئیں گی، تو کیا وہ ہمیں زندہ چھوڑیں گے، ڈیڈی آپ کیا کر رہے ہیں..... خدا کے لئے سوچئے، ڈیڈی آپ کر رہے ہیں وہ تو ہماری زندگی بھی ختم کر دے گا..... ڈیڈی آپ! ہم سے دشمنی نہیں ہے۔“ طاہر بیگ کے ان الفاظ پر اعظم بیگ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا..... پھر اس صراحتے ہوئے کہا۔

”آہ میں ہار گیا ہوں..... تھک گیا ہوں میں اور تھکن کے بعد ہی موت کے راستوں

”ہاں ڈیڈی! میں نہیں سمجھتا، لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آپ بھی نہیں کہہ رہے..... میں اس موضوع پر زیادہ بحث نہیں کر پاؤں گا..... ہم ہر وقت آپ پر نگاہ رکھتے ہیں..... میں اور صدف اپنے آپ کو آپ کیلئے وقف کر چکے ہیں، جانتے ہیں ڈیڈی کیوں؟“ مرزا اعظم بیگ نے کوئی جواب نہیں دیا..... خاموشی سے ان کی صورت دیکھتا رہا، نے پھر کہا۔

”اس لئے ڈیڈی کہ ہم آپ کو اپنے گناہ میں برابر کا شریک سمجھتے ہیں۔“

”کیا؟“ اعظم بیگ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

”ہاں ڈیڈی! ان گناہگاروں میں ہم بھی شامل ہیں۔“

”کیا کہو اس کر رہے ہو؟“

”سچ کہہ رہا ہوں ڈیڈی! بتائیے اگر ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کیا آپ یہ سوچتے کہ اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے، ہر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کریں..... ڈیڈی آپ نے ہمارے لئے ہی تو یہ زہر پیسا ہے، ہمارے لئے ہی تو ڈیڈی آپ نے یہ زندگی اپنائی ہے، تو ہم اپنے آپ کو اس سے بالکل بری الذمہ قرار دے دیں، نہیں ڈیڈی۔“

اعظم بیگ بے اختیار مسکرا پڑا پھر بولا۔

”واہ کیا دلچسپ منطق استعمال کی ہے تم نے پاگل، سوچ تو میری غلط تھی تم سے اس؛

کیا واسطہ۔“

”ڈیڈی! بہر حال آپ جو کچھ بھی سوچیں، لیکن جو کچھ آپ کرنے جا رہے تھے وہ تو اب بھی زیادہ بھیاں تک تھا..... ابھی تو اس بات کے امکانات ہیں ڈیڈی کہ کوئی حل نکل آئے۔ کوئی ایسی تدبیر یا ترکیب ہو، جس سے ہمارے چہروں سے گناہ کے یہ داغ دھل جائیں، لیکن اگر آپ یہ خودکشی کر لیتے..... تو یہ خودکشی دنیا کے سامنے آتی اور آپ کی خودکشی کے سلسلے میں تحقیقات ہوتی اور اس کے بعد یہ پتا چل جاتا کہ ہم ایسے باپ کی اولاد ہیں جو منشیات کا سنگ تھ، ڈیڈی اس کے بعد تو ہماری کوئی کوشش بھی یہ عمل نہیں چھپا سکتی تھی، آپ سوچئے۔ پھر کیا ہوتا ہم اپنی بات نہیں کرتے، ہم تو مرد ہیں گزارا کر لیتے..... صدف ایک منشیات تاجر کی بیٹی کہلاتی اور کوئی عزت دار آدمی اسے اپنے خاندان میں شامل کرنے پر راضی ہوتا..... بولیں ڈیڈی کیا ایسا نہیں ہوتا؟“ اعظم بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں،

پر پناہ لینا چاہتا ہوں..... تھک گیا ہوں میں اب میں تھک گیا ہوں۔“

”اپنا سارا بوجھ ہم پر ڈال دیجئے ڈیڈی! ہم آخری وقت تک کوشش کریں گے کہ آپ کو بچا سکیں..... ناکام ہو گئے تو پھر ہم اجتماعی خودکشی کر لیں گے، سمجھ رہے ہیں آپ؟“

”خدا نہ کرے۔“ اعظم بیگ نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اپنے دونوں بچوں سے پزیر گیا..... پھر اس نے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔

”وہی کروں گا میں، وہی کروں گا جو تم کہہ رہے ہو..... میں وہی کروں گا۔“ اور مدد اور طاہر بیگ اس سے لپٹ کر خود بھی سکنے لگے۔



نادر حیات صاحب کے ذاتی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے ریسیور اٹھالیا..... ٹیلی فون کی یہ لائن ڈائریکٹ تھی اور اس کے بارے میں خاص ہی خاص لوگوں کو معلومات حاصل تھیں..... اس وقت بھی یقیناً کسی ایسی شخصیت کا فون تھا، جن کے علم میں ڈی آئی جی صاحب کی یہ ٹیلی فون لائن تھی..... نادر حیات صاحب نے پروقار لہجے میں کہا۔

”ہیلو۔“

”نادر حیات صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

دوسری جانب سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

”میں ہی بول رہا ہوں فرمائیے؟“

”آہا نادر حیات صاحب، یقینی طور پر آپ میری آواز نہیں پہچان سکے ہوں گے۔ کیونکہ میں نے پہلی بار آپ کو براہ راست فون کیا ہے۔“

”شاید فرمائیے کون صاحب ہیں؟“

”بھئی نام ہمارا جمال شاہ ہے..... آپ کی حکومت کے ایک چھوٹے سے عہدیدار بننا

شاید یہ نام آپ کے ذہن میں ہو۔“

”سر آپ! خیریت؟“

”ہاں بالکل خیریت ہے..... پہلے یہ بتائیے، پہچان لیا آپ نے ہمیں؟“

”جی سر کیوں نہیں۔“

”کیسے پہچانا؟“

”سر آپ کے نام سے۔“

”جمال شاہ تو بہت سے ہوں گے..... آپ کی اس مملکت میں۔“ جمال شاہ بولا۔

”سر! اگر سرکاری عہدیدار کی بات ہے تو میرا خیال ہے، آپ تنہا ہی ہیں۔“ جواب میں

”ناہی کی ہنسی سنائی دی پھر اس نے کہا۔

”ہاں ڈی آئی جی صاحب! ہم وہی جمال شاہ ہیں..... آپ نے ٹھیک پہچانا۔“

”سر میرے لئے کوئی حکم؟“

”ارے نہیں کوئی حکم نہیں ہے، نادر صاحب! بات اصل میں یہ ہے کہ ہر شخص کو، ہر

شخص کوئی نہ کوئی کام پڑ جاتا ہے..... ایک چھوٹا سا کام پڑ گیا ہے آپ سے۔“

”حکم دیجئے سر!“

”ایسے نہیں اب اتنے بڑے لوگوں کو سڑکوں پر تواحکامات نہیں دیئے جاتے، اگر برائہ

نہیں اور وقت نہ محسوس کریں تو آج رات کو ہمارے غریب خانے پر کھانا وغیرہ کھالیں.....

جی! دیکھئے تکلف کی کوئی بات نہیں ہوگی..... یہ تو دوستی کا ایک انداز ہوتا ہے..... آپ

ہرے ساتھ کھانا کھالیں گے..... ہمیں خوشی ہوگی۔“

”میں آپ کا حکم سر آکھوں پر مان لیتا، لیکن آپ یقین کیجئے کہ پہلی بات تو یہ کہ رات

بالکھائیں نہیں کھاتا اور دوسری بات یہ کہ تکلف کی کوئی ضرورت نہیں تھی، آپ کا حکم

لے گا لی تھا۔“

”معاملہ کچھ اور ہے ڈی آئی جی صاحب!“ دوسری طرف سے جمال شاہ کی ہنسی سنائی دی۔

”اور کوئی بات ہے تو مجھے بتا دیجئے!“ نادر حیات مودب لہجے میں بولے۔

”زندگی میں کسی سے دوستی کی ہے؟“

”جی؟“

”دوستی، دوستی۔“

”کیوں نہیں سر۔“

”دوستی کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔“

”بے شک۔“

”ہم بھی آپ کو دوستی کی پیشکش ہی کر رہے ہیں..... کیا آپ یہ پیشکش قبول کریں

در حقیقت جمال شاہ نے سکیورٹی گارڈز کو احکامات دے رکھے تھے، چنانچہ نادر حیات کی زبردست پذیرائی کی گئی اور آہنی گیٹ سے گزرنے کے بعد جب ان کی کار آگے پہنچی تو سامنے ہی جمال شاہ صاحب کچھ افراد کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ڈی آئی جی صاحب وردی میں وہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے جمال شاہ کو ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”اے واہ ڈی آئی جی صاحب! اے بھائی یہاں ہم نے آپ کو کسی ڈیوٹی پر تو نہیں بلایا، ایک دوستانہ میٹنگ تھی اور اس میٹنگ میں بھی آپ سرکاری لباس پہن کر آئے ہیں۔“

”سرکاری آدمی ہوں۔۔۔۔۔ سر اور سرکار کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اس طلبی کو باری ہی سمجھتا ہوں۔“

”آئیے۔۔۔۔۔ آئیے۔۔۔۔۔ ایسا ہے تو یونہی سہی، ہمیں اعتراض نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہم تو یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا آرام سے بیٹھ کر کھلی فضا اور کھلے ماحول میں بات کریں گے، اب دیکھئے نا اگر نادر سرکاری وردی ہو تو انسان خود کو سرکاری ہی محسوس کرتا ہے مگر خیر سب کچھ اپنی جگہ انسان ہی ہوتا ہے محسوس چاہے وہ کچھ بھی کرے۔“

نادر حیات صاحب۔۔۔۔۔ جمال شاہ کے ساتھ چل پڑے۔۔۔۔۔ جمال شاہ نے اپنے ساتھ بڑی شخص کا تعارف نہیں کرایا تھا، البتہ وہ ڈی آئی جی صاحب کو لے کر ایک بہت ہی بھرت کمرے میں پہنچ گیا اور پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔

”ساری فضا ہی خراب کر دی آپ نے۔۔۔۔۔ ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ سارے گھر کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے ساتھ کھائیں گے پیئیں گے، مگر بھائی وردی سے تو ساری فضا خراب کر دی ہے۔۔۔۔۔ چلے ٹھیک ہے بعد میں ایک پروگرام آپ کے اہل خاندان کے ساتھ لگائیں۔۔۔۔۔ بھی ہم ذرا مختلف قسم کے آدمی ہیں۔۔۔۔۔ ویسے بھی آپ کو کم از کم اس بات کا پتا چاہیے کہ جمال شاہ عوامی حیثیت کا حامل ہے اور اس نے کبھی اپنے آپ کو اتنی بڑی شخصیت نہ سمجھا اور ہمیشہ ہی عوام میں گھل ملتا رہا ہے۔“

”جی شاہ صاحب۔“

”چائے منگوائیں یا بلا تکلف کچھ کھانے کے لئے؟“

”اگر آپ کا حکم ہے تو میں چائے بے شک پی لوں گا، لیکن صرف چائے۔“

گے؟“

”سر! میری خوش بختی ہوگی۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ خوش بختی میں تو کوئی شک نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہماری دوستی حاصل کر لیں۔۔۔۔۔ بات تو نہیں اور ہم نے اس لئے آپ کو کھانے کی پیشکش کی تھی۔“

”اس کے لئے میں عرض کر چکا ہوں۔“ نادر حیات اس فضول گفتگو سے سخت بے حور ہے تھے۔

”یعنی کھانا نہیں کھاتے۔“

”جی سر۔“

”بھی چائے وغیرہ تو پیتے ہوں گے؟“

”جی۔“

”تو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔“

”جی سر۔“

”تو پھر آپ ہمارے ساتھ ایک پیالی چائے ہی پی لیں، ہماری خوشی کے لئے۔“

”کس وقت پہنچنا ہے مجھے؟“

”آٹھ بجے کے بعد آپ تشریف لے آئیے۔۔۔۔۔ ہم انتظار کریں گے اور استقبال

لئے موجود ہوں گے۔“

”بہت بہتر جناب!“ نادر حیات صاحب نے کہا اور دوسری جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا گیا، لیکن نادر حیات صاحب کی پیشانی پر لا تعداد شکنیں تھیں۔ جمال شاہ کے بارے میں ان کے پاس مکمل تفصیلات موجود تھیں اور ان تفصیلات کی تفصیل وہ اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔۔۔ بہر حال ایک ایسی شخصیت نے ان سے رجوع کیا تھا، جن کی کہانیاں لا تعداد بار نظر عام پر آچکی تھیں۔

نادر حیات صاحب کی پیشانی بہت دیر تک شکنیں آلود رہی لیکن بہر حال وعدہ کر چکے تھے اور ان کے فرائض میں بھی تھا، جانا تو پڑتا ہی، چنانچہ وہ ذہنی طور پر اپنے تیار کرنے لگے۔۔۔۔۔ البتہ اس وقت تک شدید الجھن کا شکار رہے تھے، جب تک کہ ان کا مقررہ وقت پر جمال شاہ کی شاندار رہائش گاہ کے وسیع و عریض گیٹ کے سامنے نہ پہنچتا۔

فلوں کی کہانیاں عام بے وقوف لوگ صرف کہانیاں کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حقیقی زندگی میں وہ سب کچھ نہیں ہوتا جو فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ ہم سچے ہیں ہوتا ہے، فلموں کی کہانیاں بھی انسانوں ہی پر لکھی ہوتی ہیں اور ان انسانوں کو حقیقی زندگی کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ پھر یہ تصور تو بالکل بے کار ہوا کہ ان کہانیاں صرف مفروضات پر مبنی ہوتی ہیں۔“

”جی سر! انسان کی کہانیاں، انسان ہی کی کہانیاں ہوتی ہیں۔“

”اور ان کہانیوں میں بڑے بڑے بھیانک بھیانک واقعات ہوتے ہیں بھی دیکھ کر دل کو خوف و شدید احساس ہوتا ہے۔ ہم یہ کہنا چاہتے تھے ڈی آئی جی صاحب کہ وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے، انسان کی غلطیاں تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے جہلا انسان کیا چیز ہے۔“

”آپ مزید آگے کہئے۔“

”بھئی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اور آپ کا وہ آدمی کیا نام ہے اس کا۔۔۔۔۔ خیر جو بھی ہم نے ڈاکٹر حیات سے سمجھوتہ کرے۔۔۔۔۔ جو ہو چکا ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے اور ڈاکٹر حیات کو تنگ نہ کیا جائے۔“

”ڈاکٹر حیات صاحب اس سلسلے میں خود کیا کہتے ہیں؟“

”جو کچھ وہ خود کہتا ہے اس کی تفصیل آپ کو ابھی بتا چل جاتی ہے۔۔۔۔۔ آؤ ڈاکٹر اندر آجائے۔ جمال شاہ صاحب نے ایک دروازے کی جانب رخ کر کے کہا جس پر ایک پردہ لہرا رہا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اس طرف دیکھنے لگے۔۔۔۔۔ اس لمحے پردہ ہٹا اور ڈاکٹر حیات کمرے میں داخل ہو گیا۔

ڈاکٹر حیات قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا اور بہت سمارٹ نظر آ رہا تھا۔۔۔۔۔ اندر آ کر اس نے ڈاکٹر حیات کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

”تشریف رکھئے ڈاکٹر صاحب۔۔۔۔۔ میں اور آپ فی الوقت ہاتھ ملانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔“ ڈاکٹر حیات نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔۔۔۔۔ جمال شاہ صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

”بیٹھ جا بھائی۔۔۔۔۔ بیٹھ جا۔۔۔۔۔ لو ہا گرم ہے ابھی۔ دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔ کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ٹھنڈک پیدا ہو جائے۔۔۔۔۔ ویسے نادر حیات صاحب، آپ کا نام نادر حیات ہے اور یہ صرف

”ایسی ہلکی پھلکی اور پھیکی دعوت بھی شاید ہی ہم نے کسی کو دی ہو۔۔۔۔۔ اصل حیات صاحب ہم تو جیو اور جینے دو کے قائل ہیں۔ خود بھی زندگی کے یہ چند دن گزارے جائیں اور دوسروں کو بھی اس کا موقع دیا جائے۔۔۔۔۔ یہی ہمارا موقف ہے۔۔۔۔۔ کے بھی بال بچے ہوں گے، کبھی تعارف ہی نہ ہو سکا۔۔۔۔۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے لئے کچھ کریں اور کچھ نہیں تو وہ اپنے جمال چاچا کو یاد تو رکھیں گے۔“

”سر بے حد شکریہ۔۔۔۔۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے، آپ کی محبت ہی کافی ہے۔“ چلو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ہم مطلب کی بات جلد ہی شروع کر دیتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اچھا ہی ہوتا ہے کیونکہ اگر واقعی انسان کو کسی سے کوئی کام ہو اور وہ گھماؤ پھراؤ کی بات کرے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہی صورتیں ہیں یا تو اس کے اندر اصل بات کہنے کی نہیں ہے یا پھر وہ جو بات کہنا چاہتا ہے اس سے خود بھی مخلص نہیں ہوتا، کیا خیال ہے اس بارے میں؟“

”سر آپ کا کہنا بالکل بجائے۔“

”ایک آدمی ہے ہمارا اپنا دوست ہے، بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہمارا فیملی ڈاکٹر ہے۔ حیات ہے اس کا نام۔“ جمال شاہ نے کہا اور ڈی آئی جی صاحب کے کان کھڑے ہو گئے۔

”جی ہاں بہت اچھی طرح۔۔۔۔۔ حیات کلینک بڑی شہرت کا حامل ہے۔“

”بھئی آدمی بھی بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔ اب دیکھیں نازندگی میں کہیں نہ کہیں آؤں غلطی ہو ہی جاتی ہے اور غلطی بھی اس طرح کہ خود اس کا کوئی قصور نہیں ہو تا بلکہ وقت کسی جنجال میں پھنسا دیتا ہے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات بھی ایسے ہی جنجال میں پھنس گیا تھا اور چونکہ حیات صاحب اس نے مجھے پوری تفصیل بتا دی ہے، وہ کہہ چکا ہے کہ اس کی غلطی ہے اس غلطی پر نام ہے، اب آپ خود بتائیے ہمارا آدمی ہو اور آپ کے محکمے کا کوئی میو

آدمی، اسے دھمکیاں دے تو کیا یہ جائز بات ہے۔“

”پہلی بات تو یہ ہے سر کہ میرے محکمے میں کوئی بھی معمولی آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک کانسٹیبل کیوں نہ ہو ہمارے محکمے کا ہر شخص قانون کا وفادار ہے اور قانون کے کرتا ہے۔“

”نادر حیات صاحب! بہت سی فلمیں دیکھی ہوں گی آپ نے۔۔۔۔۔ ہم نے بھی

حیات ہے..... دو حیات یکجا ہو گئی ہیں، ہاتھ تو ملنا ہی چاہئے۔“

”شاہ صاحب اچھا ہی ہوا کہ اس وقت میں وردی میں ملبوس آپ کے سامنے ہوں..... یہ وردی آپ ہی کی عطا کی ہوئی ہے..... کم از کم آپ اس وردی کی موجودگی میں کسی ایسے عمل کے لئے مجھ سے نہیں کہیں گے جس پر آپ کو خود افسوس ہو۔“

”دیکھ بھائی..... معاف کرنا ڈی آئی جی صاحب..... ہم زیادہ منطقی آدمی نہیں اور نہ ہی فلسفہ سمجھتے ہیں..... انسان کا فلسفہ ہی ہماری سمجھ میں آتا ہے اور اچھا یہ ہو گا کہ گھواؤ پھر کی کوئی بات نہ کرو..... سیدھا سادا مسئلہ ہے اس کا پر اہل علم ہمارے علم میں آیا، ہمارا آدمی ہے ہم نے کہا بھائی ہو جائے گا تیرا کام اور جب ہم نے کہا کہ اس کا کام ہو جائے گا تو ڈی آئی جی صاحب آپ کو بھی ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔“

منطق اور فلسفے کی زبان ہی سہی، قانون کی زبان تو سمجھے ہیں نا آپ؟“

”پھر وہی یار ایسا کرو..... کل پھر آؤ ہمارے پاس..... سول ڈریس میں آؤ..... لباس میں آؤ..... وردی کبھی کبھی انسان سے اس کی عقل بھی چھین لیتی ہے۔“

”وردی چھ بھی چھین لے شاہ صاحب لیکن کم از کم وطن سے خلوص اور محبت کا احساس ضرور دلاتی رہتی ہے۔“ کاش آپ لوگوں کے لئے بھی کسی وردی کا انتظام ہوتا۔ ہر اعلیٰ عہدیدار کے لئے ایک وردی ہوتی ہے..... کم از کم اسے اپنے بدن پر موجود اس کا احساس تو ہوتا، جہاں تک ڈاکٹر حیات صاحب کا تعلق ہے میں خود بھی ان کی بہت عزت کرتا، اگر یہ صرف ایک ڈاکٹر ہوتے..... آپ ذرا غور تو کیجئے کیا پیشہ ہے ان کا، کتنی عظمت حاصل ہے، لیکن..... لیکن جو الزام ان پر عائد ہے آپ ذرا اس پر غور کیجئے۔“

”دیکھو یہاں جذباتی نہ ہو بھائی ڈی آئی جی جذباتی نہ ہو..... یہ ڈائلاگ تو کسی فلم میں بھی نہیں بولے جاسکتے..... تم حقیقت سے دور کی بات کر رہے ہو..... ڈی آئی جی صاحب انسان کو حقیقتوں کا پجاری ہونا چاہئے..... ہم اس سچ میں زندگی گزار رہے ہیں..... یہ ایک ماحول کا سچ ہے..... اب زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو تم کہ ڈاکٹر حیات سے آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ ہو، نہیں ہوگی ہم خود اس کی ذمہ داری لے لیں گے، لیکن جو کچھ ہو چکا ہے اسے اب سنبھالنا تمہاری ذمہ داری ہے اور دیکھو بھائی..... ملازمت تو تم بہت کر چکے ہو..... سنبھالو..... بھی دے دو گے اور ریٹائر بھی ہو سکتے ہو، لیکن کیا فائدہ دشمنیاں آگے بڑھانے سے؟

مل نہیں ہوتا..... کچھ لے لو..... جو دل چاہے لے لو..... ہم سے بھی لے لو..... ڈاکٹر بہت سے بھی۔“

”میرا خیال ہے..... میری خوش قسمتی ہے کہ ابھی چائے نہیں آئی..... آجاتی تو مجھے آپ کا احسان مند ہونا پڑتا..... اجازت چاہتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ ڈی آئی جی صاحب..... بیٹھ جاؤ..... تعاون کی بات کرو۔“

”میں معافی چاہتا ہوں۔“

”نہیں دیکھو کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں، جن میں وقت نکل جانے کے بعد پھر بہت حال بالکل مختلف ہو جاتی ہے اور تم وقت کو ہاتھ سے نکال رہے ہو۔“

ہمارے حیات چند لمحات خاموش رہے اور اس کے بعد شاید انہوں نے دل میں کوئی فیصلہ کر لیا..... مدد ہم لے لے بولے۔

”دیکھئے..... اگر بات صرف میری ذات تک ہی محدود تویں خاموشی اختیار کر لیتا۔“

”کیا مطلب؟“ جمال شاہ صاحب نے جلدی سے پوچھا۔

”یہ تو پورا ایک کیس ہے سر اور اس سلسلے میں بہت سے لوگ ملوث ہیں..... آپ تائید میں تنہا یہ کام کیسے کر سکتا ہوں؟“

”دیکھو..... یہ تم نے قاعدے کی بات کی..... تم تنہا یہ کام مت کرو..... ہم تمہارے ساتھ ہیں..... بات اصل میں یہ ہے کہ تم صرف حالات کی نگرانی کر لو ڈی آئی جی صاحب! دوسرے تمہارے ہاتھ میں ہیں..... انہیں مٹھی میں بند کر لو، جو آگے سے آئیں گے انہیں نہ دیکھتے رہیں گے..... ہم یہ نہیں کہتے کہ وطن میں برائی جاری رہے..... ہم نے ڈاکٹر حیات کو تنگ دے دی ہے کہ جو کرتا رہا ہے اگر اس کے بعد اسے جاری رکھا تو سمجھ لے کہ پھر ہم نے اسے ساتھ نہیں ہوں گے..... سن رہا ہے نا بھائی..... منہ پر کہہ رہے ہیں..... پیچھے نہیں رہے..... بس دوستی یاری اتنی ہی نبھاسکتے ہیں..... ارے ہماری بھی کچھ ذمے داریاں ہیں..... کیا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں منشیات کی ناجائز تجارت جاری رہے، بالکل نہیں ہوتے تم اور تجھے اس کی اجازت بھی نہیں دیں گے..... ڈاکٹر حیات اب تک تو جو کچھ کر چکا ہے اس کے بعد تجھے اس سے ہاتھ کھینچنا ہو گا۔“

”میں اس کیلئے تیار ہوں شاہ صاحب، بہت جلد آپ کو اس بات کا پتا چل جائے گا۔“

ہتے ہو چائے نہ پی کر تم نے عقل کا ثبوت دیا ہے، ہم کہتے ہیں نا عقلی ہے..... تم ایک تجربہ کار آفیسر ہو اور یقینی طور پر اس عہدے تک مذاق میں نہیں پہنچ گئے ہو گے، محنت کی ہوگی۔ جان باری ہوگی، لیکن اب تو بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ اب تو آرام کے دن ہیں تمہارے ذی آئی جی صاحب! ایک دوسرے سے تعاون تو کرنا پڑتا ہے نا، بھی تمہیں کوئی مشکل پیش آئی تو ہم تمہارا بھی اسی طرح ساتھ دیں گے، یاروں کے یار ہیں ہم، بس خیال رکھنا، تمہاری مہربانی ہوگی۔“

”یس سر!“ نادر حیات صاحب نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”برائو تو نہیں مانے ہونا ہماری باتوں کا اور کیا اب بھی وہی مسئلہ ہے چائے وائے نہیں پئے گے؟“

”آپ یقین کیجئے، یہ صرف آپ کے حکم کا معاملہ تھا ورنہ زندگی میں کچھ اصول رکھے ہیں میں نے اور انہی اصولوں کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔“
 ”نہیں شاہ صاحب اگر ڈی آئی جی صاحب نے چائے نہیں پی تو آپ سمجھ لیجئے کہ ان کا دل صاف نہیں ہے اس معاملے میں آپ چائے کے بغیر انہیں نہ چھوڑیں۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا اور نادر حیات صاحب ہنسنے لگے..... پھر بولے۔

”بہر حال ٹھیک ہے اگر یہ ضد کا معاملہ ہے تو آپ کی مرضی ہے، میں انکار نہیں کرتا..... میں نہیں چاہتا کہ آپ کے ذہن میں کچھ شبہات رہیں، لیکن اس کے باوجود کچھ ایسے معاملات تو ذہن میں رکھنا ہوں گے، جو قابل غور ہوں..... بہر حال آپ جلد بازی نہیں کریں گے ڈاکٹر حیات، مجھے سوچنے کا موقع دیں گے۔“

”ارے ساری زندگی سوچتے رہو، موقع کی کیا بات ہے، بس ذرا یہ ہے کہ خود سوچنا ان کے دشمنوں کو کچھ نہ سوچنے دینا۔“ جمال شاہ صاحب نے کہا اور نادر حیات صاحب مسکراتے لگے..... بہر حال اس کے بعد وہ چائے پی کر ہی وہاں سے اٹھے تھے، لیکن جب ان کی کار جمال شاہ کی کوٹھی سے باہر نکلی تو ان کے چہرے پر غم و اندوہ کے تاثرات پھیل گئے..... نہ جانے کیا احساسات تھے، جو ان کے دل میں جاگزیں ہو گئے تھے، یہ دکھ بھرے لمحات پھر آہستہ آہستہ ان کی نگاہوں میں ایک تصویر ابھر آئی، یہ تصویر شہاب کی تھی، شہاب ثاقب جس نے اپنی مجبوریاں ان کے سامنے بیان کی تھیں..... نادر حیات صاحب کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ

”تو ڈاکٹر حیات صاحب آپ براہ کرم مجھے تفصیلی طور پر اس سنڈیکیٹ کے بارے میں بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ یہاں مقامی طور پر کتنے افراد اس سنڈیکیٹ کے لئے کام کر رہے ہیں، آپ مجھے یہ ایک تحریر دے دیجئے گا، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی طرز رنج کرنے والے ہر قدم کو روک دوں گا۔“

ڈاکٹر حیات کا چہرہ ایک دم سے زرد پڑ گیا، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمال شاہ طرف دیکھا اور پھر بولا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا کروں گا تو کیا میں خود محفوظ رہ سکوں گا۔“
 ”کیا مطلب ہے تمہارا ڈاکٹر حیات؟“ جمال شاہ صاحب نے پوچھا۔
 ”سر سنڈیکیٹ کے خلاف ایک لفظ بولوں گا تو میرے بال بچوں کو ختم کر دیا جائے گا۔“
 ”تو کوئی سنڈیکیٹ بھی ہے اس کے پیچھے؟“ جمال شاہ صاحب نے پوچھا اور ڈاکٹر حیات خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، نادر حیات صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔
 ”تو آپ کا کیا خیال ہے، آپ خود غور کر لیجئے..... شاہ صاحب! جس شخص نے اپنے جرم کو آپ تک سے چھپایا ہے وہ بھلا سچ کیا بول سکے گا۔“

”خیر دیکھو ڈی آئی جی صاحب، بعد میں ہم اس سے معلومات حاصل کر لیں گے، لیکن ایک بات ہماری مان لو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے، تم اپنے طور پر اس کے تحفظ کی ذمہ داری لے لو..... اگر اس کے خلاف کوئی بڑا کام شروع ہو گیا ہو تو اسے روک دینا تمہاری ذمہ داری ہے، بعد میں ساری تفصیل ہم تمہیں بتا دیں گے۔“

”یہ اس شکل میں ممکن ہے جناب، جب یہ مجھے اس سنڈیکیٹ کے بارے میں ساری تفصیلات لکھ کر دے دیں۔“

”ارے کیا بات ہے ڈی آئی جی صاحب! یہ ممکن نہیں ہے۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا اور نادر حیات مسکراتی نگاہوں سے جمال شاہ کو دیکھنے لگے، پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔
 ”سر پھر کیا حکم ہے میرے لئے؟“

”دیکھو ڈی آئی جی صاحب! ساری باتیں اپنی جگہ یار ہم اس بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے، جو کچھ یہ کر بیٹھا ہے اب اسے نبھادو..... بس ایک بار اسے چانس دے دو، جو کام کر سکے بے چارہ، نہ کر اؤنا اس سے دیکھو سارے معاملات دوستی کی بنیاد پر ہو رہے ہیں۔“

”ہاں شہاب! بعض معاملات میں تم سے غیر متفق نہیں ہوں میں..... وقت نے اس طرح اقدار کے رخ بدلے ہیں کہ انسان کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا۔ آئیے سو رہیں! آئی ایم سوری لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں نے وقت سے شکست مان لی۔ میں وقت سے شکست اسی وقت مانوں گا جب میری زندگی کی آخری سانسیں ہوں گی اور وہ شکست بھی بالکل مختلف انداز کی ہوگی۔“



پہلے دس سال سے ایسا نہیں ہوا تھا..... رینا، پاسکل سے محبت کرتی تھی دونوں بڑی تھے اور دس سال سے ایک دوسرے کی رفاقت انہیں حاصل تھی، بچپن کی یہ محبت جوانی میں اور شدت اختیار کر چکی تھی..... رینا گریجویشن کرنے کے بعد ملازمت کرنے لگی تھی۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں اسے ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازمت مل گئی تھی اور اب اس نوکری کو بھی تین سال ہو چکے تھے..... وہ اپنی آمدنی کے ایک حصے میں سے پاسکل کی کفالت کرتی تھی اور اس نے پاسکل کو ابھی تک بے روزگاری کا احساس نہیں ہونے دیا تھا..... پاسکل البتہ ملازمت کی تلاش میں ناکام رہا تھا اور ایک عجیب سی بددلی کے احساس کا شکار نظر آتا تھا۔ اگر رینا اسے مسلسل ڈھارس نہ دیتی رہی ہوتی تو پاسکل کی بددلی نہ جانے کیا شکل اختیار کر جاتی، لیکن رینا کی آواز اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی..... وہ باقاعدہ چرچ عبادت کرنے جایا کرتا تھا اور وہاں اپنے لئے دعائیں مانگا کرتا تھا۔ رینا بھی سنڈے سروس میں اس کے ساتھ ہمیشہ ہی شریک ہوا کرتی تھی اور اسی سنڈے سروس میں اس کی ملاقات پادری ڈکسن سے ہوئی تھی..... پاسکل نے بعد میں رینا کو بتایا تھا کہ پادری ڈکسن نے اسے طلب کیا ہے، پادری ایک اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے اب تقدیر کوئی بہتر راستہ اختیار کر جائے۔

لیکن اس کے بعد جب پاسکل پادری سے ملنے گیا تھا تو واپس نہیں آیا تھا اور رینا سخت پریشان ہو گئی تھی..... ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے پادری سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا، پادری کے بارے میں تفصیلات معلوم کر کے اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

پادری ایک مشن پر آیا ہوا تھا اور کہیں اور قیام پذیر تھا..... رینا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پادری سے ملنا آسان نہیں ہے، کوئی ایسا ہی عمل کرنا پڑے گا چنانچہ بمشکل تمام اس دن اس

نے چرچ سے واپسی پر پادری کا تعاقب کیا تھا۔

اس تعاقب کا مقصد کوئی خاص نہیں تھا، لیکن بس رینا الجھن کا شکار ہو گئی تھی..... پھر اس نے اپنے آپ کو محدود کر لیا..... ویسے بہت ہی پھر تیلی اور چالاک لڑکی تھی، تین سال کی بچہ نوکری نے اسے اور بھی چالاک بنادیا تھا، بڑے بڑے لوگوں سے سابقہ رہا تھا۔ شہاب تاقب کو بھی جانتی تھی اور اس کے بارے میں بڑے فخریہ انداز میں اپنے اہل خانہ کو بتا کرتی تھی کہ وہ کس طرح کا انسان ہے، چنانچہ پادری کی رہائش گاہ تک وہ بڑی چالاک اور ہوشیاری کے ساتھ پہنچی تھی، پھر اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے دیکھ کر وہ شدت حیرت سے لگ رہ گئی تھی۔ پادری نے اپنے چہرے سے ایک ماسک اتاری تھی اور ماسک اتارنے کے بعد پادری نہیں رہا تھا، کیونکہ بعد میں جب وہ اس عمارت سے باہر نکلا تو شاندار سوٹ میں ہوس ایک درمیانی عمر کے آدمی کی حیثیت سے باہر آیا تھا۔ رینا ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔ وہ عمارت کا اندر سے جائزہ لینے کی ہمت تو نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے سنناٹا کا شکار ہو گئے تھے..... پاسکل کی گمشدگی کی تہہ میں نہیں پادری کا بونی ٹس تو نہیں ہے اس نے دل میں سوچا تھا لیکن واپس آنے کے بعد وہ رات بڑی پریشان کن گزری۔ اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ پاسکل کوئی جراثیم پیشہ شخص نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کبھی ایسے کسی جال میں پھنس سکتا ہے کیونکہ کئی بار اسے ایسے لوگوں سے ملتا تھا، اس نے ان سے کنارہ کشی ہی اختیار کی تھی..... پھر یہ جعلی پادری کیا حیثیت رکھتا ہے..... بات کچھ بھی ہو لیکن آخر وہ پادری کا حلیہ کیوں بدلے ہوئے ہے۔

ماری رات کی سوچوں کے بعد اس نے ایک فیصلہ کیا..... دوسرے دن وہ معمول کے مطابق آفس پہنچی اور پھر دن کو گیارہ بجے وہ شہاب کے دفتر میں داخل ہو گئی..... شہاب نے اسے اجنبی نظروں سے دیکھا..... پھر اس کے سلام کا جواب دے کر بولا۔

”تشریف رکھئے..... فرمائیے کون ہیں آپ اور مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟“

”شکریہ سر..... میرا نام رینا جیکسن ہے..... پولیس ہیڈ کوارٹر کے جنرل ڈیپارٹمنٹ ٹائپ معمولی سی ٹائپسٹ ہوں۔“ رینا نے بیٹھے بغیر کہا اور اس نے اس خوبصورت آفیسر کے منہ پر مسکراہٹ دیکھی۔

”یہ معمولی ٹائپسٹ کیا ہوتی ہے مسز جیکسن؟“

”تھا تھا؟“

”جی۔“

”آپ نے بڑی ذہانت سے کار کا نمبر میکر وغیرہ دیکھا اور کوٹھی کو بھی چیک کیا..... اس

”جی ہاں۔“

”جی ہاں۔“

”جی ہاں۔“

”تین سال سے پولیس ہیڈ کوارٹر کی ہواؤں میں وقت گزار رہی ہوں۔“

”آپ ذہین خاتون ہیں..... خیر مس رینا، پاسکل نے آپ کو یہ تو بتایا ہو گا کہ وہ رونا لڈ

”اس نے کہا تھا پادری روزگار کے سلسلے میں اس کی مشکل دور کرنے کی دعوت دے کر

”اسے تنہا ہی وہاں جانا تھا؟“

”نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”اس نے دو نام اور لئے تھے..... جان اور جیکب۔“

”یہ کون ہیں؟“

”پاسکل کے دوست۔“

”یہ بھی بیروزگار تھے؟“

”جی ہاں۔“

”آپ ان سے ملیں؟“

”نہیں..... میں اس لئے چونکی تھی..... ان سے ملنے کا خیال مجھے نہیں آیا حالانکہ مجھے

”آپ ان کے پتے جانتی ہیں؟“

”صرف جان کا پتا مجھے معلوم ہے..... جیکب کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے..... وہ شہر

شہاب نے کہا۔

”اوہ نہیں سر! مسٹر جیکسن میرے فادر تھے جواب اس دنیا میں نہیں ہیں اور میں غیر شادی شدہ ہوں۔“

”سوری مس رینا، مگر آپ بیٹھ کیوں نہیں رہیں؟ براہ کرم تشریف رکھیں۔“

”شکر یہ سر! یہ میرے لئے اعزاز ہے، مگر میں آپ کو اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔“

”یہ کہ آپ معمولی ٹائپسٹ ہیں۔“

”جی سر!“

”اور معمولی لوگوں کو کرسی پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔“

”بڑے افسروں کے سامنے۔“

”نہیک ہے..... بڑے افسروں کے سامنے آپ اپنی مرضی کی مالک ہیں، اس وقت تو

آپ میرے سامنے ہیں..... خیر اب آپ بیٹھ گئی ہیں اس کے لئے شکریہ..... فرمائیے

میرے لئے کیا خدمت ہے؟“

”سر! میں سخت پریشان ہوں۔“

”وجہ۔“

”دیکھئے میری پوری بات سن لیجئے..... اس کے بعد آپ کا جو دل چاہے کریں۔“

”رینا

نے کہا۔

”میں تیار ہوں۔“

شہاب نے کہا اور رینا اسے پوری تفصیل سنانے لگی..... شہاب نے

خاموشی سے اس کی کہانی سنی تھی..... پھر اس نے ایک پیڈ نکال کر قلم اٹھا لیا۔

”پادری جس عمارت میں گیا تھا اس کے بارے میں آپ کو علم ہے؟“

”جی 29 ٹمپل سٹریٹ۔“

”بعد میں وہ کار میں بیٹھ کر باہر نکلا تھا؟“

”جی۔“

”آپ نے کار کا نمبر تو دیکھا ہو گا؟“

”رینسل گرے کلر..... نسان نمبر یو..... این ٹرپل ایٹ۔“

کے فٹ پاتھوں پر زندگی بسر کرتا ہے۔“

”جان کا پتا بتائیے۔“

”ایم لائن۔ سنات نمبر کھولی۔“ شہاب نے یہ پتا بھی لکھ لیا پھر بولا۔

”آپ کو اس بارے میں میرا خیال کیسے آگیا مس ریٹا؟“

”سر یہ سوال نہ کریں۔“ ریٹا بولی۔

”اچھا۔ کیوں؟“

”بس سر! پلیز نہ کریں یہ سوال..... اس وقت مشکل میں ہوں کسی اچھے انسان سے خبر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔“

”ٹھیک ہے ریٹا..... اگر اس قدر اعتماد رکھتی ہیں مجھ پر تو بس ایک بات کا خیال رکھیں۔“

”جی سر!“

”میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔“

”سر کیا میں جان کے گھر جا کر اس سے معلومات حاصل کروں؟“

”بالکل نہیں..... میرا ذاتی فون نمبر رکھ لیں۔“

”اگر فون پر نہ ہوا تو پتا ہوگی۔“

”آپ کی مسز؟“ ریٹا نے پوچھا۔

”گڈ..... آپ تو پوری دنیا کے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں۔“

”پوری دنیا کے بارے میں نہیں سر! صرف آپ کے بارے میں اسی لئے آپ تک

آئی ہوں۔“

”او کے مس ریٹا..... خود کو پرسکون رکھیں اور خود کوئی سرگرمی اختیار نہ کریں ورنہ خود

آپ کو بھی کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔“

”جی سر! شکریہ۔“ ریٹا اپنی جگہ سے اٹھ گئی..... اسے شہاب سے گفتگو کر کے سکون

حاصل ہوا تھا۔



ریٹا کی کہانی شہاب کو کافی دلچسپ لگی تھی۔ حالانکہ ان دنوں وہ جس الجھن کا شکار تھا اسے تحت وہ کسی نئے کیس کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن پہلی بات تو یہ کہ ایک ایسی ٹیٹا اس کے پاس آئی تھی جس کی آواز پر کوئی دوسرا توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ کسی بڑے ایجنٹ کو نہیں حاصل کر سکتی تھی، کیونکہ ایک معمولی ٹائپسٹ تھی۔ دوسری چیز جعلی پارہی فائبر ٹریٹ کے علاقے میں جو کوٹھیاں تھیں وہ بھی معمولی لوگوں کی نہیں تھیں، تو یہ پارہی کون ہے..... شہاب اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ بہت غور کرنے کے بعد اس نے ٹائپسٹ پر ڈبل اوگینگ کے ارکان سے رابطہ کیا، کال انجم شیخ نے موصول کی تھی۔

”ڈبل او سکس۔“

”ٹیلو انجم۔“ شہاب نے شہنشاہ کی آواز میں کہا۔

”یسی سر۔“

”اور کون ہے اس وقت؟“

”فراسٹ اور شوکت موجود ہیں۔“

”کافی ہے۔“ تم لوگوں کو ایک اہم ذمہ داری دے رہا ہوں..... چوبیس گھنٹے کے اندر

رپورٹ درکار ہوگی۔“

”حکم سر۔“

”پہلے نوٹ کرو۔“

”یسی سر۔“ انجم نے کہا اور کچھ لمحوں کے بعد شہاب نے 29۔ ٹیپل سٹریٹ کے

سمتے بتاتے ہوئے کہا۔

”دو افراد یہاں ڈیوٹی دیں گے۔۔۔۔۔ یہاں ایک ایسا شخص رہتا ہے جو بظاہر پادری نہیں ہے لیکن عمارت میں آنے کے بعد وہ یہ میک اپ تبدیل کر کے ایک ہارٹ آدمی نظر آتا ہے۔ یہ کار نمبر یو این ٹریپل ایٹ استعمال کرتا ہے۔۔۔۔۔ ایک ایسا شخص کسی وجہ سے ڈبل رول ادا کر رہا ہو وہ بھی ایک پادری کی شکل میں وہ کتنا خطرناک ہو سکتا ہے تمہیں اس کا اندازہ ہونا چاہئے، اس کے لئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔“

”جی سر۔“

”کوٹھی میں کون کون رہتا ہے۔۔۔۔۔ یہ شخص کتنے عرصے سے یہاں ہے کہاں جاتا ہے کیا کرتا ہے، اس کی رپورٹ درکار ہے۔“

”بہتر بہتر سر۔“

”دوسرا پتا ایم لائن کھولی نمبر سات ہے، یہاں ایک دیسی عیسائی نوجوان رہتا ہے کے بارے میں بھی تم تفصیل معلوم کرو۔“

”بہتر سر۔“

”دونوں کی رپورٹیں مجھے جلد از جلد درکار ہیں۔“

”ہم فوراً نکل رہے ہیں سر۔“

”اوکے۔۔۔۔۔! شہاب نے کہا کہ ٹرانسمیٹر بند کر دیا، پھر وہ کرسی سے پشت لگا کر کسی

میں ڈوب گیا تھا۔ ذہن لا تعداد خیالات کا مجموعہ بنا ہوا تھا، فون کی گھنٹی بجی۔۔۔۔۔ یہ سرن فون جس پر اعلیٰ شخصیات ہی اسے مخاطب کر سکتی تھیں۔۔۔۔۔ اس نے مستعدی سے فون کا ریسیو

کان سے لگالیا۔“

”شہاب ثاقب۔“

”نادر حیات بول رہا ہوں۔“

”حکم سر۔“

”میرے پاس آ جاؤ۔“

”حاضر ہو رہا ہوں سر۔“ شہاب نے کہا اور ریسیور رکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

دیر کے بعد نادر حیات صاحب کے آفس میں داخل ہو گیا۔۔۔۔۔ سرکاری آداب کی بنیاد پر

بعد نادر حیات کی پیش کش پر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

”میں نے ڈی ٹیکٹر جائزہ لے لیا ہے کہ یہاں کوئی ڈکٹافون یا ایسا آلہ تو نہیں ہے جس سے ہمارے گفتگو سنی جاسکے۔“ ہاں اگر چاہو تو اور تسلی کر لو۔“

”بہتر ہے۔“ شہاب نے یہ پوچھے بغیر کہ اس کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے سامنے

نے ہوئے برقی آلے کو اٹھایا اور پھر پورے آفس کو چھان مارا۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب

زبان نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، پھر جب شہاب مطمئن ہو کر ان کے سامنے بیٹھا تو وہ

نہ آنے لے۔

”تم نے جن جگہوں کی تلاشی لی ہے وہ بلاشبہ ایسی ہیں جنہیں میں نے نظر انداز کر دیا

بہر حال میں تمہیں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔“

”میں نے آپ جیسے سینئر سے سب کچھ سیکھا ہے سر۔“ شہاب نے کہا۔

”تم نے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔“

”نہیں سر۔“ شہاب نے جواب دیا۔

”کیوں۔“

”اس لئے سر کہ مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے، آپ نے اس کی ضرورت محسوس کی

تھی اس کے لئے آپ نے یہ زحمت گوارا کی، نادر حیات صاحب نے کوئی جواب

نہ دیا، کچھ دیر تک خاموشی سے کسی خیال میں ڈوبے رہے، پھر آہستہ سے بولے۔“

”جمال شاہ کا نام سنا ہے تم نے ہماری حکومت کے ایک اہم عہدیدار؟“

”بہت اچھی طرح۔“ شہاب نے چونکتے ہوئے انداز میں کہا۔

”کل رات مجھے جمال شاہ صاحب نے طلب کیا تھا، بہت ہی خوشگوار ماحول میں ان سے

واقعات رہی، ایک سفارش کرنا چاہتے تھے وہ کسی کی اور یہ چاہتے تھے کہ ان کے اس شناسا سے

ذمہ داریاں ہو گئی ہیں، ہم ان سے چشم پوشی اختیار کریں، اس سلسلے میں شاید وہ کوئی پیش کش

نہ کرنا چاہتے تھے جس کی میں نے انہیں مہلت نہیں دی، اس لئے وہ پیش کش تو نہیں

کئے لیکن انہوں نے بھرپور طریقے سے یہ کہا ہے کہ ”اس شخص سے تعاون کیا جائے اور

میں بھرپور معاونت کی جائے۔“

”کیا وہ کوئی مجرم ہے۔“ شہاب نے سوال کیا اور نادر حیات صاحب نے نظریں

نیچیں، پھر آہستہ سے بولے۔

لیکن یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ہم اپنے فرائض خود تو صحیح طور پر سرانجام دے رہے ہیں اور دوسروں سے قربانی مانگنے لگتے ہیں..... بالکل غیر مناسب، شہاب بالکل غیر مناسب کیا تم اس بارے میں مجھ سے اتفاق کرو گے۔“

”موصیٰ جناب۔“

”تو پھر بولو کیا کریں ہم ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”جناب عالی اس کے بعد تو صرف ایک ہی عمل رہ جاتا ہے۔“

”کیا؟“

”چلہ کشی اور دعائیں کہ اللہ انہیں نیست و نابود کر دے۔“

”مذاق ازار ہے ہو میرا۔“

”خواب میں بھی یہ جرات نہیں کر سکتا۔“

”میں نے تم سے تم سے پوچھا کہ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”سر بس مجھے کچھ وقت درکار ہے،، کیوں گا کوئی ایسا عمل کرنا پڑے گا جس سے سارا ہم ہو جائے۔“

”لگتا ہے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟“

”نہیں سر بلکہ یہ غلام آپ کو اپنے کائنات دکھانے گا، صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بالکل مطمئن رہیں اور جمال شاہ صاحب اگر آپ سے رابطہ قائم کر کے اس بارے میں سوالات کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ وہ مطمئن رہیں، آپ ان کی مدد پر آمادہ ہیں اور ایک بات اور۔“

”کیا۔“ نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا تو شہاب مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

”نہیں سر خیر وہ آپ کے مزاج کے خلاف بات ہوگی، ورنہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے جو کچھ بھی وصول نہ کر لیا جائے وہ کم ہے۔“

”نہیں شہاب میرا ضمیر یہ بات انتقامی شکل میں بھی گوارا نہیں کرتا۔“

”ٹھیک کہتے ہیں سر بالکل ٹھیک ہم اپنے ضمیر کو کیوں داغدار کریں۔“ شہاب نے کہا۔

”پھر بولا۔“

”ہاں..... ڈاکٹر حیات وہ خود بھی وہاں موجود تھا۔“ شہاب خاموشی سے نادر حیات صاحب کی صورت دیکھنے لگا پھر نادر حیات صاحب نے انتہائی مکمل طریقے سے اسے اس بارے میں ساری تفصیلات بتادیں اور اس کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑے۔

”اس کے بعد مجھ سے بھول کر بھی یہ نہ کہنا کہ جو کچھ میں وہاں کہہ کر آیا ہوں..... اس میں سچائی کا ایک لفظ بھی شامل تھا، بعد میں جب میں نے محسوس کیا کہ جمال شاہ صاحب کے انداز میں در خواست بھی ہے اور دھمکی بھی تو میں نے فوراً ہی وہاں سے ٹرن لیا اور بات گول کر کے اٹھ آیا۔“

شہاب کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

”سر آپ کا حکم درکار ہے۔“

”طنز کا ایک لفظ بھی نہ کہنا شہاب..... میرا دل پہلے ہی بہت دکھا ہوا ہے۔“

”ماضی میں اگر میں نے کسی جذباتی حادثے سے متاثر ہو کر کوئی لفظ کہہ دیا ہے تو ماضی کے لئے بھی معافی چاہتا ہوں۔“ شہاب پورے خلوص کے ساتھ بولا اور نادر حیات صاحب اسے دیکھنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

”شہاب تم نے ان لوگوں کی پہنچ کا جائزہ پہلے ہی لے لیا ہے اور تمہیں اندازہ ہے کہ اگر ہم نے کوئی عمل کیا تو کیا صورت حال پیش آسکتی ہے، لیکن اس کا کوئی حل ہے تمہارے ذہن میں۔“

شہاب سر دنگا ہوں سے نادر حیات صاحب کی صورت دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔

”سر آپ کے احکامات درکار ہیں؟“

”کسی غیر قانونی عمل کی میں کوئی اجازت نہیں دے سکتا، لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ لوگ آسانی سے قابو آنے والوں میں سے نہیں ہیں، تم سمجھتے ہو شہاب ہم انہیں قانون نہ گرفت میں نہیں لاسکتے..... یہ ایک دکھ بھری بات ہے، لیکن تم کیا کرو گے..... میں نہیں چاہتا شہاب کہ میرے اہل خاندان میری انتہا پسندی کے شکار ہوں، اس نے مجھے جرائم فلموں کا حوالہ بھی دیا وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان فلموں میں جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ اب بھی ہوتا ہے، مطلب آسانی سے سمجھ آنے والا ہے..... اپنی بات میں پہلے کہہ رہا ہوں کہ میں اس ہمت نہیں رکھتا اور اصولی طور پر یہ مناسب بھی نہیں ہے..... جذباتی قسم کی فلمی کہانیاں اپنی

”اچھی ایسا ہے تو ٹھیک ہے اور میرے کو بولو۔“
 ”نہیں شکریہ کافی ہے، ویسے ہم لوگ اگر تمہارے اس ٹھکانے سے ان لوگوں کا جائزہ
 نہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔“

”جب دوست بولا ہے صاحب تو پھر اعتراض کا کیا گنجائش رہ جاتا ہے۔“ دوست کے
 ہاتھ تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ پھر مجید خان کے تعاون سے یہاں کے بارے میں اور بھی
 معلومات حاصل ہوئیں، یہ لوگ اب بہت ایڈوانس ہو گئے تھے اور شہنشاہ کی طرف سے
 نہیں ایسی چیزیں فراہم کر دی گئی تھیں کہ دوسرے ذرائع سے بھی یہ لوگ بہت کچھ
 معلوم کر سکتے تھے، فراست نے تجویز پیش کی، کہنے لگا۔

”ہمیں جو بیس گھنٹے کی مہلت دی گئی ہے شوکت، بات کو ٹھیک کے باہر کی ہے تو جتنی
 معلومات حاصل ہو گئی ہے اس سے بھی کام چلایا جاسکتا ہے لیکن یہ ایک عام معلومات ہے، اگر
 ہی کو ٹھیک کے اندر کی ویڈیو بنالوں اور اس پادری کی متحرک تصاویر لے لوں تو کیسا رہے گا۔“
 شوکت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”مگر اس کے لئے تمہیں اندر جانا پڑے گا۔“

”میا حرج ہے، صورت حال ہمارے کنٹرول سے باہر نہیں معلوم ہوتی، اندر جا کر
 ہاتھ لایا جاسکتا ہے۔“

”اگر تم یہ مناسب سمجھتے ہو تو کر لو کوئی حرج تو نہیں ہے۔“

”تو پھر رات کو میں کو ٹھیک میں داخل ہوں گا۔“

فراست اپنے ساتھ ویڈیو فلم کا وہ سب سے چھوٹا کیمرہ لے کر آیا تھا جو جرمنی سے
 لایا گیا تھا اور شہنشاہ نے ایسے تین کیمرے ڈبل اوگینگ کو دیئے تھے، تاکہ ضرورت کے
 لئے وہ استعمال کئے جاسکیں۔ اب یہ لوگ جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ تھے اور گاہے
 گاہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ اس وقت بھی فراست کیمرہ اپنے
 ہاتھ لے آیا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے اس نے سٹیل گرے کار باہر نکلتے ہوئے دیکھی
 اور دونوں ٹھیلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گئے۔ مجید خان کسی کام سے اندر چلا گیا تھا،
 سٹیل گرے کار کے دور نکل جانے کے بعد فراست تیار ہو گیا، چنانچہ وہ آگے بڑھ کر عمارت
 کے باغیچے میں پہنچا اور اس کے بعد اس نے شوکت سے کہا۔

”تو سر آپ بالکل اطمینان رکھیں۔۔۔۔۔ بہت جلد کوئی بہترین ترکیب سوچ کر آپ سے
 رابطہ قائم کر دوں گا۔“ نادر حیات صاحب اسے دیکھتے رہے، پھر مضطرب انداز میں بولے۔
 ”ٹھیک ہے۔“ پھر شہاب ان کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔



شوکت اور فراست ٹیلیفون سٹریٹ کی اس کو ٹھیک تک پہنچ گئے تھے اور پھر اس کے بعد
 انہوں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا تھا، کو ٹھیک نمبر تیس اس کو ٹھیک کے بالکل سامنے تھی اور وہاں
 ایک نوجوان چوکیدار موجود تھا جس سے ان دونوں نے ذرا سی دیر میں یاری کا ٹھکانہ، چوکیدار
 نے انہیں بتایا۔

”صاحب۔۔۔۔۔ یہ کو ٹھیک خالی پڑا ہوا تھا پہلے اس پر کرائے کے لئے خالی کا بورڈ لگا ہوا تھا
 اب وہ بورڈ ہٹ گیا۔۔۔۔۔ ادھر زیادہ لوگ نہیں رہتا، ایک بابا آتا ہے جو عیسائی لوگوں کے باواؤں
 کا کپڑا پہنے ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ہم نے ایسا عیسائی لوگ گر جا گھروں میں دیکھا، ایک لڑکا کے سامنے
 ہم نوکری کرتا تھا۔۔۔۔۔ ادھر بھی ایسا ہی لوگ نظر آتا ہے، یہ لوگ پادری بہتا ہے۔“
 ”ٹھیک۔“

”ایک اور آدمی رہتا ہے صاحب جو ان سا آدمی ہے، مگر وہ کب آتا ہے، کب جاتا ہے،
 اس کے بارے میں ہمیں بالکل نہیں معلوم۔۔۔۔۔ ویسے بھی صاحب دوسروں کے بارے میں
 زیادہ معلومات کرنا تو کوئی اچھی بات نہیں ہوتا۔“

”بالکل ٹھیک کہتے ہو دوست اور لوگ بھی رہتے ہیں اس کو ٹھیک میں۔“
 ”نہیں صاحب کوئی چوکیدار بھی نہیں ہوتا اور کوئی ادھر ملازم بھی نہیں دیکھا، اچھی
 زیادہ دن نہیں ہوا ان لوگو کو یہاں آئے ہوئے بس زیادہ تردد آدمی نظر آتا، کار میں آتا جاتا
 ہے۔۔۔۔۔ سلیٹی رنگ کا کار ہے صاحب۔“

”بڑی محبت ہے تمہاری مجید خان جو تم نے ہمیں یہ تفصیلات بتادیں، ہم اس کے لئے
 تمہارے شکر گزار ہیں۔“

”مگر صاحب بات کیا ہے؟“

”کچھ نہیں یار، بس کچھ لوگ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں
 ہمیں تھوڑے سے پیسے مل گئے ہیں۔“

”میرا خیال ہے تم باہر رک کر صورت حال کا جائزہ لو۔“
”مجھے اس خیال سے اختلاف ہے۔“ شوکت نے کہا۔
”کیوں؟“

”اگر تم اندر جا رہے ہو تو میں بھی تمہاری تقلید کیوں نہ کروں، پہلی بات تو یہ کہ ہمیں ہو جائیں گے جہاں تک باہر نگاہ رکھنے کا سوال ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر سونپ دو، اگر ہے، عمارت کا جائزہ احتیاط سے لے لیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ فراست نے یہ بات تسلیم کر لی اور پھر دونوں عمارت کے بغلی حصے احاطے کی دیوار کی دوسری جانب کود گئے، حالانکہ دیوار پر موٹا شیشہ لگا ہوا تھا، لیکن بہر حال چونکہ دن میں وہ اس کا بخوبی جائزہ لے چکے تھے، اس لئے انہوں نے اس کی پروا نہیں کی اور احتیاط کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ نیچے کیاریاں بنی ہوئی تھیں، لیکن زیادہ چوڑی نہیں تھیں اس لئے وہ کیاری کے قریب خشک زمین پر کودے تھے، اس کے ساتھ ہی انہوں نے سائی لینسر لگے ہوئے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لئے تھے، حالانکہ دن کی روشنی میں انہیں عمارت سے کتوں وغیرہ کی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی لیکن پھر بھی ہر طرح کی احتیاط ضروری تھی۔ کچھ لمبے وہ اپنی جگہ رُکے صورت حال کا جائزہ لیتے رہے، پھر وہاں سے آگے بڑھنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد وہ عمارت کے عقبی حصے سے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے، حالانکہ بیرونی دروازہ باہر سے لاک تھا اور اسی سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ عمارت میں اب کوئی انسان نہیں ہے، لیکن پھر بھی انہوں نے احتیاط رکھی تھی۔ اندر داخل ہونے کے لئے انہیں ایک ایسی کھڑکی کا سہارا لینا پڑا تھا جو کچن میں کھلتی تھی اور اس کا خیال نہیں رکھا گیا تھا کہ کھڑکی میں شیشے نہیں ہیں، چھوٹی چھوٹی سی چیزوں کو نظر انداز کر دینا بھی بعض اوقات جن مشکلات کا حامل ہوتا ہے اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس وقت یہی کھڑکی اندر داخلے کا ذریعہ بنی اور وہ کھڑکی سے اندر داخل ہونے کے بعد مختلف راستوں کو طے کرتے ہوئے اندرونی عمارت میں داخل ہو گئے۔ یہ بات تو تھوڑی دیر کے بعد ہی واضح تکمیل کو پہنچ گئی تھی کہ عمارت میں اس وقت کوئی موجود نہیں ہے اور لازمی امر ہے کہ اس خالی عمارت کا بخوبی جائزہ لیا جاسکتا ہے، لیکن تقریباً پینتالیس منٹ کی کوشش کے باوجود

میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس عمارت میں داخلے کا صحیح نعم البدل ہوتی، الماریاں نہیں، ایک الماری میں لباس رکھے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسا باکس بھی جس میں ایک اپ کا جدید ترین سامان موجود تھا۔ مختلف رنگوں کے بال، ایسے لوشن جن سے ذہنی طور پر ماسک بنائی جاسکتی ہے اور اس طرح کی کچھ چیزیں، بس اگر تھوڑی بہت کامیابی کہا جاسکتا ہے تو اسی بات کو کہا جاسکتا تھا۔

لباس وغیرہ میں بھی تھوڑی سی تبدیلی تھی، یعنی یہ کہ ایسے لمبے لمبے چٹے، ٹوپوں کے ہاتھ موجود تھے نہیں عام طور سے گر جاگھروں کے پادری استعمال کیا کرتے ہیں، لیکن پینتالیس منٹ کے بعد انہیں باہر کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ پوشیدہ رہنے کے لئے ایسے تین پوائنٹس انہوں نے تلاش کر لئے تھے جہاں وہ پوشیدہ ہو سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے فوراً ہی ایسی جگہ سنبھال لی جہاں سے وہ چھپ کر اندر آنے والوں کا جائزہ لے سکتے تھے۔ خصوصی طور پر وہ کیمرا تیار کر لیا گیا جس سے وہ ان کی ویڈیو پاسکتے تھے۔ ننھا ساقیتی اور شاندار کیمرا اپنی خصوصی اہمیت یہ رکھتا تھا کہ وہ ہر قسم کی تاریکی میں بھی ویڈیو پاسکتا تھا اور اس کے لئے روشنی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے طاقتور بلس بس اتنی مدد ہم سی روشنی میں کام کر سکتے تھے کہ انسان کو وہ سپاٹ نظر آجائے جہاں کی ویڈیو بنائی ہے، چنانچہ شوکت نے اپنا کام شروع کر دیا اور وہ بہت احتیاط کے ساتھ آنے والوں کا نظارہ کرتے رہے۔ پھر انہوں نے چار افراد کو دیکھا ان میں ایک پادری کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ باقی تین جدید ترین لباسوں میں ملبوس تھے۔ وہ پادری کے پیچھے پیچھے احترام سے چل رہے تھے اور اس کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئے، یہاں سے بھی شوکت کے لئے ان کی ویڈیو بنانا مشکل نہیں تھا۔ اصل میں جو وقت یہ لوگ یہاں گزار چکے تھے، اس میں انہوں نے بڑی ذہانت کے ساتھ کام کی کچھ جگہیں تلاش کی تھیں، یہ کمرہ نشست گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اس کا اندازہ یہ لوگ پہلے ہی لگا چکے تھے اور یہاں پر انہوں نے ایک لمبا جگہ بنائی تھی جہاں سے ویڈیو بنائی جاسکے، البتہ وہ آواز کے لئے کوئی بندوبست نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آنے والے کمرے میں آکر بیٹھ تو گئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے گفتگو شروع کر دی تھی، لیکن لہجہ اتنا مدہم تھا کہ آوازیں ریکارڈ نہیں ہو سکی تھیں اور بہر حال اب یہاں اس حد تک بھی نہیں حاصل ہو سکتی کہ سب کچھ ہی ان کے بس میں ہوتا، تھوڑی دیر

”اصل میں جان کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھی، آپ مجھے بتا دیجئے، وہ نہیں ہوگا؟“

”سالا کسی گٹر میں مرا ہوا پڑا ہوگا، ادھر بہت دن سے واپس نہیں آیا ہے، بے روزگار ہے دنیا میں جھک مار رہا ہے اور..... اور ہم لوگ کو۔“

”تم فضول باتیں کرنے کا مہر معلوم ہوتا ہے می..... ہنوادھر مجھے بات کرنے دو۔“
 نوجوان لڑکی جس کا رنگ ساناؤلا اور نقوش دلکش تھے ماں کو پیچھے دھکیل کر آگے آگئی، اس نے کہا۔

”سوری سر..... می کا ایسے ہی مغز خراب ہو گیا ہے، جان ادھر بہت کم آتا ہے، ہم بڑے بہت پریشان ہے، ابھی ادھر وہ کئی دن سے نہیں آیا..... می کا کچھ رقم لے کر بھاگ گیا ہے، ہم لوگ بہت مشکل کا شکار ہے، ابھی کھولی والا ہوتا ہے، کرائے کا پیسہ دو اور ہمارے پاس مانے تک نہیں ہے ہم لوگ سر..... آئی ایم سوری آپ یہ سوچیں کہ ہم اپنا رونا رو کر نپ کا ہمدردی مانگتا ہے، ابھی جان کا ہمارے کو پتا نہیں ہے..... وہ مکینہ می کا پیسہ لے کر ہٹ گیا ہے..... بس اس لئے می کا مغز خراب ہو گیا ہے..... آپ ہم کو معاف کر دو صاحب، ہاں سے کوئی کام ہو تو بتا دو؟“ لڑکی کے انداز میں کچھ ایسی بے بسی تھی کہ انجم کو بہت دکھ لگتا تھا، جان کے بارے میں تو معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں، لیکن بہر حال اتنا ضرور ہوا کہ اسے جان کی حقیقت معلوم ہو گئی اور یہی شہنشاہ نے کہا بھی تھا اس نے لڑکی سے پوچھا۔

”جان کو غائب ہوئے کتنا نام ہو گیا؟“

”ابھی سات آٹھ دن ہو گیا ہے۔“

”ٹھیک اصل میں کچھ پیسے تھے میرے پاس جو جان نے کبھی رکھوائے تھے..... اب میں اسے باہر جا رہا ہوں تو یہ پیسے میں واپس کرنے آیا تھا۔“

”کتنا پیسہ تھا صاحب۔“ لڑکی نے عجیب سے انداز میں پوچھا؟“ اور انجم نے جتنی رقم اس کے پاس موجود تھی نکال لی، تقریباً ساڑھے چھ ہزار روپے تھے اس نے وہ پیسے لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”انہیں گن لو، یہ تھوڑی سی رقم اس وقت میرے پاس ہے جان اگر یہاں مل جاتا تو میں اپنے ساتھ لے جاتا اور باقی رقم بھی ادا کر دیتا، لیکن یہ تھوڑی رقم آپ رکھ لیجئے بعد

تک وہ یہ سارا عمل کرتے رہے اور اس کے بعد فراست نے شوکت کے شانوں پر چھکی اور شوکت اس کا مطلب سمجھ کر انتہائی دبے قدموں سے واپس پلٹ گیا، فاصلہ اختیار کرنے کے بعد شوکت نے کہا۔

”ہاں..... خیریت، فراست کیا بات ہے؟“

”دیکھو جتنا کچھ ہم کر چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں یہ کافی ہے بجائے اس کے ہم لوگ اس سے زیادہ خطرہ مول لیں اور صورت حال خراب ہو جائے، یہ زیادہ مناسب ہے کہ اتنے ہی کئے پر اکتفا کریں، ہو سکتا ہے ہماری یہ رپورٹ شہنشاہ کے لئے کافی ثابت ہو؟“ شوکت نے گردن ہلائی اور اس کے بعد وہ انتہائی شائد ار کا میانی حاصل کر کے یہاں سے باہر نکل گئے، ان لوگوں نے یہاں اپنا یہ کارنامہ انجام دیا تھا اور انجم اس طرف چل پڑا تھا جہاں کے بارے میں اسے ہدایت دی گئی تھیں، یعنی جان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کی کھولی میں، جس کا اسے پتا بتایا گیا تھا یہاں ایک عمر رسیدہ عورت، ایک نوجوان لڑکی اور ایک بوڑھا بیمار مرد موجود تھا..... انجم باقاعدہ ان سے ملا اور وہ اسے دیکھنے لگے۔

”کیا بات ہے کس سے ملنے کو مانگتا ہے۔“ عمر رسیدہ عورت نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ادھر، جان رہتا ہے۔“

”ہاں رہتا ہے..... پر تیرے کو اس سے کیا کام ہے؟“

”اس سے ملنا ہے مجھے۔“

”ابھی ایسا کرو کسی اونچی جگہ سے کود کر خودکشی کر لو اور پھر جان کے ادھر آنے کا انتظار کرو، تم لوگ نے اس کا بیڑا غرق کر دیا ہے اور کیا کرنے کو مانگتا ہے۔“

”آپ اس کی کون ہیں؟“

”میں اس کا جو ہے، اپنے آپ کو اس پر کوستا ہے، یہ سالا جان کا باپ ہے..... بس اب اس کو بولوں اور کیا اپنے آپ کو بولوں ہم دونوں کا بد بختی جو نا اس کا نام جان ہے، پر تم لوگ تم لوگ کب اس کا پیچھا چھوڑنے گا میرے کو بس اتنا بتا دو۔“

”آپ جان کی می ہیں؟“

”میرے کو اس پر شرمندگی ہے۔“ عورت نے کہا۔

میں اس کے باقی پیسے بھی دے جاؤں گا۔“

”اوہ مائی گاڈ، چھ ہزار پانچ سو یہ تو بہت زیادہ ہے، ابھی اور کتنا پیسہ ہے؟“

”میرا خیال ہے دس بارہ ہزار روپے اور ہیں اس کے پیسے الگ رکھے ہوئے ہیں۔“

میرے پاس۔“

”آپ ایسا کرو صاحب، میرے کو ساتھ لے چلو اور مجھ کو وہ پیسہ دے دو، ابھی آپ نہیں جانتا، ہم لوگ کو نیلا ناف مل جائے گا، ہم اتنا پریشان ہے صاحب کہ ایسا سوچا ہم نے کہ ہم زہر کھالے، اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں ہے، صاحب مکان مالک ہم کو اتنا ذلیل کیا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتا، صاحب بس آپ کا نام کیا ہے پلیز؟“

”انجم!“ انجم نے جواب دیا۔

”مسٹر انجم میں آپ کے ساتھ چلتا ہے، آپ میرے کو پلیز کیش دے دو۔“

”آپ ایسا نہ کریں مس۔“

”نیشا، میرا نام نیشا ہے، نیشا جیکسن۔“

”آپ ایسا کریں نیشا کہ انتظار کریں میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کل تک یہ رقم

پہنچا دوں گا۔“

”ابھی صاحب ایک بات میں آپ کو بولے، ہم لوگ کالائف کا مسئلہ ہے۔“

پلیز۔“

”آپ بالکل اطمینان رکھیں یہ رقم آپ تک پہنچ جائے گی۔“ انجم نے کہا اور نیشا نے

شکر گزار نگاہوں سے اس کو دیکھا۔ عورت اور بوڑھا مرد بھی پریشانی سے اسے دیکھ رہے

تھے۔ نیشا نے اس کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

”اور اس کا بے عزتی کریں آپ لوگ۔۔۔ اتنا شریف آدمی پہلے کبھی دیکھا!“

”نہیں دیکھا بائی گاڈ نہیں دیکھا۔“ عورت نے جلدی سے کہا اور انجم مسکرا ہٹ دبا

وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔۔۔ پھر تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ کوئی ایسی بات

بات نہیں ہے مسئلہ جان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا تھا وہ تو حل ہو گیا، تھوڑی

سی رقم اگر خرچ ہو جائے تو اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، انسان ہی انسان کے

آتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنی گاڑی کی جانب چل پڑا تھا جو اس نے وہاں سے کافی فاصلے

س کی تھی۔



رمضان خان بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا رہتا تھا، وہ کہتا تھا کہ زندگی اب اس کے لئے بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ اپنیوں سے دور رہ کر اس قید میں زندگی گزارنے سے وہ بت کو زیادہ پسند کرتا تھا، اس وقت بھی نقاب پوش اس کے سامنے موجود تھا۔۔۔ رمضان خان زمین پر بٹھا ہوا بھیک مانگنے والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، نقاب پوش سر ملجے میں بولا۔

”یہ سزا تو کچھ بھی نہیں ہے رمضان خان۔۔۔ تمہیں ساری زندگی اسی طرح گزارنی

پڑے گی۔۔۔ زندگی کی آخری سانس تک تم یہیں رہو گے۔“

”صاحب میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔۔۔ صاحب آپ مجھے پھانسی پر لٹکا دو،

ماب میرے کو گولی ماری جائے پر ایسے زندہ رہنا میرے لئے اب ممکن نہیں ہے۔۔۔ میں

آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب، خدا کے واسطے میرے لئے کچھ کر دو۔۔۔ آپ کا یہ

نہاں میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔“

”کیسا احسان رمضان خان۔۔۔ کیا نہیں تھا تمہارے پاس جیلوں کے ٹھیکیدار تھے،

کوں روپیہ کماتے تھے۔۔۔ یہ نہیں سوچا تم نے کہ جو کچھ کر رہے ہو اس سے کیا ہوگا؟ کتنے

زلا موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔۔۔ جواب دو رمضان خان؟ تم نے کھانے میں زہر ملایا

تھا؟ یہ تو تمہاری روزی تھی۔۔۔ تم نے سوچا تو نہیں ہوگا اس بات کو کہ زہر ملانے کا انجام

ہو سکتا ہے؟ کیا کھانے والا زندہ بچ سکتا تھا، وہ زہر کھانے کے بعد۔۔۔ اس وقت تمہارے دل

نہیں خیال نہیں تھا کہ وہ انسان ہیں اور انسانوں کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے۔“

”ڈاکٹر حیات میرے کو بولا کہ وہ ڈاکٹر ہے۔۔۔ ڈاکٹر ہو کر جب وہ انسانوں کے لئے

مات فرید رہا ہے تو میں کون سا مسجد کا ملاں ہوں۔۔۔ بڑی بڑی باتیں کر کے اس نے مجھے

نہ کیا تھا صاحب۔“

”اور تم قائل ہو گئے، تم نے سب کچھ کر لیا رمضان خان۔“

”صاحب غلطی انسان سے ہوتا ہے، آہ کاش میرے کو موقع مل جاتا اس کے بعد اگر مجھے

فرمان مل جاتا تو میں اس ڈاکٹر کے ٹکڑے کر دیتا، میں اسے اس طرح مارتا تھا صاحب کہ وہ بھی

نہ بھربا رہتا۔“

بھی اور اسی وقت لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا..... میں بھی دیوانہ آدمی ہوں تم نے جو پیش کش کی ہے وہ میرے ذہن میں ہے..... تم ڈاکٹر حیات کو قتل کر دو گے جس طرح سے تم نے پہلے اسی طرح سے اور اس کے بعد اس بات کا اعتراض کرو گے کہ ڈاکٹر حیات نے تم سے بین میں ان لوگوں کو قتل کرایا اور اس کے کہنے سے تم نے کھانے میں زہر ملایا، پھر تم قانون پر تباؤ گے کہ تمہارے ضمیر نے تمہیں ایک بل جین نہ لینے دیا، تم چھپے ہوئے تھے اب تک اب اپنا فرض انجام دے کر خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو ایسا کر سکو گے تم؟“

”کروں گا صاحب، اپنے ہر پیارے کی قسم ایسا ہی کروں گا۔“

”ٹھیک ہے تو پھر تھوڑا سا انتظار کر لو تمہیں آزادی مل جائے گی۔“ نقاب پوش نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس نکل آیا..... باہر آنے کے بعد اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دی اور باہر بیٹھے ہوئے چند افراد کے پاس پہنچ گیا۔

یہ ذیل اوگینگ کی وہی پرانی جگہ تھی جہاں سے انہوں نے کام کا آغاز کیا تھا، اس وقت بڑے لوگ یہاں موجود تھے ان میں فراز اور سالک تھے۔ انہوں نے مودب نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور شہاب ان کے پاس آ بیٹھا..... پھر اس نے پر خیال لہجے میں کہا۔

”ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم لوگ رمضان خان کو کھانا پیش کرو گے نا۔“

”جی مسٹر شہاب۔“

”کھانے میں دو گولیاں ڈال دینا تاکہ وہ گہری نیند سو جائے اور جب وہ گہری نیند سو جائے تو اسے یہاں سے نکال کر اس کے گھر کے پاس جو پارک ہے اس پارک کی بیچ پر ڈال دینا۔ سمجھ رہے ہو نا..... احتیاط سے..... ویسے گولیوں کے اثرات دو گھنٹے سے زیادہ نہیں رہتے، اس بات کا بھی خیال رکھنا۔“

”بہت بہتر جناب۔“ فراز نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ سوالیہ نگاہوں سے سالک کو دیکھنے لگا..... سالک نے کہا۔

”ٹھیک ہے سر اور کوئی حکم۔“

”بھی تم لوگ مجھے شرمندہ مت کرو کیا کرو..... شہنشاہ نے مجھے جس ذمہ داری پر لگایا اس میں کبھی کبھی تمہیں شریک کر لیا کرتا ہوں، لیکن میری حیثیت تمہارے برابر ہی ہے۔“

”نہیں شہاب صاحب..... آپ اعلیٰ ترین ذہانت کے مالک ہیں، اس بات کو بھلا بھولا

”رمضان خان تم ایسا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ تمہارا ضمیر سیاہ ہو چکا ہے۔“ نقاب پوش بولا۔

”ضمیر سیاہ ہو چکا ہے نہیں صاحب، ہو چکا تھا، اب اتنا عرصے آپ کے پاس رہ کر میرے کو اس بات کا خیال آتا ہے صاحب میں زندگی بچانے کی بات نہیں کرتا، اس عذاب سے نکال دو مجھے..... ایک بار مجھے اپنے بچوں کی شکل دیکھنے دو ایسا دور ہو گیا ہوں، میں ان سے، جیسے میرے اور ان کے درمیان کوئی رشتہ ہی نہیں تھا..... صاحب ایک بار سب کو اپنے سے لگاؤں گا اور اس کے بعد اگر آپ کہو گے تو اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو گولی مار لوں گا، دل میں آرزو ہے صاحب کہ جس نے مجھے اس گناہ کی طرف مائل کیا جس نے مجھ سے زندگی کی ساری خوشیاں چھین لیں اسے اس طرح ہلاک کروں کہ دنیا دیکھتی رہ جائے۔“

”نہیں..... تم ایسا شاید نہیں کر سکو، کیونکہ تم ایک بزدل آدمی ہو۔“

”ایک بار صاحب، ایک بار میرے کو چانس دے کر دیکھو..... صاحب موت تو انسان کو گلے سے لگانا ہی ہوتی ہے، آپ کی اس قید میں آخر کار ایک دن مر جاؤں گا، لیکن کچھ حسرتیں پوری کرنے دو، صاحب میں ڈاکٹر حیات کو قتل کروں گا، اس سے پہلے میں اپنے بچوں سے ملوں گا..... انہیں بتاؤں گا کہ مجھ سے غلطی ہو گیا ہے اور پھر اور پھر صاحب بس میں واپس آپ کے پاس آ جاؤں گا یا اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دوں گا۔“

”اور قانون کے حوالے کر کے تم اپنے آپ کو کیا بتاؤ گے۔“

”میں نہیں سمجھا صاحب؟“

”قانون تم سے پوچھے گا کہ تم نے ڈاکٹر حیات کو کیوں قتل کیا؟“

”تو میں کہہ دوں گا صاحب کہ قانون کا کام میرے کو پھانسی دینا ہے بس اتنا کرنا ہے اس کو اور قانون اپنا فرض پورا کرے، میں اس کو بولوں گا کہ میں نے صرف اپنا فرض پورا کیا ہے۔“

”سوچ لو رمضان خان..... میں تمہیں رہائی دے سکتا ہوں۔“

”سوچنے کا کام آپ کا ہے صاحب..... ایسا کرنا کہ اگر میں اپنا یہ وعدہ پورا نہ کروں تو آپ لوگ میرے سامنے میرے گھر والوں کو زندہ جلادینا اس سے بڑا پیش کش میں اور کوئی نہیں کر سکتا ہوں۔“

”ہوں اچھا..... اچھا ٹھیک ہے، تو میں تمہیں رہائی دے رہا ہوں..... رمضان خان

جاسکتا ہے۔“ جواب میں شہاب ہنسنے لگا تھا۔

پھر وہ ان لوگوں سے اجازت لے کر چل پڑا، کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ ان سارے معاملات کے بارے میں سوچ رہا تھا..... ڈی آئی جی نادر حیات نے بحالت مجبوری جو اجازت اسے دی تھی شہاب نے اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ شہنشاہ باعمل ہو کر ان سب لمحوں کے اندر زندگی سے محروم کر سکتا تھا، لیکن شہاب خاصی ذہانت کے ساتھ اس سلسلے میں منصوبہ بندی کر رہا تھا اور اس نے یہ پہلا کام سرانجام دے دیا تھا..... وہ ڈاکٹر حیات کو اس طرح کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے رمضان خان کو جس طرح مخفی رکھا تھا آج اسے اس بات پر خوشی ہو رہی تھی اور وہ مسرور تھا کہ اس کا کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

بہر حال ہوتا ہے، بعض معاملات اس طرح آگے بڑھتے ہیں کہ ان کی ایک شکل کی بھی طور سامنے نہیں آتی، بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے..... اس نے آخر کار اس مسئلے کا حل دریافت کر لیا تھا اور اس سے غیر مطمئن نہیں تھا۔

پھر دوسری صبح اسے دو رپورٹیں ایک ساتھ ملیں، پہلی رپورٹ تو یہ تھی کہ سالک اور فراز نے رمضان خان کو منصوبے کے مطابق وہاں پہنچا دیا ہے، دوسری رپورٹ اسے شوکت اور فراست کی جانب سے موصول ہوئی تھی، فراست نے کہا۔

”سر ہم نے زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔“

”مجھے یقین تھا میرے ساتھی اگر اس طرح اپنے لئے ایک مقام نہ بناتے تو ظاہر ہے

انہیں آج یہ حیثیت کیسے حاصل ہوتی؟“

”سر اس عمارت کے بارے میں تفصیلی رپورٹ نوٹ فرمائیے گا۔ اس میں عام حالات میں ایک شخص رہتا ہے جو دہری شخصیت کا مالک ہے، یعنی کبھی وہ پادری کی شکل میں وہاں نظر آتا ہے اور کبھی ایک ایسے خوش شکل اور سمارٹ آدمی کی شکل میں جو بالکل الگ شخصیت کا مالک ہوتا ہے، یہ آدمی ایک مشنری کے تحت یہاں آیا ہے اور ایک چرچ میں عبادت کرنے بھی جاتا ہے، شاید وہاں یہ سروس کراتا ہے اس کے علاوہ جناب ہم نے یہاں تین افراد کو دیکھا ہے جو پچھلی رات یہاں آئے تھے اور ان کے درمیان ایک طویل میٹنگ ہوئی تھی، ہم نے ان کی ویڈیو بنائی ہے لیکن افسوس ساؤنڈ سسٹم کا بندوبست نہیں تھا، ہمارے پاس البتہ

یہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔“

”دیری گڈ..... کتنا عرصہ ہوا اسے یہاں آئے ہوئے۔“

”جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے تحت دس سے پندرہ دن تک۔“

”ویڈیو کہاں ہے۔“

”ہمارے پاس موجود ہے سر۔“

”پولیس ہیڈ کوارٹر میں مسٹر شہاب کو پہنچا دینا..... دوپہر کو دوبکے کے بعد اسے رکھ۔“

”نہیں جناب۔“

”انجم سے رابطہ قائم کرو اور اس سے کہو کہ مجھے رپورٹ دے۔“

پھر شہاب کو جان کے بارے میں بھی تفصیلی رپورٹ حاصل ہو گئی تھی..... یہ نہیں اس نے شہنشاہ کی حیثیت سے وصول کی تھیں، لیکن وہ اس اہم کام کے لئے تیار تھا جو نادر انجام پانے والا تھا، نادر حیات صاحب نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا، البتہ اس نے ڈاکٹر حیات سے رابطہ قائم کیا تھا..... ڈاکٹر حیات اس وقت اپنے کلینک ہی میں موجود تھا اور ان ای سی ریسو کیا تھا۔

”بیلو ڈاکٹر حیات۔“

”سر میں بول رہا ہوں..... کون صاحب۔“

”ڈاکٹر حیات تم نے بہت بڑا جیک لگایا ہے بہت اعلیٰ پیمانے پر تم نے اپنے تحفظ کا مذاق کیا ہے۔“

”کون ہو بھائی، اپنے بارے میں بتاؤ گے نہیں۔“

”حالانکہ میری آواز تمہارے ذہن کے گوشے گوشے میں ہونی چاہئے تھی ڈاکٹر حیات۔“

”اچھا.....“ ڈاکٹر حیات مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔

”لیکن بہر حال جب انسان عقل کا اندھا ہو جاتا ہے تو آنکھوں یا کانوں کی بات نہیں رہتی عقل کی بات ہوتی ہے۔“

”ڈرلر بول رہے ہو میرے سامنے، اوہو پہچان گیا، شہاب ثاقب ہیں کیا۔“

”ہاں۔“

”بھئی واہ کیا لائن حاضر کر دیئے گئے ہو۔“ ڈاکٹر حیات نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

”نہیں ڈاکٹر حیات میں تو لائن حاضر نہیں ہوا ہوں..... اپنے بارے میں سوچ۔“
 ”اپنے ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کی ہے کیا آپ نے جناب شہاب صاحب۔“
 ”ہاں..... سنا ہے میں نے کہ تم نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر تیر اندازی کی کوشش کی ہے۔“
 ”ویری گڈ ویری گڈ..... گویا تمہیں ہمارے پیمانے کا احساس ہو گیا۔“
 ”ایسے پیمانوں کو میں اہمیت نہیں دیتا ہوں..... ڈاکٹر حیات تم نے یہ عمل کر کے، اپنے لئے بہت مختصر کر لی ہے۔“

”ارے بھائی کیوں ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو جو کچھ بھی کیا ہے ہم نے بڑی مشکل سے کیا ہے..... اب ایسا کرونا یاد کہ تم بھی اس کی پاسداری کر لو..... ہماری تمہاری کوئی شے تو بے نہیں کچھ مل ہی جائے گا تمہیں۔“
 ”یاد رکھنا ڈاکٹر حیات تمہیں جو ملنے والا ہے اس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“ جواب میں ڈاکٹر حیات کا قہقہہ سنائی دیا تھا اور اس کے بعد اس نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

شہاب بھی پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا، پھر اس نے سلسلہ منقطع کیا ہی تھا کہ سرخ ٹیلی فون پر ڈی آئی جی صاحب کی کال موصول ہوئی۔
 ”ہیلو شہاب۔“
 ”جی سر۔“

”اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو آ جاؤ میرے پاس۔“
 ”حاضر ہوا جاتا ہوں سر!“ نادر حیات صاحب نے اس کا استقبال کیا تھا..... ان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت نظر آرہی تھی..... پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔
 ”شہاب میں نے زندگی اور موت کی کبھی پروا نہیں کی لیکن ہمارے ساتھ یہ سلوک ہو، یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے اور اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ دشمن کچھ زیادہ ہی سرگرم عمل ہو گیا ہے۔ شہاب کرنے کو تو میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں، لیکن وہ کیا نہیں ہے آج تک جو منسوب کر دیا گیا ہے۔“

”جی سر..... کوئی خاص بات ہو گئی ہے کیا؟“
 ”خاص بات کہہ بھی سکتے ہو، رات کو حملہ ہوا ہے مجھ پر..... اپنے بیڈروم میں تھا

سننے والی عمارت سے گولی چلائی گئی..... کھڑکی کے شیشے ٹوٹ گئے..... غالباً کمرے میں لٹی تھی، میری پرچھائیں سے فائدہ اٹھایا گیا، لیکن خدا کا شکر ہے وہ کامیاب نہیں ہوئے۔“
 شہاب کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا تھا، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے سرد بے میں کہا۔
 ”اس کی رپورٹ درج ہو گئی سر!“

”نہیں..... حالانکہ گھر والے کہہ رہے تھے کہ قانونی کارروائی تو کرنی چاہئے، میں نے نہیں روک دیا اور کہا کہ ابھی تھوڑا سا انتظار کر لیں..... قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے، اصل میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا تھا میں۔“
 ”بالکل نہیں سر..... صرف اتنا کیجئے کہ کھڑکی کا جو شیشہ ٹوٹا ہے اسے بدلوا دیجئے گا۔“
 شہاب کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ نادر حیات صاحب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولے۔
 ”میں سمجھا نہیں۔“

”شیشہ بدلوا لیجئے گا سر..... ایک شیشے کے عوض اگر ان پانچ میں سے ایک کم ہو جائے تو آپ کو یقینی طور پر نقصان نہیں ہو گا۔“

نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا پھر آہستہ سے بولے۔
 ”لیکن اس کے باوجود شہاب میں کسی بھی قیمت پر یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم کوئی غیر قانونی عمل کرو..... ہم ان روایات کو توڑنا چاہتے ہیں جو پولیس سے منسوب کر دی گئی ہیں۔“
 ”روایات ٹوٹیں گی سر آپ بالکل بے فکر رہئے..... اب سے کچھ وقت کے بعد آپ کو ایک خبر ملے گی۔“

”کیا خبر؟“
 ”سر کم از کم اتنا حق مجھے دیجئے گا کہ وہ خبر وقت پر ہی آپ کے پاس پہنچے۔“
 ”اور میری بات تمہارے ذہن میں ہے۔“
 ”جی سر۔“

”میرا تم سے ہر طرح کا تعلق ختم ہو جائے گا شہاب اگر کوئی ہلکا کام ہو۔“
 ”کام ہلکا ہوا تب ہی ایسا ہو گا سر۔“
 ”مگر کیا کر رہے ہو آخر..... اور..... اور..... اس حد تک میرا مطلب ہے۔“

”اس کے لئے معافی چاہتا ہوں سر..... ابھی یہ بتانا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔“
شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے..... پھر ایک ٹھنڈی
سانس لے کر بولے۔“

”خدا تمہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔“



رمضان خان کی آنکھ کھل گئی، اس نے تعجب بھری نگاہوں سے سر پر کھلے آسمان کو
دیکھا اور قرب و جوار میں پھیلے سناٹے کو..... رات کا نجانے کون سا پہر تھا، آسمان پر ستارے
چمکے ہوئے تھے، چاند بھی نکلا ہوا تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، بہت دن کے بعد اس نے کھلا
آسمان دیکھا تھا..... سوچنے لگا کہ شاید کوئی خواب دیکھ رہا ہے..... دُور سے کتوں کے بھونکنے
کی آواز آرہی تھی..... پھر کسی اور جگہ سے چوکیدار کی آواز سنائی دی اور یہ آواز سن کر وہ
چونک پڑا۔

یہ فجر خان کی آواز تھی..... فجر خان چوکیدار کو وہ اچھی طرح جانتا تھا، کیا یہ سب
خوابوں کی کہانی ہے، اس نے اپنے دل میں سوچا اور اپنے آپ کو دھوکا دینے کی بجائے اٹھ کر
بیٹھ گیا..... چاند کی روشنی میں اسے سامنے والی مسجد کا مینار نظر آرہا تھا..... مینار پر روشنی
ہو رہی تھی اور اب اس بات کا تصور نہیں تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے، یہ سب کچھ خواب
نہیں ہے وہ اپنے محلے میں ہی ہے اور گھر کے سامنے والے پارک میں ایک بچہ پڑا ہوا ہے.....
وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا..... اس کے منہ سے
آہستہ سے آواز نکلی۔

”میرے خدا..... میرے خدا اس دوران قید کے عالم میں اسے خدایا دعا کیا تھا اور اس
نے بارہا سچے دل سے خدا کو پکارا تھا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا، لیکن اپنے آپ کو سزا
کے لئے تیار کر کے اس نے دل میں کہا تھا کہ اتنے انسانوں کے قاتل کو معاف تو نہیں کیا
جاسکتا لیکن توبہ کے دروازے تو ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں اور وہ انہی دروازوں کو کھٹکھٹا رہا ہے، پھر
اسے اس نقاب پوش کی بات یاد آئی اور اس نے ایک گہری سانس لی..... ذہنی طور پر وہ اپنے
آپ کو تیار کرنے لگا..... سامنے ہی گھر کا دروازہ نظر آیا تھا، اس نے سوچا کہ وقت کم ہے اور
کام بہت جو وعدہ کر کے وہ نکلا تھا اس کی تکمیل ضروری تھی..... ورنہ جن لوگوں کے قبضے میں

جان کی پہنچ بھی اچھی طرح جانتا تھا اور پھر کم از کم ایک وعدہ تو پورا کر لیا جائے، زندگی میں
بچانے کتنے جھوٹے سچے سودے کئے ہیں، ایک سودے میں تو بچ بول لیا جائے، وہی کرنا چاہئے
جو وعدہ کر کے وہ آیا ہے، چنانچہ آہستہ قدموں سے وہ اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔
اس کا گھر گہرے سناٹے اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن اپنے گھر کے راستے کون
نہیں جانتا۔

دروازے کی بیل بجائی اور انتظار کرنے لگا، رات کافی گزر چکی تھی..... گھر میں جو کوئی
بھی تھا گہری نیند سو رہا تھا، چنانچہ اسے کئی بار بیل بجانی پڑی..... پھر تھوڑی دیر کے بعد
دروازے کے دوسری جانب سے اس کی بیوہ بہن کی آواز سنائی دی۔
”کون ہے؟“

”دروازہ کھول سیکھ..... میں رمضان خان ہوں۔“

رمضان خان نے کہا اور بہن نے آواز پہچان لی..... بڑی بے صبری سے اس نے دروازہ
کھولا تھا بھائی کو دیکھا اور اس سے لپٹ گئی تھی۔

”میرا بھائی میرا بھیا، میری زندگی، میری روح وہ اپنا چہرہ اس کے سینے سے رگڑتے
ہوئے کہہ رہی تھی اور رمضان خان سکتے کے سے عالم میں بہن کی اس محبت کو دیکھ رہا تھا، کیا
دکھ بھری بات ہے..... انسان ایک لمحے کے لئے عقل و خرد سے عاری ہو جاتا ہے، وہ یہ نہیں
سوچتا کہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے نتیجے میں خود اس کو بھی نقصان پہنچے گا..... وہ زندگی
کی ان لڑائیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جو زندگی کا سب سے اہم حصہ ہوتی ہیں، سب کچھ چھین
جائے گا اور دنیا سے کنارہ کشی کرنی پڑے گی، ان ساری باتوں میں سے کوئی بات نہیں سوچتا، وہ
آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے اندھا ہو جاتا ہے اور شیطان کا شکار ہو کر وہ سب کچھ کرنے لگتا
ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئے، رمضان خان اس وقت انہی احساسات سے گزر رہا تھا، کیا نہیں
تھا اس کے پاس، عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہا تھا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی..... انسانوں
کی بلاکت پر آمادہ ہو گیا، ایک شیطان کی شیطنت کا شکار ہو گیا، اپنی عقل استعمال نہ کی اور سوچا
کہ دنیا تو بے وقوف ہے، ہر کام آسانی سے ہو سکتا ہے..... کون دیکھنے اور کون سننے والا
ہے..... دیکھنے اور سننے والی بات تو لوگ بھول ہی جاتے ہیں، ارے دنیا دیکھے نہ دیکھے جو دیکھ
رہا ہوتا ہے وہ تو بہر حال واقف ہوتا ہے اور اسے ہی بھولنے والے زندگی کے بدترین

نقصانات سے دوچار ہوتے ہیں، بس سوچ کا فرق ہے، انسان کا گناہ ہی اس کے لئے راستہ بن کر رہتا ہے۔“

سکینہ بھائی سے لپٹی رہی پھر بولی۔ ”بھیا باہر سے واپس آگئے۔“

”ہاں سکینہ اپنی ذات سے بھی باہر چلا گیا تھا میں واپس آگیا ہوں..... رمضان خان نے بڑا فلسفیانہ جواب دیا۔

”بھیا خطرہ ٹل گیا کیا۔“

”ہاں خطرہ ٹل گیا..... اصل میں سکینہ انسانوں سے بھاگ رہا تھا، خدا سے نہ بھاگ سکا۔“ رمضان خان مدہم لہجے میں بولا اور سکینہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

سکینہ بہت خوش نظر آرہی تھی، حالانکہ کافی رات ہو چکی تھی لیکن سکینہ نے سب کو جگادیا..... رمضان خان بھی یہی چاہتا تھا، زیادہ وقت نہیں تھا اس کے پاس..... اس نے

سارے بچوں کو بیوی کو جگادیا..... سب ہی اس کے آنے سے خوش ہو گئے تھے، اس کے بچے اس سے سوالات کر رہے تھے..... رمضان خان بڑے پیار سے انہیں جوابات دے رہا تھا.....

اس کی بیٹی نے پوچھا۔

”بابا اب تو ایسی کوئی بات نہیں رہی بابا، آپ ہمارے درمیان سے چلے گئے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے ہماری زندگی ختم ہو گئی ہو..... آپ کے جانے کے بعد کوئی مسکرایا تک نہیں۔“

”ارے نہیں بیٹے..... نجانے کون کب چلا جاتا ہے، کسی کے لئے اپنی مسکرائیں قربان نہیں کرنی چاہئیں..... مجھے تمہاری اس بات سے اختلاف ہے۔“

”بابا دل لگتا ہی نہیں تھا، آپ کیسی بات کرتے ہیں۔“

”ہاں دل تو میرا بھی نہیں لگتا تھا لیکن دیکھو انسان کو حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے، بات یہ ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، اب جب غلطی ہوتی ہے تو سزا تو ملتی ہے انسان کو..... دنیا نہیں دیتی سزا تو اللہ دیتا ہے۔“

”بابا آپ کی سزا ختم ہو گئی؟“

”نہیں بیٹا..... سزا تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی، سزا تو شروع ہوگی ابھی تھوڑا سا وقت ہے..... چھوٹ دی گئی ہے چھوٹ..... سمجھتی ہو نا..... تھوڑی سی چھوٹ دی گئی ہے..... بات اصل میں یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں..... میں نے بہت بڑا گناہ کر دیا ہے، اتنا بڑا

گناہ کیا ہے میں نے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”تو بابا وہ الزام جو آپ پر لگا تھا۔“

”نہیں وہ الزام نہیں تھا..... حقیقت تھی، کیا ہے میں نے ایسا کسی لالچ میں آکر یا

جو کے میں آکر۔“

”تو اب کیا ہوگا..... اب کیا ہوگا!“

”بھاگ گیا تھا نا میں واپس آگیا ہوں سزا کے لئے واپس آگیا ہوں۔“

”نہیں بابا ایسا نہ کریں آپ پھر بھاگ جائیں۔“ اس کی بیٹی نے کہا اور رمضان پھر ہنس

پا پھر بولا۔

”نہیں بیٹا نہیں بھاگ سکتا میں..... منع کر دیا ہے مجھے بھاگنے سے، ملنے آیا ہوں میں تم سے..... دیکھو سزا پانا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ابھی سزا چھوٹی ہوگی بعد میں بڑی ہو جائے گی..... چھوٹی سزا بھگت لینا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔“

”تو آپ پھر چلے جائیں گے۔“

”ہاں..... لیکن تم لوگ آرام سے رہو خوش رہو میں سب کو بتا چکا ہوں کہ کسے کیا کرنا

ہے، یہ بتاؤ کہ کسی نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کر رہے ہیں نا لوگ۔“

”ہاں بابا آپ نے جو کچھ ہم میں تقسیم کیا تھا ہم اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔“

”ہاں اصل میں یہی تو چھوٹی سی بھول ہوتی ہے انسان کی، اب دیکھو نا برا کر ڈالا تھا میں نے صرف اس چکر میں کہ تھوڑی سی دولت حاصل ہو جائے حالانکہ اچھی خاصی رقم تھی

برے پاس بس لالچ میں آگیا، اب وہ رقم تم لوگ خرچ کرو گے اور میں..... لیکن نہیں بچتے لوگ بس یہی تو نہیں سوچتے..... چلو خیر اب کچھ نہیں ہو سکتا، عیش کرو..... مجھے

نوٹ ہے تمہارے کسی کام تو آسکا میں۔“ رمضان خان نے کہا اور اس کے بعد وہ صبح تک اپنے پیسوں میں گھیرا بیٹھا رہا..... بچے اس سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، ہر ایک کو

غلاب دیتا رہا..... بڑی خوشدلی کے ساتھ اس نے گھر میں ناشتا کیا..... دن کے گیارہ بجے تک

نام سے اپنے اہل خاندان کے ہمراہ بیٹھا رہا..... گیارہ بجے اس نے اپنا لباس بدلا اور تیار ہو گیا۔“

”کہاں جا رہے ہیں بابا؟“

”بس بیٹا اتنی ہی دیر کی چھٹی ملی تھی واپس جانا ہے۔“
 ”بابا ہمیں بتائیے آپ کہاں جا رہے ہیں آخر!“

”ان لوگوں کے پاس جن کے پاس مجھے واپس جانا ہے۔“ رمضان خان کی تو شخصیت بدل گئی تھی، بہر حال وہ بڑی مشکل سے بچوں سے اجازت لے کر باہر نکلا، دل ڈوب رہا تھا لیکن ایک اور احساس بھی دل میں پیدا ہو رہا تھا..... اصل گناہ گار تو عیش کر رہا ہے، محفوظ ہے اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی..... وہ آرام سے اپنا وقت گزار رہا ہے، اتنے سارے افراد کا قاتل، ٹھیک ہے میں نے یہ عمل کیا ہے لیکن اس کا محرک تو ڈاکٹر حیات ہی تھا..... آج کل حیات نے مجھے زندگی سے محروم کر دیا، میرے بچوں سے میری دنیا سے محروم کر دیا..... انتقام تو ضروری ہے ڈاکٹر حیات..... یہ تو دنیا کا عمل ہے کرنا ہی پڑتا ہے..... پھر بازار سے اس نے ایک بہت ہی عمدہ قسم کا چھرا خریدا اور پھر اسے اپنے لباس میں پوشیدہ کرنے کے بعد دام حیات کے کلینک کے جانب روانہ ہو گیا۔

کلینک میں زندگی رواں دواں تھی..... ڈاکٹر آ جا رہے تھے..... نرسیں گردش کر رہی تھیں..... ڈاکٹر حیات ویسے بھی کوئی اچھا انسان نہیں تھا..... مجبوریوں سے بڑی بڑی رقیں وصول کرتا تھا، ہر قسم کی برائیاں اس کے اندر موجود تھیں، بہر حال ابھی تھوڑی دیر پہلے..... اپنے کلینک میں آیا تھا اور چہرے سے کچھ پریشان نظر آتا تھا..... اپنے آفس میں آتے ہی ان نے ٹیلی فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا..... کچھ لمحات کے بعد آواز سنائی دی۔

”ہیلو۔“

”جمال شاہ صاحب سے بات کرنا ہے مجھے آپ ان کی سیکرٹری بول رہی ہیں۔“

”جی سر کون صاحب ہیں آپ۔“

”ڈاکٹر حیات۔“

”دیکھئے جمال شاہ صاحب۔“ اس وقت سیکرٹری نے کہا لیکن ڈاکٹر حیات نے جملہ کلمات ”وہ اس وقت کچھ بھی کر رہے ہوں..... یہ آپ کی ڈیوٹی ہے کہ آپ انہیں بلانا بتادیتے کہ ڈاکٹر حیات بات کرنا چاہتے ہیں اور انتہائی ضروری بات کرنی ہے۔“
 ”ٹھیک ہے ہولڈ کیجئے..... سیکرٹری شاید جمال شاہ سے رابطہ قائم کرنے لگی، کچھ لمحوں

بعد جمال شاہ کی آواز سنائی دی۔

”ہاں جمال شاہ بول رہا ہوں..... کیا بات ہے؟“

”سر ڈاکٹر حیات۔“

”بھئی مجھے پتا چل گیا ہے بولو کیا بات ہے۔“

”نہیں سر آپ براہ کرم اس خشک رویے کا اظہار نہ کریں۔“

”یار کیسی باتیں کر رہے ہو..... بہر حال اس وقت کام میں مصروف ہوں۔“

”جب آپ کی صحت خراب ہوتی ہے شاہ صاحب تو ہم لوگ زندگی کی بازی لگا دیتے

ہم یہ نہیں سوچتے کہ کون سا وقت ہے اور ہمیں کیا کرنا ہے۔“

”احسان جتنا ہے سو۔“

”جمال شاہ صاحب یہ رویہ اختیار نہ کیجئے گا۔“

”بھئی اصل بات تو کہو کیا بات ہے..... میں اس وقت واقعی بہت مصروف تھا۔“

”جمال شاہ صاحب بات بنی نہیں۔“

”کیا مطلب!“

”آپ نے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے میری سفارش کی تھی۔“

”تمہارے سامنے کی تھی۔“

”ہاں..... لیکن انہوں نے جس طرح انحراف کیا اس کا بھی آپ کو اندازہ ہے؟“

”اب کیا ہوا..... کیا ان کی طرف سے کوئی کارروائی کی گئی ہے؟“

”نہیں..... لیکن اصل آدمی اب بھی مجھ سے منحرف ہے۔“

”کون اصل آدمی؟“

”شہاب ثاقب۔“

”وہ کیا چیز ہے۔“

”آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی۔“

”تو پھر۔“

”اصل مسئلہ اسی کا ہے۔“

”یہ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟“

”کیا ہی نہیں تھا ڈاکٹر حیات، جو آدمی گنہگار نہ ہو اس کے آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔“
 ”کوئی فریب کرنا چاہتے ہو..... کوئی چال چل رہے ہو؟“
 ”نہیں ڈاکٹر..... بالکل نہیں۔“
 ”میں نے تمہیں خود روانہ کیا ہے۔“
 ”تو پھر اپنے دماغ کا علاج کرو..... اس کے علاوہ اور میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“
 ”کیا مطلب؟“ ڈاکٹر حیات اسے گھورتا ہوا بولا۔

”تم نے جسے روانہ کیا ہے وہ میں نہیں تھا، مجھے تو ایئر پورٹ سے ہی اغوا کر لیا گیا تھا اور ہمارے کاغذات مجھ سے چھین لئے گئے تھے جو تم نے مجھے بنا کر دیئے تھے، اس کے بعد ان ہجوم لوگوں نے مجھے قید کر لیا اور اس وقت سے میں ان کا قیدی تھا۔“
 ”کیا؟“ ڈاکٹر حیات کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔
 ”ہاں ڈاکٹر حیات اس وقت سے میں ان کا قیدی تھا، لیکن اس کے بعد ڈاکٹر حیات میں نے ضمیر کا قیدی بن گیا، سمجھ رہے ہو نا تم۔“
 ”کیا کسی سکول میں رکھا تھا انہوں نے تمہیں؟“

”اصل میں آج کل ہر اچھی بات، اچھی لگتی ہے ڈاکٹر حیات، بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے واقعی مجھے سکول میں رکھا تھا اور اس سکول میں مجھے تعلیم دینے والا میرا نمبر تھا، صرف و صرف ضمیر، وہ مجھے بہت کچھ سکھاتا رہا، بتاتا رہا مجھے ڈاکٹر حیات کہ کیا غلط ہوتا ہے اور کیا صحیح، ڈاکٹر حیات میرے ضمیر نے مجھے بتایا کہ زندگی دینے اور لینے والی ایک ہی بات ہوتی ہے، اس ذات نے انسان کے لئے راستوں کا تعین کر دیا ہے، لیکن یہ راستے اسے منتخب کرنا ہوتے ہیں..... نیکی اور بدی کا تصور انسان کو دے دیا گیا ہے، اس کی اچھائیاں اور بُرائیاں بتادی گئی ہیں اور جب انسان اس تصور سے ہٹ کر صرف اپنے مفاد کے راستے دیکھنے لگتا ہے اس روشنی کی جانب لپکتا ہے، جس میں چمک تو ہوتی ہے، سچائی نہیں، تو پھر اسے گناہ لیتے ہیں..... اس کا کا لاد ل اپنے جیسوں کی جانب سے بے پروا ہو جاتا ہے، سوچتا بھی نہیں کہ ان کے بارے میں اور اپنے مفاد کے لئے وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے، اس سکول میں، میں نے یہی سیکھا اور اس کے بعد میرے ضمیر نے مجھ سے کہا کہ جو کیا وہ اچھا نہیں کیا.....
 ”نماں خان اور اس وقت تک ضمیر کو قرار نہیں آسکتا جب تک کہ اس کے بدلے میں کوئی

”اس نے مجھے دھمکیاں دی ہیں۔“
 ”کیا۔“

”یہ میں آپ کو فون پر نہیں بتا سکتا۔“
 ”ٹھیک ہے..... رات کو ساڑھے آٹھ بجے میرے پاس آ جاؤ، اس کے بعد تفصیل بتا دیتا ہوں۔“
 ”چیت ہو جائے گی اوکے۔“

جمال شاہ نے ڈاکٹر حیات سے کچھ سنے بغیر ٹیلی فون بند کر دیا..... ڈاکٹر حیات ریسر لے لئے سوچ میں ڈوبا رہا..... پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر فون کا ریسپونڈ کر دیا..... اس وقت دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور کوئی اندر داخل ہو گیا۔
 آنے والے کو ڈاکٹر حیات نے غور سے دیکھا اور دوسرے لمحے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے..... اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، جو چہرہ وہ دیکھ رہا تھا وہ اس کے لئے انجین نہیں تھا، لیکن اس وقت اس عالم میں کئی لمحوں تک اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی.....
 وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

”رمضان خان۔“

”شکر ہے ڈاکٹر حیات آپ نے ہمیں پہچان لیا۔“

”یہاں کیوں آ کر مرے ہو..... خدا تمہیں غارت کرے۔“

ڈاکٹر حیات سر دلچے میں بولا۔

”بڑی اچھی دعا دی ہے ڈاکٹر حیات..... واقعی بڑی اچھی دعا دی ہے اور یہی سچائی ہے، یعنی یہ کہ خدا مجھے غارت کرے اور تمہاری یہ دعا مانگنے سے پہلے ہی پوری ہو گئی، غارت کر دیا گیا ہوں میں ڈاکٹر حیات، مجھے غارت کر دیا گیا ہے۔“

”لگتا ہے پاگل ہو گئے ہو، میں کہتا ہوں تم واپس کیوں آ گئے؟“

”کہاں سے ڈاکٹر حیات؟“

”کیا بکواس کر رہے ہو۔“

”ڈاکٹر حیات صحیح کہہ رہا ہوں میں۔“

”بے وقوف آدمی..... تم شاید واقعی پاگل ہو گئے ہو، میں کہتا ہوں تم واپس آ گئے آخر؟“

بہت ہی بہتر کام نہ کر لیا جائے، اب سوال بہتر کام کا پیدا ہوتا ہے، تو ڈاکٹر حیات اس دور میں ایسے کسی بہتر کام کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہاں تک کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔
”کیا ترکیب آگئی؟“

”آؤ ذرا باہر چل کر دیکھو، کیا کیا سوغات لایا ہوں تمہارے لئے؟“ رمضان خان مسکرا کر کہا۔

”سوغات؟“ ڈاکٹر حیات عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

”ہاں ڈاکٹر حیات..... سوغات، ذرا دیکھو تو سہی کون کون آیا ہے، ان سب سے تمہیں بہت خوشی ہوگی، آؤ میرے ساتھ۔“ اور ڈاکٹر حیات حیران سا اپنی جگہ سے اٹھ ہوا۔ جراثیم پیشہ آدمی تھا، میز کے دراز کے نچلے حصے میں پستول موجود تھا لیکن بیکر طرح بدحواس ہوا تھا کہ ایسے ہی رمضان خان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ رمضان خان لئے ہوئے اس بڑے سے ہال میں پہنچ گیا جو مریضوں کے لئے انتظار گاہ کے طور پر بنایا گیا تھا۔ تمام ڈاکٹروں کی گزر گاہ وہیں سے تھی، رمضان خان زور زور سے چیختے لگا۔

”جلدی آؤ بھائی جلدی آؤ ایک بہت ہی اہم صورت حال پیش آگئی ہے، جلد کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صورت حال سے واقف نہ ہو سکو۔“ کچھ افراد تو وہیں موجود تھے کچھ یہ چیخ و پکار سنی تو دوڑتے ہوئے اندر آ گئے۔ ڈاکٹر حیات کی بدحواسی آخری حدود میں ہو چکی تھی، اس کا بدن کچھ اس طرح مفلوج ہو گیا تھا کہ وہ کچھ کہہ بھی نہیں پارتا تھا۔ سارے ڈاکٹر اور نرسیں وغیرہ وہاں جمع ہو گئے، رمضان خان انہیں دیکھ کر ہنستا ہوا بولا۔
”بہت بڑا ڈاکٹر ہے یہ..... ڈاکٹر حیات ہے اس کا نام، تم لوگ جانتے ہو نا اس نے ایک ایسا کام کر اڑا ا ہے مجھ سے، جس نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ تم لوگوں نے، اخباروں میں ضرور پڑھا ہو گا۔“

کہ رمضان خان نامی ایک آدمی نے جو جیل میں قیدیوں کو کھانا پلائی کرتا تھا۔ میں زہر ملا کر چوبیس آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ چوبیس قیدیوں کو جن میں سے کون تھا اور کون گناہ گار وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، بس تھوڑی سی رقم کے بدلے نے چوبیس آدمیوں کی زندگی چھین لی، لیکن تم میں سے کسی کو یہ بات معلوم نہیں اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا یہ کھڑا ہے وہ مکینہ، انسان، تمہارا مالک، اس کلینک کا مالک

لیکن اس نے چوبیس آدمیوں کی زندگی چھین لی، ہم سے یہ گناہ کرا دیا اس نے بھائیوہ چوبیس آدمی ہمارے دشمن نہیں تھے..... انسان کا ضمیر کسی نہ کسی شکل میں ہمارا ضمیر بھی جاگ اٹھا ہے، ہم ان چوبیس آدمیوں کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہم نے طریقہ بھی سوچ لیا ہے جانتے ہو کیا؟“
ڈاکٹر ساکت کھڑے ہوئے تھے..... رمضان خان نے اپنے لباس سے تیز دھار والا

ڈاکٹر اور ڈاکٹر حیات کا گریبان پکڑ لیا۔

”تک کیا..... کیا بکواس ہے..... تک کیا کر رہے ہو تم، پاگل ہو گئے ہو رمضان خان، اپنے ہو گئے ہو، ارے پکڑو اسے پاگل ہو گیا ہے یہ۔“ ڈاکٹر حیات نے کہا لیکن رمضان خان پھرے کا وار اس کی ناف کے نیچے سے کیا تھا اور پھر اسے سینے تک کھولتا چلا گیا تھا۔ اس کے حلق سے دہشت بری چیخیں نکل گئیں..... کئی ڈاکٹر بھی زور سے چیختے تھے۔ انے اس کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی، لیکن رمضان خان نے چہرے کا دوسرا اور بات پر کیا..... پھر تیسرا..... چوتھا اور پانچواں اور سارے کا سارا خون میں نہا گیا۔ ڈاکٹر دنا آنکھیں بھی پتھر آگئی تھیں..... رمضان خان نے ایک کے بعد دوسرا جاری رکھا۔ ڈاکٹر حیات وہاں سے بھاگنے کی کوشش میں بھی ناکام ہو گیا تھا..... رمضان خان اسے پکڑنے نہیں دے رہا تھا لیکن پھر ڈاکٹر حیات نے اپنا پورا بدن چھوڑ دیا اور زمین پر گر پڑا۔

”مان خان اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

”دیکھا تم نے برائی کا انجام آخر کار یہ ہوتا ہے..... ارے زندگی میں ہم نے شاید اس

”مبارک کام کوئی نہیں کیا تم لوگ ہمیں مبارک باد دو۔“

”خبردار..... خبردار جس نے بھی قریب آنے کی کوشش کی میں اسے جان سے لے گا۔ یہ بات تو تم لوگ بھی سمجھتے ہو کہ اس ایک آدمی کے قتل کے سلسلے میں مجھے سزا ملے گی..... دس آدمیوں کو قتل کر دوں گا تب بھی، ایک ہی سزا ملے گی..... یعنی مجھے پھانسی چڑھا دیا جائے گا..... اپنی جان کھونے کی کوشش مت کرو..... دُور رہو مجھ سے۔“
”خبردار..... خبردار اس بد بخت کے گندے خون کے۔“ رمضان خان زور سے ڈاکٹر کے بدن پر اچھلا اور ڈاکٹر حیات کے زخموں نے خون اُگنا شروع کر دیا..... خون کی آواز کے بدن سے بلند ہوئی اور رمضان خان نفرت سے منہ بنا کر بولا۔

تھے اس کے ان سب سے اور تھوڑے ہی دنوں میں سب اسے چاہنے لگے تھے۔
 بن کی یا اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ بینا نے اور شہاب کو خوشی تھی
 بن کی کا یہ مرحلہ بھی بہت خوبصورت رہا اور اس میں کوئی الجھن پیش نہ آسکی، لیکن ابھی
 بن نے بینا سے کوئی ایسا کام نہیں لیا تھا جو مشقت کا ہو، البتہ اسے یہ احساس تھا کہ بینا یہ نہ
 بنے کہ اب اس نے اسے بالکل ہی بے تعلق کر کے چھوڑ دیا ہے، چنانچہ اس وقت بھی
 بنی امور سے فراغت حاصل کر کے وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچا تھا اور تھوڑی دیر کے
 بن نے بینا کو فون کیا تھا کہ دوسری طرف سے بینا نے ہی فون ریسو کیا تو شہاب تھوڑی
 دیر تبدیل کر کے بولا۔

”مسز شہاب سے بات کرنی ہے۔“

”جی فرمائیے۔“

”میں نے کہانا مسز شہاب سے بات کرنی ہے۔“

”میں بول رہی ہوں۔“

”ایسا چاہتے ہو آخر تم لوگ؟“ شہاب غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”کیا تکلیف ہے آپ کو؟“

”مجھے جو تکلیف ہے اگر میں نے بنیادی تو حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔“

”اگر آپ کسی پاگل خانے سے بول رہے ہیں تو براہ کرم فون بند کر دیجئے گا۔“ کچھ کہنا

بڑے شک آپ کہیں۔“

”تمہارے شوہر کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”تو آپ مجھے دھمکی دینا چاہتے ہیں۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے میں اس سلسلے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔“

”اگر شوہر کی زندگی بچانا چاہتی ہو تو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں چلی آؤ۔“ شہاب نے

”بچا چونک پڑی۔“

”کہاں۔“

”کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں۔“

”دیکھ رہے ہیں آپ لوگ آہ کاش آپ میری نگاہوں سے اس خون کی غلاظت
 دیکھیں اور اسے سوٹ لیں۔“ یہ دیکھیں۔“ اس نے پھر ڈاکٹر حیات کا بدن زور سے
 لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ خون کی پھواریں بلند ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر حیات
 تڑپ رہا تھا لیکن رمضان خان کا قوی ہیکل جسم اسے دبوچے ہوئے تھا، وہ اس بدن کی گرفت
 سے نکل نہیں پار رہا تھا، پھر کسی ڈاکٹر نے پولیس کو فون کر دیا۔ رمضان خان بہتہ آہستہ ڈاکٹر
 حیات کے بدن پر مسلسل زخم لگا رہا تھا اور اچھل اچھل کر اس کے جسم سے خون بہا رہا تھا
 ڈاکٹر حیات کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور وہ لمحہ لمحہ زندگی سے دور ہوتا جا رہا تھا، کوئی بھی اس
 کی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ پھر پولیس پہنچ گئی اور پولیس کے کئی افراد دھڑ دھڑاتے ہوئے
 اندر داخل ہو گئے۔ وہاں موجود ڈاکٹروں پر سکتہ طاری تھا، وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے
 ڈاکٹر حیات کو دیکھ رہے تھے جو سسک سسک کر دم توڑ رہا تھا۔ رمضان خان نے
 پولیس کو دیکھا اور ہنس کر بولا۔

”ابھی گولی مت مارنا۔ کم از کم میری بات سن لو اس کے بعد جو دل چاہے کرنا۔“

”اس کمبخت نے مجھے وار غلا کر چوبیس آدمیوں کو زہر دلوادیا میرے ہاتھوں سے۔“

رمضان خان ہے میرا نام۔ جیل مین کھانا سپلائی کرنے کا ٹھیکیدار تھا۔ اس نے یہ جرم

کر ڈالا ہے مجھ سے۔ آہ کاش میں ایسا نہ کرتا۔ بڑا دکھ ہے مجھے لیکن بہر حال پوئیں میں

سے ایک آدمی کا بدلہ تولے ہی لیا میں نے اس سے۔ اے یہ لو میرا چہرہ۔ میرے ہاتھ

حاضر ہیں، گرفتار کر لو اب، خوشی سے گرفتاری دے رہا ہوں میں۔“ اور رمضان خان نے

دونوں ہاتھ سیدھے کر دیئے۔ پولیس آفیسر نے اس کے ہاتھوں میں تھکڑی ڈال دی تھی

اور چہرہ اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ حیات کلینک میں زبردست افراطی پھیلی ہوئی تھی۔



شہاب بینا کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ شادی کرنے کے بعد اس نے اسے ان

معاملات سے دور کر دیا ہے۔ بینا کو گھر یلو طور پر بھی آزادی ملی ہوئی تھی، کیونکہ نعمہ بیگم

اور اہل خاندان جانتے تھے کہ وہ خود محکمہ پولیس کی ملازم ہے اور اہم ترین خدمات سرانجام

دیتی ہے، پھر اس کے بعد بینا کا رویہ ظاہر ہے ذہین لڑکی تھی۔ ایک ایک فرد سے اس کے

ذاتی تعلقات قائم کئے تھے۔ نعمہ بیگم۔ ثریا بھابی پھر واثق حسین اور فائق حسین بہن

”آتا ہے مجھے۔“

”ہاں بھی آجاؤ تھا ہوا بھی ہوں اور پھر تم سے کچھ بات چیت بھی کرنی ہے۔“

”میں آ رہی ہوں۔“

پھر شہاب بیٹا کا انتظار کرتا رہا تھا، جو ہر خان کو اس نے بتا دیا تھا کہ بیٹا آ رہا ہے اس لئے بڑھانے پینے کا انتظام ہو جائے اور جو ہر خان..... رجب خان کے ساتھ مل کر کھانے پینے کی باتوں میں مصروف ہو گیا تھا..... تھوڑی دیر کے بعد بیٹا کی کار کا ہارن سنائی دیا اور پھر وہ باہر سے داخل ہو گئی جہاں شہاب اس کا انتظار کر رہا تھا..... بیٹا نے شہاب کو سیلوٹ کیا اور شہاب نے مسکرا کر گردن خم کی تھی۔

”ڈسپلن کی پابندی کرنے کا شکریہ۔“

”آپ نے کہا ہے ناکہ آپ نے مجھے کچھ گفتگو کرنے کے لئے طلب کیا ہے؟ یعنی میں بولی پر ہوں۔“

”ہاں بیٹا بیٹھو..... تھوڑی سنجیدگی سے بات کرنی ہے اس سلسلے میں۔“

”جی۔“ بیٹا نے کہا اور شہاب کے سامنے بیٹھ گئی، شہاب نے نظر نیچی کر لی تھی..... کچھ دیر بعد شہاب نے کہا کہ بیٹا پھر کہنے لگا۔

”بیٹا..... کیا یہ فشیات کے سگ لنگ والا کیس طویل نہیں ہوتا جا رہا۔“

”ہاں..... اس میں تو کوئی شک نہیں ہے..... بہت لمبا مسئلہ چل پڑا ہے، لیکن وہ بڑی تو سامنے ہے یعنی ڈی آئی جی صاحب کا اپنا خیال۔“

”ہاں بیٹا..... بہت سے ایسے معاملات ہیں جنہیں تفصیل سے دہرانا ضروری ہے مثلاً نالز کی کا قتل جس کی وجہ سے میں دانی شاہ کی جانب متوجہ ہوا..... دانی شاہ کی گرفتاری اور عدالت کے بعد کے سارے معاملات جو تمہارے علم میں ہیں، پانچ وہ نام اس سلسلے میں بنیادی ثابت رکھتے ہیں..... یہ ساری چیزیں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں، ویسے تمہیں یہ سن کر افسوس نہ لگے گا کہ نادر حیات صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔“

”کیا؟“ بیٹا اچھل پڑی۔

”ہاں..... ان کی کوشھی میں ان پر گولی چلائی گئی ہے اور یہ بات ہمارے علم میں آچکی ہے، اصولی طور پر انہیں مجھ پر حملہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ بہر حال ڈیوٹی آفیسر تو میں ہوں.....

”ہوں اور اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ مجھے بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔“ بیٹا مسکرا کر بولی۔

”یعنی آپ کا خیال ہے کہ آپ سے شادی کر کے میں نے آپ کو بے وقوف بنایا ہے۔“ جی نہیں..... مجھے دھمکی دے کر اور وہ بھی میرے شوہر کے بارے میں..... جناب عالی اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا شوہر اپنی زندگی کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔“

”اچھا..... اچھا اب پہچاننے کے بعد یہ ٹکھن لگایا جا رہا ہے۔“

”کیا کر رہے ہو بھی وہاں۔“

”تمہارا انتظار۔“

”کیا مطلب؟“

”آجائیا..... حرام خوری اچھی چیز نہیں ہوتی۔“

”پھر پوچھوں گی کیا مطلب۔“

”میرا مطلب ہے سرکاری تنخواہ وصول تو کرنی ہی ہوگی، تھوڑا بہت ڈسکشن وغیرہ“

”ہو جانا چاہئے۔“

”ناراض ہوں آپ سے۔“

”کیوں۔“

”سب کچھ چھوڑ دیا ہے میں نے آپ کی وجہ سے بلکہ پیروں میں زنجیریں پہنا دی ہیں میرے۔“

”محترمہ سیانے یہی تو کہتے چلے آ رہے ہیں۔“

”وہ بیویوں کے بارے میں کہتے چلے آئے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”کہتے ہیں کہ بیوی شوہر کے پیروں کی زنجیر ہوتی ہے اور اس کے بہت سے مکمل رہ جاتے ہیں۔“

”نہیں..... میں نے ایسی کوئی بات کبھی نہیں محسوس کی۔“

”سنجیدگی سے بات کر رہے ہیں۔“

”بالکل۔“

ایکشن مجھے لینا ہے..... باقی سارے معاملے تو بعد کی حیثیت رکھتے ہیں۔“

”نادر حیات صاحب زخمی تو نہیں ہوئے۔“

”نہیں بچ گئے ہیں کوئی زخم نہیں آیا انہیں۔“

”گویا ان لوگوں نے یہ جرات کر ڈالی لیکن شہاب تم نے چینا سے رابطہ نہیں کیا میرا مطلب ہے اس کے لئے کوئی بندوبست نہیں کیا۔“

”توصیف اور سردار علی چینا کے پیچھے ہیں..... ابھی تک انہوں نے مجھے اس بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی اور میں بھی کچھ اس طرح مصروف رہا ہوں کہ ان سے رابطہ نہیں کر سکا لیکن بہر حال یہ سب کچھ بھی ہو جائے گا، بلکہ ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں۔“ شہاب نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر نکال کر سامنے رکھ دیا، اس کے بعد اس نے ڈبل اوگینگ کے افراد کو کال کیا اور چند لمحات کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

”توصیف۔“

”سربول رہا ہوں۔“

”توصیف تمہیں ایک ذمہ داری سونپی گئی ہے۔“

”جی سر اور اس ذمہ داری کے نتیجے میں، میں اس وقت کریم سوسائٹی کی کوٹھی کے سامنے موجود ہوں..... جس میں مس بینا ابھی داخل ہوئی ہیں۔“ توصیف نے جواب دیا اور شہاب چونک پڑا۔

”مطلب۔“

”چینا نے یہاں تک آپ کا تعاقب کیا ہے اور پھر یہاں سے واپس چلا گیا ہے، جب کہ سردار علی کو میں نے اس کے پیچھے بھیج دیا ہے۔“

”میرا تعاقب کیا ہے۔“

”جی ہاں..... پولیس ہیڈ کوارٹر تک..... وہ آپ کے پیچھے آیا ہے..... پولیس ہیڈ کوارٹر

ہی سے آپ کے پیچھے چل پڑا تھا۔“

”ادمانی گاڑی..... اس وقت تو چوٹ ہو گئی..... میں واقعی کسی تعاقب کا اندازہ نہیں لگا سکا۔“

”سر ہم دونوں اس کے پیچھے تھے۔“

”کیا اس نے کوئی کوشش کی اس سلسلے میں۔“

”ہاں نہیں..... بس وہ آپ کا تعاقب کر رہا ہے..... آپ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔“

”ایک بات بتاؤ توصیف، کیا وہ ڈی آئی جی صاحب کے بنگلے پر بھی گیا تھا۔“

”پیچھے چوبیس گھنٹوں سے وہ میری نگاہوں کے سامنے ہے اور کہیں بھی نہیں گیا وہ

آپ کا تعاقب کرتا رہا ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے جناب، وہ آپ کے معمولات

پہلے رہا ہے کہ آپ کہاں کہاں آتے جاتے ہیں..... کس وقت آفس سے نکلتے ہیں اور

بنت کیا کرتے ہیں..... ابھی تک میں نے اسے ان ایکشن نہیں دیکھا۔“

”ہوں..... تم لوگ خیریت سے ہونا۔“

”جی سر۔“

”اوکے بھئی..... اب میری فکر مت کرو..... لیکن چینا پر پوری نظر رکھی جائے.....

بچوں گا کہ وہ کیا کیا کر رہا ہے۔“

”بہتر جناب۔“ توصیف نے جواب دیا اور شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا..... وہ پر خیال

ہوں سے بینا کو دیکھ رہا تھا۔

”جنانے بھی یہ گفتگو سنی تھی وہ اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی پھر بولی۔

”ہو سکتا ہے ڈی آئی جی صاحب پر حملہ کرنے کے لئے کسی دوسری ٹیم سے رابطہ کیا

ہو۔“

”ہاں ہو سکتا ہے..... ویسے بینا اس سلسلے کے پہلے کھیل کا آغاز کر چکا ہوں میں اور اب

کے لئے انتظار کر رہا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”رمضان خان تو یاد ہے تمہیں۔“

”جیل کا ٹھیکیدار۔“

”ہاں۔“

”وہ تو ہماری تحویل میں ہے۔“

”بینا اسے چھوڑ دیا گیا ہے اور اب وہ جو کچھ کرے گا وہ بڑا سنسنی خیز ہو گا..... میں اپنے

شرطے کی کامیابی کا منتظر ہوں اور اس سے آگے کے بارے میں صحیح انداز سے قائم کئے

گئے۔“

”ہوں..... کیا مشن ہے اس کا۔“

”بینا..... ڈاکٹر حیات کے بارے میں رمضان خان جذباتی ہو گیا ہے..... اسے اپنے جرم کی سنگینی کا شدید احساس ہو رہا ہے اور امکان اس بات کا ہے کہ اس کا ضمیر واقعی جاگ اٹھے..... ڈاکٹر حیات کو سبق اسی کے ہاتھ ملنا چاہئے تھا، تو یہ کوشش کر ڈالی ہے میں نے نتیجے کا منتظر ہوں۔“

”یعنی تمہارے خیال میں وہ۔“

”بھئی ایک کام کیا ہے..... مہرا آگے بڑھایا ہے..... دیکھتے ہیں کس حد تک کامیابی حاصل ہوتی ہے..... اس کے علاوہ بینا جو اہم مسئلہ ہے اب اس کا آغاز کرتے ہیں۔“ شہاب نے مختصر آئینا کو ڈیل او گینگ کے ممبروں کی کارروائی کی تفصیل بتائی اور پھر ایک چھوٹا سا پروجیکٹر نکال کر اسے آن کر دیا..... سامنے ایک اسکرین رکھا گیا تھا..... یہ ان ویڈیو کیمروں سے بنائی گئی فلم کا پورا پورا اس تھا، تھوڑی دیر کے بعد اسکرین پر روشنی نظر آنے لگی اور پھر ساری تفصیل نگاہوں کے سامنے آتی چلی گئی..... شہاب ان لوگوں سے ویڈیو وصول کر کے سیدھا کریم سوسائٹی کو بھی آیا تھا اور اس نے بینا کو طلب کر لیا تھا، اپنے اس نظریے کے مطابق وہ آگے کے سارے معاملات میں بینا کا مشورہ بھی چاہتا تھا لیکن اس اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں دیکھ کر اچانک ہی وہ شدت حیرت سے اُچھل پڑا تھا، اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں ان تینوں کو دیکھ رہی تھیں جو پادری کے سامنے بیٹھے ہوئے اس سے باتیں کر رہے تھے..... ان کی آواز کانوں تک نہیں آرہی تھی لیکن پادری اور اس کے بعد وہ تینوں؟“

شہاب سکتے کی سی کیفیت میں تھا، جب کہ بینا ابھی صورت حال تو سمجھ نہیں پائی تھی..... شہاب کی تیز نگاہوں نے ایک لمحے کے اندر اندر وہ چہرے پہچان لئے تھے جن کا تعلق ایک غیر ملکی کمپنی سے تھا اور جن کی موت تسلیم کر لی گئی تھی..... شہاب کا ذہن بڑی طرح چکر ا رہا تھا، یہ اتنا ہولناک منظر تھا، اس کے لئے کہ صحیح معنوں میں اس کی کھوپڑی گھوم کر رہ گئی تھی، بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، یہ تو وہی تینوں مقتول تھے جو ٹرک کے حادثے میں ہلاک ہوئے تھے..... وہ زندہ سلامت ہیں اور پھر شہاب کے ذہن کی چرخی چلتی چلی گئی۔

ویڈیو چل رہی تھی، بینا اس پر مکمل غور کر رہی تھی، لیکن شہاب کا ذہن ہواؤں میں اڑ رہا تھا..... اس کا ذہن خود اس پر انتہائی خوفناک اور سنسنی خیز انکشافات کر رہا تھا..... کافی دیر

طرح گزر گئی، تو بینا نے کہا۔

”خیریت۔“ کون ہیں یہ لوگ۔

”بینا بڑی سنسنی خیز بات ہے..... ایسی کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکے، ان تین افراد کو دیکھ کر یہ تو یوں لگتا ہے جیسے ایک حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں اور ایک کمپنی ان کے لئے بڑی لے کر چلی ہے..... اف میرے خدا..... مگر ٹھیک تو ہے..... بات کسی چھوٹے موٹے مجرم کا نہیں ایک انٹرنیشنل گینگ اس سلسلے میں کام کر رہا ہے..... بہت بڑے بڑے دماغ مصروف ہیں اور اب تو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ بات صرف ان پانچوں کی نہیں ہے بات سمجھ میں آرہی ہے، یعنی یہ کہ یہ لوگ باڑی کے حادثے کے بعد سنڈیکیٹ کے لئے قابل اعتماد نہیں رہے اور میرے لوگوں کو یہاں بھیجا گیا ہے..... ویری گڈ بینا..... ویری گڈ..... اس کا مطلب ہے کہ یہ سنسنی خیز صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”بینا اگر میں اس سلسلے میں دُور نکل جاؤں اور دُنیا کے مختلف ملکوں میں جا کر کام رواں تو کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گی۔“ بینا کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا تھا، کچھ لمحے وہ سوچتی رہی..... شہاب کو دیکھتی رہی..... پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں۔“ لیکن اس ہاں میں جو کیفیت چھپی ہوئی تھی، شہاب کے دل پر بری طرح بارگاہی تھی اور شہاب دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا تھا، پھر اس نے مسکرا کر کہا۔

”خیر..... شیخ چلی کے خواب تو مشہور ہیں، لیکن بینا بڑی سنسنی خیز بات ہے، یہ تینوں اس بلائے کے باوجود زندہ ہیں..... ان تینوں کی لاشیں ایک کار میں جل کر خاکستر ہو گئی تھیں اور اُن کے کافی وقت کے بعد یہ لوگ اس پادری نما شخص سے بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔“

”کیا؟“ بینا اُچھل پڑی۔

”ہاں بینا..... اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کوئی اور لوگ تھے، ادھر میرے خدا..... گویا بینا کی رپورٹ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی نکلی..... وہ اس کا مطلب ہے کہ تقدیر ماتھ دے رہی ہے، وقت میرے ہاتھوں کچھ کرانا چاہتا ہے۔“

”میں اگر کچھ سمجھ پاتی تو بات کرتی۔“

”بینا تمہیں سمجھانے کے لئے تو میں نے یہاں بلایا ہے۔“ اور اس کے بعد شہاب نے ہٹائے بارے میں ساری تفصیل بتائی جو پائسل کی محبوبہ تھی..... پھر جان کے بارے میں اور

اس کے بعد بولا۔

”اور تیسرا آدمی رہ گیا ہے، جس کے بارے میں تفتیش کرنا ہوگی۔“

”مطلب۔“

”مطلب یہ کہ بے چاری رینا کو یہ دردناک خبر شاید مجھے ہی دینی پڑے گی کہ پائل اور جان اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور ان کا تیسرا ساتھی بھی اور ان کی موت کی وجہ اوہ میرے خدا..... اوہ میرے خدا۔“

شہاب اپنی سوچوں کے جال میں گرفتار تھا، بہت دیر تک وہ بیٹنا سے باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔

”بیٹنا بڑے ہنگامی حالات میں کام کرنا پڑے گا اور یہ بات تو طے ہے کہ بات اب شہاب کے بس کی نہیں ہے، بلکہ شہنشاہ کو اپنا کام شروع کرنا پڑے گا۔“

”میں صرف ایک بات کہہ دیتی ہوں شہاب اس بات کو آپ ذہن میں رکھیے گا۔“

”ارے باپ رے کیا خوفناک لہجہ ہے۔“

”ہاں ہے..... بجائے اس کے کہ میں آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے پیچھے آپ کی اجازت کے بغیر نکلوں..... آپ کو اپنا خیال رکھنا ہوگا، اپنا تحفظ کیجئے گا۔“ شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا..... آپ کو اس سلسلے میں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ بیٹا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔



ڈی آئی جی نادر حیات نے یہ خبر سنی اور شدت حیرت سے گنگ رہ گئے..... شہاب نے جس طرح ڈاکٹر حیات کے سلسلے میں انہیں اطلاع دی تھی اس کے بعد یہ خبر ان کے لئے انتہائی سنسنی خیز تھی..... خبر دینے والے سے وہ مکمل تفصیلات معلوم کرتے رہے اور پھر انہیں چکر سے آنے لگے..... ظاہر ہے انہوں نے بھی کوئی معمولی سی زندگی نہیں گزاری تھی..... انسپٹر جنرل کے عہدے تک پہنچنے کے لئے، جیسے جیسے مراحل سے گزرنا پڑا تھا اس کے بارے میں کہنا ہی بے مقصد تھا..... لیکن بہر حال ان ساری باتوں میں یہ بات انتہائی کوشش کے باوجود ان کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ رمضان خان کہاں سے آگیا اور اس نے یہ سب کچھ کیسے کر ڈالا..... شہاب سے تو اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی، یا اگر ہوئی بھی ہوگی تو ان کے ذہن سے نکل گئی، بہت دیر تک تو وہ چکرائے ہوئے بیٹھے رہے اور اس کے بعد انہوں نے شہاب کی تلاش شروع کر دی، لیکن شہاب اس وقت انہیں حاصل نہیں ہو سکا تھا، پھر وہ اپنے ماتحت عملے کو اس بارے میں ہدایت دے کر خود اپنے آفس سے باہر نکل آئے اور پھر وہاں سے ہسپتال پہنچ گئے..... ڈاکٹر حیات کے کلینک کے سامنے پولیس کی موبائل موجود تھی..... ڈی آئی جی صاحب بنفس نفیس وہاں پہنچے تھے اور وہاں ایک دم ہنگامہ سا ہو گیا تھا، ویسے ہی صورت حال عجیب و غریب ہو گئی تھی..... پھر متعلقہ محکموں کو ہدایت دی گئی اور اس کے بعد ڈاکٹر حیات کا پورا کلینک پولیس کی تحویل میں آگیا..... تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا تھا، البتہ ڈاکٹروں کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ مریضوں کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کریں..... ڈاکٹر حیات کی لاش کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا اور گرفتار رمضان خان کو بھی ابھی یہیں رکھا گیا تھا..... جب تک کہ اعلیٰ حکام سے صحیح احکامات نہ مل جائیں۔

”قتل کر دیا۔“

”جی سر اور اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔“

”مگر کیسے..... تم کہہ رہے ہو کہ وہ تمہاری تحویل میں تھا۔“

”اس کا برین واش کیا گیا ہے سر..... اب ڈاکٹر حیات جیسے جرائم پیشہ لوگ میرے وطن کے مخلص لوگوں کو دھمکیاں دینے لگیں اور انہیں ان کی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کریں تو کم از کم میں ایسے لوگوں کی زندگی برداشت نہیں کر سکتا..... ڈاکٹر حیات نے مال شاہ کا سہارا لے کر آپ کی جو توہین کی سر وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھی..... میں نے کچھ نہیں کیا، جمال شاہ صاحب یہ الزام کسی پر نہیں لگا سکتے۔“

رمضان خان نے اپنے جذباتوں کے تحت اسے قتل کیا ہے اور قتل کا اعتراف بھی ملے گا، اس کے فرشتے بھی یہ بات کسی کو نہیں بتا سکیں گے کہ وہ کس کی قید میں تھا..... لہذا اس کا تو وہ تذکرہ ہی نہیں کرے گا، آپ اطمینان رکھیں۔“

”مگر کیسے..... کیوں۔“ کچھ نہ کچھ تو بتائے گا وہ؟“

”نہیں بتائے گا جناب..... اسے آپ میری ذمہ داری پر چھوڑ دیجئے۔“

”شہاب کیسے ہو گا آخر، یہ کیسے ہو گا، تم کرو گے کیا آخر۔“

”نہیں سر..... آج تک آپ کو میرے سلسلے میں کہیں کوئی جواب دہی کرنی پڑی ہے..... انشاء اللہ اب بھی نہیں کرنی پڑے گی، یوں سمجھ لیجئے ہم ان تمام معاملات سے بری ذمہ ہیں اور ہم پر کوئی کارروائی لاگو نہیں ہوتی۔“

نادر حیات صاحب گردن جھٹکنے لگے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

”خدا تمہیں نظر بد سے بچائے، شہاب اتنی بنگامہ آرائی نہ کرو کہ تمہارے دشمن تمہارے خلاف زندگی اور موت کا فیصلہ بنالیں۔“ جواب میں شہاب کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”سر، یہ تو میرا آبائی پیشہ ہے..... آپ کو یقینی طور پر اس بات کا علم ہو گا کہ خاقب علی صاحب سچ کے راستوں کے شہید ہوئے، سر یہ سچ تو میرے خون میں شامل ہے، ابھی تو وہ سہاگہ..... سر آپ دیکھئے ایک ایک کر کے یہ لوگ اسی طرح ختم ہو جائیں گے اور کوئی بچا کر بھی ہمارے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکے گا۔“

نادر حیات صاحب اُلجھے ہوئے تھے کہ آخر شہاب کہاں ہے اور یہاں کیوں نہیں ہے؟ لیکن اس وقت جان بوجھ کر انہوں نے شہاب کے معاملے میں کسی بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور پھر ضرورت کی تمام کارروائیاں ہوئیں اور پھر اس کے بعد لاش کو وہاں سے اٹھوا لیا گیا، لاش تو پولیس ہسپتال پہنچا دی گئی۔ ڈاکٹر حیات کے اہل خانہ کو اطلاع کر دی گئی اور ایک کھرام مچ گیا۔ پولیس کو دھمکیاں دی جانے لگیں..... ڈی آئی جی صاحب نے اپنے آفس پہنچنے کے بعد اپنی کارروائیاں شروع کر دیں، ویسے اس وقت انہوں نے جمال شاہ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا، یہ عہدے کی توہین تھی اور کم از کم وہ اپنے عہدے کی توہین اپنے آپ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ بار بار ان کا ذہن شہاب کی طرف جا رہا تھا..... پھر شہاب کو کہیں سے اس بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور وہ خود ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ ڈی آئی جی صاحب نے شہاب کو دیکھا اور ان کے چہرے پر شدید سنسنی پھیل گئی، بمشکل تمام انہوں نے اس کے لئے موقع نکالا تھا اور شہاب جب ان کے آفس میں داخل ہوا تو اس کے ہونٹوں پر ایک مٹی نر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”مجھے یقین ہے کہ تم مجھ پر کم از کم اتنا اعتبار ضرور کرو گے کہ مجھے حقیقت بتا دو۔“

”سر آپ میرے لئے بہت بڑی حیثیت کے حامل ہیں۔“

”یہ رمضان خان کہاں سے آگیا۔“

”سر وہ میری تحویل میں تھا۔“

”مگر وہ تو ملک سے باہر چلایا تھا۔“

”وہ نہیں گیا تھا سر۔“

”میرے علم میں یہی بات ہے۔“

”بالکل صحیح آپ کے علم میں یہ بات ہے..... ڈاکٹر حیات اور دوسرے افراد نے اسے ملک سے باہر نکال دیا تھا، لیکن میں نے اس کی جگہ ایک اور شخص کو میک اپ کر کے بھیج دیا تھا اور اسے اپنی قید میں رکھا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ میرے کام آسکے۔“

ڈی آئی جی صاحب نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے اور بات جب ان کی سمجھ میں آئی تو ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر انہوں نے کہا۔

”تمہارے علم میں ہے کہ رمضان خان نے ڈاکٹر حیات کے کلینک میں داخل ہو کر

نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر پھینکی سی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر انہوں نے کہا:
 ”بڑی وحشت خیزی تھی اس کے انداز میں لوگوں نے تفصیلات بتائی ہیں، مگر انہیں
 بھی ایک تفصیلات سن کر بدن میں جھرجھری آجاتی ہے۔“
 ”رمضان خان کی بات کر رہے ہیں سر۔“
 ”ہاں۔“

”انسان کا ضمیر جب جاگتا ہے تو وہ اپنے قابو میں نہیں رہتا۔۔۔۔۔ رمضان خان کے راتو
 بھی یہی ہوا ہے سر اور یہ کوئی ایسا مشینی عمل نہیں تھا جس کے تحت اس نے یہ سب کچھ کیا
 ہے، وہ سوچنے سمجھنے کے بعد ان تمام باتوں پر آمادہ ہوا تھا۔“
 پھر رات گئے، جمال شاہ صاحب کا فون ڈی آئی جی صاحب کو موصول ہوا تھا۔
 ”تو ڈاکٹر حیات قتل ہو گیا۔“

”جی سر۔۔۔۔۔ میں آپ کو اس بارے میں اطلاع دینے ہی والا تھا۔“
 ”حالانکہ ڈی آئی جی صاحب، میں نے آپ سے اس کے بارے میں کہا تھا۔“
 ”سر آپ کے حکم کی ذرہ برابر خلاف ورزی نہیں ہوئی لیکن کیا کیا جاتا اس بات کو کہ
 ڈاکٹر حیات صاحب نے سیکورٹی قبول نہیں اور نہ ہی صحیح بیانات دیئے۔ رمضان خان کے
 بارے میں وہ اگر یہ بات ہمیں بتا دیتے کہ رمضان خان یہاں موجود ہے تو ہم پہلے رمضان
 خان کو اپنے جال میں پھانتے۔“
 ”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ شہاب ثاقب کو میں نے اس سلسلے میں مکمل طور سے وارنٹک دے دی
 تھی اور کہا تھا کہ ڈاکٹر حیات کا کیس اپنے ذہن سے خارج کر دے اور اس سلسلے میں کچھ بھی نہ
 کرے۔۔۔۔۔ بہر حال میرے احکامات تھے، وہ ٹال تو نہیں سکتا تھا اس کے بعد میں نے ڈاکٹر
 حیات صاحب سے رابطہ بھی قائم کیا تھا اور کہا تھا کہ اب جب کہ مجھے اوپر سے ہدایت مل چکی
 ہیں تو یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں ان کا تحفظ کروں اور اس کے لئے میں کچھ لوگوں کو ان کے
 متعین کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حیات صاحب نے بڑی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ
 ”میں صرف اس منہ زور گھوڑے کو روکوں، جس کا نام شہاب ثاقب ہے۔۔۔۔۔ باقی کسی کی ڈاکٹر
 حیات کو پروا نہیں ہے۔۔۔۔۔ سر مسئلہ تو وہی ہوا کہ انہوں نے ہمیں اعتماد میں لینا پسند نہیں

کہا، ورنہ اگر رمضان خان۔“
 ”رمضان خان نے بیان دے دیا ہے۔“
 ”ابھی نہیں سر۔۔۔۔۔ لیکن اگر آپ پسند کریں تو۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ یہ انتظامات کرو کہ رمضان خان میرے سامنے بیانات دے اور جمال شاہ
 صاحب کا حکم تھا بھلا کس کی مجال تھی کہ انکار کرتا۔ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں بالکل عام انداز
 میں پہنچے تھے۔ پروٹوکول کے بغیر اور ان کا وہاں نہایت خاموشی سے استقبال کیا تھا، ڈی آئی جی
 صاحب خود اس میں پیش پیش تھے اور جمال شاہ کے سامنے رمضان خان کا بیان لیا گیا تو
 رمضان خان اپنے مخصوص انداز میں بولا۔“

”خود سوچو افسر صاحب ٹھیکیداری کرتے تھے اور یہ جو ڈاکٹر تھا اس کا کوئی احسان نہیں
 تھا، ہم پر، کوئی ہم نے اس سے لیا دیا نہیں تھا ارے بابا مریض کی حیثیت سے پہنچتے تھے اس کے
 ہسپتال میں اور اس کے بعد سے یاری دوستی ہو گئی تھی، لینے میں نہ دینے میں شیطان کی طرح
 بہکایا کجنت نے ہمیں۔۔۔۔۔ چوبیس بندے مارے گئے ہمارے ہاتھوں سے چوبیس۔۔۔۔۔ ارے
 کہاں تک ہم اپنی اس چھاتی کو دھوکا دیتے۔۔۔۔۔ کہاں تک اپنے آپ سے یہ کہتے کہ کوئی بات
 نہیں ہے رمضان خان۔۔۔۔۔ کجنت نے سب سے دور کر دیا تھا، ملک سے باہر بھگایا۔۔۔۔۔ پتا نہیں
 کون اللہ کا بندہ تھا۔۔۔۔۔ جس نے ہمیں روک دیا اور اس کے بعد بھلا اس کے سوا اور کیا چارہ کار
 تھا کہ ہم اسے ہی ختم کر دیتے۔۔۔۔۔ چوبیس آدمیوں کے قاتل ہیں ہم اب پچیس کے ہو گئے
 بس۔۔۔۔۔ مرضی مالک کی، کیا کر سکتے ہیں۔“

”تم نے ابھی ایک جملہ کہا تھا کہ کسی اللہ کے بندے نے روک دیا۔“
 ”دیکھو بھائی جتنا کہہ دیا تو تھوڑے کہے کو بہت جانو اور ہم سے بک بک بند کرو۔۔۔۔۔ ارے
 تم ہو۔۔۔۔۔ یہ ہے اور یہ سارے ہیں ان میں سے کون ہماری زندگی بچا سکتا ہے۔۔۔۔۔ پچیس آدمیوں
 کے قاتل کو موت کی سزا ہی ملے گی نا۔۔۔۔۔ پھر ہم کیوں تمہاری غلامی کریں۔۔۔۔۔ تمہارے باپ
 کے نوکر تو نہیں ہیں بس جتنا بتانا تھا تمہیں بتادیا۔۔۔۔۔ جو کام ہم نے کیا ہے اس کا اعتراف کر لیا،
 بڑا کیا ہماری مرضی۔۔۔۔۔ بس فالتو باتیں نہیں کرنا ہم سے ہاں۔۔۔۔۔ اب ہم ایک لفظ نہیں بولیں
 سگے“ اور پھر واقعی رمضان خان نے اپنے منہ سے مزید کوئی لفظ ادا نہیں کیا تھا۔

راحیل رضا خود مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی پہنچ گیا تھا، ان لوگوں نے کبھی منظر عام پر آکر ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کی تھی..... ویسے شہر کے بڑے لوگوں کی حیثیت سے مختلف تقاریب میں ان کی آپس میں ملاقاتیں ہو جایا کرتی تھیں، لیکن وہاں صرف وہ صرف شناساؤں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے تھے، کبھی انہوں نے کسی پبلک مقام پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کے آپس میں کچھ تعلقات ہیں..... بس رسمی سی سلام دعا، جو ایک سطح کے لوگوں میں ہو جاتی ہے، کسی کے کسی سے گھریلو تعلقات نہیں تھے..... ہاں خفیہ طور پر وہ ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے تھے اور اس وقت گہری دوستی کا اظہار ہوتا تھا لیکن راحیل رضا اس وقت بے دھڑک اپنی کار میں مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا اور مرزا اعظم بیگ اسے دیکھ کر بری طرح چونک پڑا تھا..... بچے گھر میں نہیں تھے..... سب اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مصروف تھے..... صدف بھی کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی..... راحیل رضا کو کار سے اتارنے دیکھ کر اعظم بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، بہر حال اس نے آگے بڑھ کر راحیل رضا کا استقبال کیا تھا۔

”مصرفیت تو نہیں ہے۔“ راحیل رضا نے کہا۔

”ہم مگر تم اس طرح یہاں۔“

”یار بس یہ طے کر لیا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے رابطے کے سارے سلسلے ختم کر دیے جائیں، تمہارے علم میں کوئی بات آئی۔“

”کیا؟“ مرزا اعظم بیگ نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

”چلو تو سہی..... یہاں کھلے عام۔“

”ہاں آؤ..... مجھے تو حیرت ہے کہ تم اس طرح آگئے۔“ مرزا اعظم بیگ اسے اپنے ساتھ لے کر کوٹھی کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گیا، جہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی، پھر انہوں نے راحیل رضا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

”کوئی منحوس ہی خبر سنانا چاہتے ہو شاید۔“

”نحوس تو اب ہم لوگوں کی تقدیر کا ایک حصہ بن گئی ہے۔“

”ہو اکیا یا ر جلدی بتاؤ..... میرا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔“

”ڈاکٹر حیات قتل کر دیا گیا۔“ راحیل رضا نے کہا اور مرزا اعظم بیگ پر جیسے سکتا

ٹھاری ہو گیا..... اس کے منہ سے دیرینک کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راحیل رضا کو دیکھتا رہا تو راحیل رضا نے کہا۔

”ہوش و حواس قابو میں رکھو گے، مرزا اعظم بیگ ہم لوگ جس سنگین صورت حال سے دوچار ہیں اس میں ہمارے ہوش و حواس ہی ہمارے معاونت کر سکتے ہیں، ورنہ سمجھ لو کہ بے موت مارے جائیں گے۔“

راحیل رضا کے الفاظ پر مرزا اعظم بیگ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”مگر کیسے..... کس نے قتل کیا؟“

”رمضان خان نے۔“ راحیل رضا نے جواب دیا۔

”کون رمضان خان۔“

”جیل کا ٹھیکیدار۔“

”کیا کہہ رہے ہو یار، اسے تو ڈاکٹر حیات نے ملک سے باہر بھگا دیا تھا۔“

”وہ کب واپس آیا اس نے کب ایسا کیا..... کچھ نہیں معلوم..... ڈاکٹر حیات کی لاش اس

بات پولیس ہسپتال میں ہے، ابھی اسے اس کے ورثاء کے حوالے نہیں کیا گیا ہے۔“

”تمہیں یقین ہے۔“

”کمال کرتے ہو..... یقین نہ ہوتا تو میں اتنی خوفناک خبر تمہیں دیتا اور اس کے باوجود

یقین کرنے یا نہ کرنے کی بات ہے تو خود باہر نکل کر اندازہ لگا لو۔“

”نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے..... ظاہر ہے تم تحقیق کے بعد ہی مجھے اس بارے میں

بتا رہے ہو گے۔“

”میں سخت پریشان ہوں اعظم بیگ، یہ سب کچھ معمولی نوعیت کا حامل نہیں ہے، اس

کے پس پردہ بہت ہی اہم معاملات ہیں۔“

”مثلاً“

”اب ظاہر ہے اتنا کچھ معلوم ہوتا تو میں اس سلسلے میں تم سے رجوع کرتا۔“

”مگر بھائی اب ہو گا کیا؟“ مرزا اعظم بیگ نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”لگتا تو یوں ہے جیسے سنڈیکیٹ خود ہی ہمیں ختم کرنے پر تل رہی ہے..... سنڈیکیٹ

ساتھ تینوں نمائندے بھی ہلاک ہو گئے اور اس کے بعد مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے رمضان خان

داخل ہو گئے۔
مرزا اعظم بیگ اس وقت پر سکون تھا..... اپنی جگہ سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھا ہوا سوچ
بڑا ہوا تھا، ان دونوں کو دیکھ کر اچھل پڑا..... پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”جاگ رہے ہو تم دونوں۔“

”ہاں ڈیڈی۔“ طاہر بیگ نے کہا۔

”میری وجہ سے پریشان ہو گے۔“

”جی ڈیڈی۔“ صدف بولی۔

”بھئی تم لوگوں نے کچھ ضرورت سے زیادہ میری فکر شروع نہیں کر دی ہے۔“

”جی ہاں ڈیڈی کر دی ہے۔“

”بھئی ایسا نہ کرو..... میں تم سے تعاون کر تو رہا ہوں ہر طرح کا۔“

”ڈیڈی کیا بات ہوئی تھی، کس بات نے آپ کو اس قدر ہراساں کر دیا تھا؟“ صدف

پکی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ پھر بری طرح چونک پڑی۔

”ارے آپ کو تو شدید بخار ہے۔“

”خوف سے بخار آ گیا ہے بیٹے..... مجھے احساس ہے دروازہ بند کر دو۔“

طاہر بیگ نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا تھا..... ”ہمیں احساس ہو گیا تھا ڈیڈی، لیکن ظاہر

بہم دونوں کسی کے سامنے آپ سے کوئی سوال نہیں کر سکتے تھے، کیا خوف آپ کے دل

ہاگزین ہو گیا ہے۔“

”بیٹے ڈاکٹر حیات کو قتل کر دیا گیا ہے۔“

”کیا ڈیڈی..... انکل حیات کو!“

”ہاں۔“

”مگر..... کک..... کک..... کس نے۔“ صدف حیرت سے بولی۔

”گناہ تو ہم سب کا مشترک ہے اور مشترک نہیں بھی ہے، بس یہ سمجھ لو کہ ایک

انسانی کیفیت تھی، میں تمہیں بتاتے ہوئے بھی شرمندہ ہوتا ہوں بس یوں سمجھ لو بیٹے۔

پانچ افراد شدید عتاب کا شکار ہیں..... رمضان خان نامی ایک شخص جس نے جیل میں

ننانو کو زہریلی خوراک دی تھی اور جسے ملک سے باہر بھگادیا گیا تھا واپس آیا اور اس نے

کو کہیں نہ کہیں سے تلاش کر کے سنڈیکیٹ نے یہاں بھجوایا اور ڈاکٹر حیات کو قتل کر دیا
ہو سکتا ہے کچھ دوسرے ذرائع سے ہمیں بھی ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے۔“

مرزا اعظم بیگ کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

”سن رہے ہو۔“ راجیل رضانے کہا۔

”ہاں میں سن رہا ہوں۔“

”میں جا رہا ہوں..... بہتر یہ ہے کہ تم بھی حفاظتی انتظام رکھو..... ہم سنگین ترین

صورت حال سے دوچار ہیں، او۔ کے“ راجیل رضا چلا گیا لیکن مرزا اعظم بیگ بہت دیر تک

اس طرح پتھر لیا ہوا بیٹھا رہا تھا، وہ شدید ذہنی انتشار کا شکار نظر آ رہا تھا، چہرہ بری طرح سرخ تھا

اور بدن پر ایک تھر تھری سی طاری تھی، اس وقت مرزا اعظم بیگ اندر داخل ہوا۔ باپ کی یہ

کیفیت دیکھی تو چونک پڑا..... دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا اور مرزا اعظم بیگ کو دیکھتا ہوا

بولا۔

”ارے ڈیڈی کیا بات ہے، خیریت کیا ہو گیا آپ کو۔ ڈیڈی کیا بات ہے۔“

مرزا اعظم بیگ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خوف سے کپکپاتی آواز میں بولا۔

”کچھ نہیں اطہر، بس بیٹھے بیٹھے طبیعت خراب ہو گئی ہے۔“ اطہر بیگ چیخنے چلانے

لگا..... تمام گھر کے لوگ جمع ہو گئے تھے، فوری طور پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا اور سب لوگ مرزا

اعظم بیگ کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

دونوں بڑے بیٹوں کو صورت حال کا بالکل علم نہیں تھا، وہ بس یہی سمجھتے تھے کہ باپ

کی طبیعت بیٹھے بیٹھے بگڑ گئی ہے..... فیملی ڈاکٹر آیا، دیکھ بھال کی اور تشویش کا اظہار کرنے

ہوئے بولا۔

”کسی صدمے یا ٹینشن کا اثر ہے، خوف یا کسی قسم کی گھبراہٹ کے احساس نے یہ کیفیت

پیدا کر دی ہے..... میں دوائیں دے رہا ہوں آپ انہیں مسلسل آرام کرنے دیں، طبیعت

بہت بہتر ہو جائے گی۔“

پھر مرزا اعظم بیگ کو خواب آور دوائیں دے کر سلا دیا گیا لیکن صدف اور طاہر

تشویش کا شکار تھے، انہیں صورت حال کا اندازہ تھا اور ان کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ

کوئی گڑبڑ ہے..... رات کو ساڑھے بارہ بجے دونوں خاموشی سے مرزا اعظم بیگ کے کمرے

ڈاکٹر حیات کو قتل کر دیا۔“

”اوہ مگر ڈیڈی کیا اس نے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بیان دے دیا، آپ پانچوں کے خلاف۔“
”نہیں جاہل سا آدمی ہے، ٹھیکیدار ہے، ہم پانچوں کو نہیں جانتا، کیونکہ یہ کام اسے
ڈاکٹر حیات نے دیا تھا۔“

”اور وہ گرفتار ہو گیا۔“

”ہاں اس نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔“

”کیا اس نے کوئی ایسا ہی بیان دیا ہے۔“

”بتا دیا ہے اس نے کہ جیل کے قیدیوں کو اس نے زہر دیا تھا۔ ڈاکٹر حیات کے کہنے
پر..... ظاہر ہے اس سے زیادہ وہ خود بھی نہیں جانتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ باہر سے
واپس کیسے آیا۔“

”وہ جیسے بھی آیا ڈیڈی آپ کو اس سلسلے میں کیا پریشانی ہے۔“

”ہے نا بیٹے پریشانی ہے۔“

”کیا ڈیڈی؟“

”بھئی اب میں تمہیں کیا بتاؤں، بعض پریشانیوں کے لئے الفاظ نہیں ہوتے، کوئی نام
نہیں ہوتا بس انسان پریشان ہو جاتا ہے۔“

”ڈیڈی آپ خود کو سنبھالیں گے نہیں۔“

”بیٹا اب مجھ سے یہ بات مت کہو، مجھے عجیب سا محسوس ہوتا ہے، گناہ میرا ہے پریشان
تم لوگ ہو، اپنے گناہ کے لئے میں تم لوگوں کو اور پریشان نہیں کرنا چاہتا ہے مکی اور فضل
باتیں کروں یہ مجھے اپنے گناہوں کا شدید احساس ہے اور میں نے اپنے آپ کو تقدیر کے
حوالے کر دیا ہے..... تقدیر میں اگر کوئی ایسی ہی بات لکھی ہوئی ہے تو بیٹے تو نہ تم اسے
ٹال سکتے ہو اور نا ہی میری کوششیں کامیاب ہو سکتی ہیں..... پلیز مجھے دوہری مشکل کا شکار
مت کرو اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری وجہ سے تمہاری نیک نامی بھی مجروح ہوگی تو میں
روپوش ہو جاتا ہوں۔“

”ڈیڈی ایسا نہ سوچیں آپ، ہمیں کچھ کر لینے دیں..... آپ کا سارا مسئلہ بالکل درست
ہے..... ہم آپ کو اس سلسلے میں کوئی ایسی سرزنش کریں گے، وہ بات تو ختم ہو چکی ہے، میں

شباب ثاقب سے ملتی ہوں، بیٹا بڑی اچھی خاتون ہیں..... بڑا اچھا رویہ اختیار کیا اور آپ
کچھ لیجے ڈیڈی کہ آپ کے بارے میں مکمل انکشاف ہونے کے باوجود شہاب نے آپ پر
نہیں ڈالا..... بیٹا کچھ نہ کچھ ضرور کریں گی آپ بالکل مطمئن رہیں..... سکون سے
سوائس کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔“

”ٹھیک ہے کوشش کرو بیٹا..... اصل میں ضمیر پر بھی بوجھ ہے نا اور یقین کرو اگر تم
اس کا احساس نہ دلاتے تو شاید اپنے آپ کو ضمیر کی گرفت میں نہ لاسکتا میں، کیونکہ
میں ہی سب سے بڑا محاسب ہوتا ہے اس کے ہاتھوں فیصلے ہوتے ہیں اور اس فیصلے کے
ختم نے مجھے احساس کی عدالت میں لا کھڑا کیا ہے۔“

”ہم اس پر بالکل شرمندہ نہیں ہیں ڈیڈی، آپ کو احساس کی عدالت میں آنا ہی چاہئے
ناں سے اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو..... اتنا ضرور ہوا ہے کہ آپ کے ہاتھوں جن لوگوں کو
نشان مزید پہنچنا تھا شاید وہ اس نقصان سے محفوظ رہیں..... ویسے ڈیڈی آپ کو یہ اطلاع
بال سے ملی۔“

”انہی لوگوں میں سے ایک نے مجھے یہ اطلاع دی ہے..... راجیل رضا کا نام تمہارے علم
میں ہے۔“ صدف کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی..... اس نے کہا۔

”اے کاش، ان لوگوں سے اب میں آپ کا رابطہ مستقل طور پر ختم کر سکتی۔“

”اس حد تک آگے نہ بڑھنا صدف..... مجھے بے وقوف نہ سمجھو..... میں نے اپنے
پ کو تمہاری خواہش پر تمہاری تحویل میں دے دیا ہے لیکن اتنے سنگین حالات ہیں کیسے
شک لوگوں سے واسطہ ہے تم تصور بھی نہ کر پاؤ گی، یہ انٹرنیشنل گروہ ہے بچوں کی سی کوئی
انت نہ کر بیٹھنا..... ساری باتیں اپنی جگہ میں اس کے لئے تمہیں سختی سے ممانعت کرتا
ہوں..... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ یہ بھیانک لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں۔“
”نہیں ڈیڈی آپ اطمینان رکھئے اور ایسے کسی خوف کا شکار نہ ہوں..... میں کوئی احمقانہ
کار نہیں کروں گی آپ مطمئن رہیں۔“

”بال جیسا تم کہہ رہی ہو نا کہ ان لوگوں سے میرا پیچھا چھڑا سکتیں تو میں نے سوچا کہ
تم کسی سے کوئی گفتگو کرنے نہ بیٹھ جاؤ، کسی کو برا بھلا کہنا نہ شروع کر دو۔“ صدف نے
ناتواؤں اور کہا۔

”آپ اطمینان رکھئے میں ایسا نہیں کروں گی، لیکن بہر حال آپ کو اس وقت تک حوصلہ نہیں ختم کرنا چاہئے جب تک ہم اپنی ناکامی کا اظہار نہ کر دیں۔“

”خیر انسان ہوں..... خوف تو انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے، خوفزدہ ہو گیا تھا۔“

”جانتی ہوں ڈیڈی..... آہ کاش آپ ان کیفیات کا شکار نہ ہوتے۔“

”تمہاری گفتگو سے مجھے الجھن ہو رہی ہے، صدف بہتر یہ ہو گا کہ اب اس موضوع پر ختم کر دو، مجھے نیند آرہی ہے میں سونا چاہتا ہوں۔“

”اس وعدے کے ساتھ ڈیڈی کہ آپ اس وقت تک اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کریں گے۔ اب تک ہم۔“

”ہاں یہ عدہ تو میں تم سے کر چکا ہوں اس کے لئے مطمئن رہو۔“ مرزا اعظم بیگ نے کہا وہ اس گفتگو سے اب کچھ بے زار سا نظر آنے لگا تھا..... نجانے کون سے احساس نے اسے ایک بے زار کی سی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

یہ لوگ وہاں سے نکل آئے، پھر دوسرے دن صبح صدف اور طاہر بیگ چل پڑے تھے..... باہر سے انہوں نے ان لوگوں سے رابطہ کیا اور بینا انہیں اسی مطلوبہ فون نمبر پر مل گئی یعنی اس فون نمبر پر جس پر پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی اور یہ فون نمبر شہاب کے گھر کا ہی تھا..... صدف نے اس سے اپنا تعارف کر لیا تو بینا بولی۔

”ہاں صدف، تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔“

”آپ سے ملنا چاہتی ہوں بینا باجی۔“

”وہ جگہ یاد ہے۔“

”کریم سوسائٹی کے علاقے کی۔“

”ہاں۔“

”جی یاد ہے۔“

”تو تھوڑی دیر کے بعد وہاں آ جاؤ۔“

”بینا باجی کیا میں اپنے ساتھ اپنی بھائی کو بھی لاسکتی ہوں، میرے چھوٹے بھائی ہیں طاہر بیگ، جن کے بارے میں، میں نے بتایا تھا کہ صرف ہم دونوں اس صورت حال سے آگاہ ہیں۔“

”ذرا ایک منٹ رُک جاؤ۔“ بینا کی آواز سنائی دی اور دونوں انتظار کرنے لگے.....

بینا کی آواز ابھری۔

”ٹھیک ہے لے آؤ..... میں نے شہاب صاحب سے معلومات حاصل کر لی ہیں۔“

”بینا باجی شہاب بھائی سے ہماری ملاقات ہو سکتی ہے۔“

”شاید۔“ بینا نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

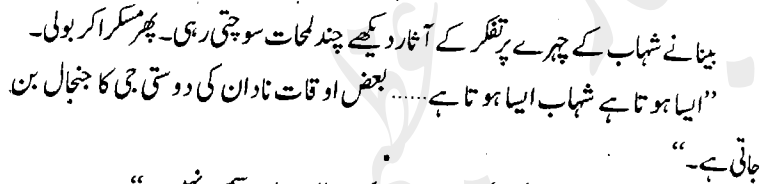
دونوں بہن بھائی کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچ گئے تھے، بہر حال بینا اور شہاب اب اس نذر محتاط بھی نہیں تھے کہ ہر ایک سے ڈرے اور سب سے رہیں..... کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں دونوں نے ان دونوں بہن بھائیوں کا استقبال کیا تھا..... صدف شہاب کو دیکھتی رہی پھر سر ہکا کر روتی ہوئی بولی۔

”کوئی نہیں ہوں میں آپ کی..... ایک مطلب لڑکی ہوں لیکن کچھ بھی ہو شہاب بھائی اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیجئے..... آپ کی اور بھس بہنیں ہوں گی، اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھئے لیکن خدا را یہ نہ سوچئے گا کہ آپ کو بے وقوف بنا رہی ہوں لیکن جب انسان بے بسی کی آخری حدود کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا دل ہر اس ہمدرد کو تلاش کرتا ہے جو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دے..... شہاب بھائی آپ کا ہاتھ میرے لئے بہت بڑی حیثیت کا حامل ہے۔“ صدف اس طرح بلک بلک کر روتی کہ شہاب بھی بے حد متاثر ہو گیا، اس نے صدف کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں صدف پلیز..... خود کو سنبھالو..... پلیز صدف خود کو سنبھالو۔“

”محبتیں سب ایک دوسرے سے کرتے ہیں..... شہاب بھائی آپ کو بھی یقیناً اپنوں سے محبت ہو گی، میرے ڈیڈی نے بہت برائیاں کی ہیں، بہت گھناؤنے جرائم کئے ہیں، انہوں نے لیکن کیا کروں بد قسمتی سے میرے باپ ہیں..... بہت محبت کرتی ہوں میں ان سے..... شہاب بھائی مجھے ڈیڈی خود سے جدا ہوتے نظر آ رہے ہیں..... برداشت نہیں کر پارہی میں اس احساس کو..... شہاب بھائی کوئی ایسی ترکیب کر دیجئے کہ ڈیڈی مجھ سے جدا نہ ہوں..... لیکن ایسی ترکیب کر دیجئے شہاب بھائی۔“ صدف اس طرح بے اختیار رو رہی تھی کہ اس کی غنیمت دیکھ کر کلچہ پھٹا جا رہا تھا، خود طاہر بیگ بھی اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکا تھا، بہن کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا وہ خود بھی آبدیدہ ہو گیا تھا اور شہاب کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں..... کیا کیا جائے اس سلسلے میں کیا کیا جائے..... صورت حال کافی حد تک سامنے آ گئی

پھر بینانے ان لوگوں کو چائے وغیرہ پلائی اور اس کے بعد صدف اور طاہر بیگ وہاں سے رخصت ہو گئے تھے، لیکن وہ اپنے دل میں ایک عجیب سی مسرت محسوس کر رہے تھے۔



”نہیں مینا یہ بات نہیں ہے..... درحقیقت کبھی کبھی جب انسان کے بارے میں یہ بات نظر انداز کر کے سوچا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک مجرم ہی نہیں انسان بھی ہے تو پھر اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ سلوک کرنے کو دل نہیں چاہتا بلکہ وہ خود بخود رعایت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر ان عوامل پر غور کرنا پڑتا ہے جن کے تحت وہ جرم کی دنیا میں آیا، حالانکہ مرزا اعظم بیگ کا مسئلہ یہ نہیں ہے اس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ وہ منشیات کی سگنگ میں کیسے ملوث ہوا، لیکن بہر حال کوئی نہ کوئی مسئلہ تو ضرور ہوا ہوگا، کوئی بھی ایسی بات جس کی وجہ سے وہ اس طرف راغب ہوا ہو اور چلو اس کا معاملہ بھی چھوڑ دو، تو اب یہ دونوں بچے..... مینا محبتوں کے اس قدر ترقی انداز کو نہ کسی سے چھینا جاسکتا ہے اور نہ کوئی صاحب دل اسے نظر انداز کر سکتا ہے..... بلکہ رہے ہیں وہ دونوں باپ کی زندگی کے لئے اور مینا بہر حال انسان تو انسان بن ہوتا ہے..... پھر میرا نظریہ..... اگر میں نے شہنشاہ کو جہنم دیا ہے اور شہنشاہ وہ ہے جو قانون پر ناجائز اجارہ داری ختم کرنے پر تلا ہوا ہے تو کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانون کی بے کسوٹی انسانیت کی بے بسی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے..... یہاں کم از کم شہنشاہ کی اپنی شخصیت داغدار

شہاب بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبا رہا تھا بینا صدف کو تسلیاں دیتی رہی تھی۔۔۔ آخر کار شہاب نے شاید اپنے ذہن میں کوئی فیصلہ بھی کر لیا۔۔۔ بات وہی تھی لیکن اس نے اس وقت اس بات کا اظہار کسی پر نہیں کیا، صدف کو بمشکل تمام سنبھالا گیا تھا، اب شہاب بدو راست ان سے مخاطب تھا اس نے کہا۔

”اور کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا۔“

”ہاں بہت زیادہ۔“

”ایسا ہی ہو گا شہاب بھائی ایسا ہی ہو گا بھائی جان..... اگر آپ ان سے مل لیں گے تو انہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ..... کہ کچھ ہو رہا ہے..... کچھ ہو رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے صدف..... میں ان سے ملاقات کر لوں گا۔“ شہاب نے کہا..... صدف نے شہاب کے پاؤں پکڑنے کی کوشش کی تو وہ بولا۔

نہیں ہوتی..... میں قانون کے تحفظ کے لئے شہنشاہ سے غیر قانونی عمل کراتا ہوں؛ انسانیت کے تحفظ کے لئے بھی کبھی کبھی شہنشاہ کو غیر قانونی ہو جانا پڑتا ہے اور اس وقت نیز کیفیت ہے..... میں اپنے آپ کو مجبور محسوس کر رہا ہوں..... دو بچوں کی آنکھوں سے بہنے ہوئے آنسوؤں کی وجہ سے دیکھتا ہوں مینا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“

مینا خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھ رہی تھی، پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھٹکتی ہوئی بولی۔

”کیا ہے شہاب یہ سب کچھ..... لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں..... ایک ایسا فلسفہ ہے البتہ ہوا کہ کسی طور سمجھ میں نہ آئے۔“

پھر اس کے بعد شہاب اور مینا کریم سوسائٹی کی کوٹھی سے نکل آئے تھے..... شہاب نے مینا کو گھر پر چھوڑ دیا تھا اور خود چل پڑا تھا..... بہت سے کام تھے، بات آگے بڑھ رہی تھی، آفس پہنچا تو نادر حیات صاحب نے اسے فوراً ہی طلب کر لیا..... شہاب صحیح طور پر بیٹھا بھی نہیں تھا..... نادر حیات صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”سوری شہاب! لیکن بہر حال تم جو کچھ کر رہے ہو میں اب اس سے غیر متفق نہیں ہوں..... یہ بات برسوں میرے ذہن میں جھپتی رہے گی کہ رمضان خان کا یہ قدم کس بنیاد پر تھا اور اس کا پس منظر کیا تھا۔“

شہاب مسکرانے لگا..... پھر اس نے کہا۔ ”میری جرات نہیں ہے جناب کہ آپ کے کسی حکم سے انحراف کروں لیکن کچھ چیزوں کو انسانی کمزوریوں کے نام سے منسوب کر کے معافی کی گنجائش رکھئے گا۔“

”کچھ اور صورت حال علم میں آئی..... معاملہ صرف ایک شخص کا ہی تو نہیں ہے، ذرا ایک بار پھر مجھے ان لوگوں کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔“

”حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آپ ان میں سے ایک ایک شخص کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں، لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اس طرح آپ میرا نظریہ جانا چاہتے ہیں۔“

ڈی آئی جی نادر حیات گردن ہلانے لگے پھر بولے۔

”بالکل ٹھیک سمجھا ہے تم نے، ویسے کیا اس بات کا کوئی اندازہ ہو سکا کہ میرے اوپر حملہ کس نے کرایا تھا، کیا فوری طور پر ڈاکٹر حیات کو اس سلسلے میں سزا ملی ہے؟“

”تحقیقات کر کے مزید تفصیل بتا دوں گا ویسے تھوڑی بہت تفصیلات جو میرے علم میں آئی تھیں میں نے آپ کو ان سے روشناس کروایا تھا، اس سلسلے میں ذمے داری شیخ سلطان کے بہرہ کی گئی تھی یا یہ کہا جائے کہ اس نے قبول کی تھی۔“

”ہاں وہ تفصیل مفصل طور پر تم نے مجھے بتائی تھی، لیکن اب میں کیا کروں تم مجھے ساری باتیں بہت ہی مختصر بتاتے ہو۔“

”آپ یقین کیجئے جناب، یہ ساری باتیں مختصر ہی میرے علم میں آتی ہیں۔“ شہاب نے کہا، ڈی آئی جی نادر حیات صاحب بہت دیر تک اس سے اس موضوع پر بات کرتے رہے اور پھر شہاب ان سے رخصت ہو کر آگیا۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بہر حال نادر حیات صاحب بھی اس سلسلے میں اپنے طور پر مکمل دلچسپی لے رہے ہیں، ویسے نادر حیات صاحب اپنے اوپر ہونے والے حملے سے بالکل متاثر نہیں تھے، ان کی زندگی میں نجانے کتنے حملے ان پر ہو چکے ہوں گے لیکن یہ مسئلہ کچھ زیادہ ہی طوالت اختیار کر گیا تھا۔

پھر شہاب کو مزید رپورٹیں موصول ہوئیں اور اس سلسلے میں شہنشاہ کی حیثیت سے اس نے فراز اور انجم کی رپورٹ موصول کی۔

”سر! ہم لوگ اس چرچ کے بارے میں معلومات حاصل کر چکے ہیں جو پادری اس غارت میں رہتا ہے میرا مطلب ہے ٹیمپل سٹریٹ کی کوٹھی میں وہ اسی چرچ میں سر دس کر رہا ہے، باہر سے آیا ہے اور ان لوگوں کے لئے بڑی متبرک حیثیت کا حامل ہے، اس کا نام فادر روناڈ ڈکسن ہے اور سر اس کے بارے میں مقامی لوگ بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں، لیکن جو تفصیل وہاں سے حاصل ہوئی ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔“

شہاب نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی تھی، پھر اس نے کہا۔

”کیا تم لوگ چرچ تک پہنچے ہو؟“

”جی سر اور یہاں سے تھوڑی سی معلومات بھی حاصل کی ہیں۔“

”ٹھیک ہے..... میں تمہیں دو نام بتا رہا ہوں، ایک پاسکل ہے اور دوسرا جان، اگر

ہو سکے تو ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”اس کے علاوہ مجھے یہ بتاؤ کہ فادر رونا لڈ اس وقت کہاں ہے؟“

”سر، اس وقت کے بارے میں تو نہیں معلوم۔“

”اچھا خیر ٹھیک ہے..... میں کسی اور کی ڈیوٹی وہاں لگائے دیتا ہوں..... مجھے بتائے جائے کہ فادر رونا لڈ کس اپنی کو بھی سے کس وقت باہر نکلتا ہے، بلکہ ایسا کر تو تم لوگ اس وقت کیا کر رہے ہو؟“

”سر..... بس اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو رپورٹ دے رہے ہیں۔“

”تم لوگ رونا لڈ سن لیو ٹھی پر چلے جاؤ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہاں مزہ ایک ہی شخص رہتا ہو اور جیسا کہ ہمارے علم میں آیا ہے کہ اس عمارت سے ایک مارت آتی بھی نکلتا ہے، اس کار میں بیٹھ کر، جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر نکلے تو تم احتیاط کے ساتھ اس تعاقب کرو اور مجھے اس کے جانے کے بارے میں اطلاع دے دو۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ انجم نے جواب دیا۔

اور پھر اسی شام ساڑھے پانچ بجے انجم کی طرف سے کال موصول ہوئی۔

”سر..... ہم اس کے پیچھے چل پڑے ہیں وہ اس وقت کو بھی میں موجود نہیں ہے، ابھی باہر نکلا ہے اور کو بھی بالکل خالی معلوم ہوتی ہے۔“

”تعاقب احتیاط سے کرنا اور کسی بھی طرح کسی کو شبہ نہ ہونے پائے۔“

”جی سر آپ اطمینان رکھئے گا۔“ جواب ملا اور شہاب تیاریاں کرنے لگا، پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار ٹیمپل سٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی، کو بھی نمبر انیس کے قریب تھا کہ اس نے اپنی کار کھڑی کر دی..... چاروں طرف دیکھا قرب و جوار میں گہرا سناٹا تھا، اطمینان سے کو بھی میں داخل ہو گیا اور اس کے بعد اپنے ساتھ لائی ہوئی اشیاء کے ذریعے سارے مرحلے طے کرتا ہوا اندرونی عمارت میں پہنچ گیا۔

پھر اس نے اندرونی عمارت کا بھرپور طریقے سے جائزہ لے لیا تھا، کوئی ایسی چیز وہاں موجود نہیں تھی جو رونا لڈ کس کی شخصیت پر مکمل طور سے روشنی ڈال سکتی، ہاں میک اپ سامان اس کے علاوہ پادری کے لباس اور ایسی ضروری اشیاء وہاں بے شک موجود تھیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ رونا لڈ کس پادری کا میک اپ کر کے نکلتا ہے یا پھر پادری رونا لڈ کس اپنا حلیہ بدل کر یہاں سے باہر آتا جاتا ہے، بس اتنی تفصیل کے علاوہ شہاب کو یہاں سے اور کوئی

تفصیل حاصل نہیں ہوئی تھی۔

پھر اس وقت وہ وہاں سے نکل کر اپنی رہائش گاہ کی جانب جا رہا تھا کہ ایک سنان سڑک پر ایک ہی ایک کار عقب سے آئی اور اس سے چلائی جانے والی گولیوں نے شہاب کی کار کی پچھلی کر دی..... تقدیر ایسے موقعوں پر ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھی..... شہاب بال بال چلتا تھا..... کار کا پچھلا ناز بھی پھٹ گیا تھا اور چونکہ کار کی رفتار اچھی خاصی تیز تھی اس لئے چلتی ہوئی سڑک کے نشیب کی طرف چلی اور انتہائی کوشش کے باوجود شہاب اسے الٹنے سے نہیں بچا سکا، لیکن اتنا کافی تھا وہ برق رفتاری سے ڈرائیونگ سائیکل کا دروازہ کھول کر کود گیا..... یہاں مٹی گیلی تھی، کھیت تھے اور کھیت کے کنارے کنارے نالیاں بنی ہوئی تھیں جس میں پانی بہہ رہا تھا..... شہاب کے کپڑے بری طرح مٹی میں لتھڑ گئے، کہنی میں ہلکی سی چوٹ بھی لگی اور وہ سنبھل کر کھیتوں میں دوڑنے لگا..... غالباً باجرے کے کھیت تھے اور فصل مکمل طور سے تیار تھی۔ چنانچہ قد آدم کھیتوں میں وہ برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہوا سڑک سے دوڑ نکل گیا، اندازہ یہ تھا کہ اس پر فائرنگ کرنے والے وہاں آنے کے بعد اپنی کاوشوں کا نتیجہ ضرور دیکھیں گے، لیکن کافی دیر تک چھپے رہنے کے باوجود شہاب کو سڑک پر کوئی نظر نہیں آیا اور نہ ہی اس کی کار کے قریب پہنچا تھا..... ان لوگوں نے اس کار روائی کا نتیجہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی..... شہاب نے کافی دیر وہاں گزار دی، خدا کا شکر تھا کہ کار کے پٹرول ٹینک کو نقصان نہیں پہنچا تھا ورنہ وہ بالکل ہی تباہ ہو جاتی۔

شہاب بہت دیر تک انتظار کرتا رہا لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حملہ آور اپنے چند افراد کو چھوڑ کر یہاں سے نکل ہی گئے ہوں اور یہ چند افراد اس وقت تک انتظار کریں جب تک کہ شہاب کی زندگی اور موت کے بارے میں کوئی صحیح صورت حال ان کے علم میں نہ آجائے چنانچہ شہاب نے اس وقت کار کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ وقت گزارنے کے بعد آہستہ آہستہ وہاں سے آگے بڑھا اور کافی دیر نکلنے کے بعد سڑک پر پہنچ گیا۔

کار جس انداز میں تباہ ہوئی تھی اس کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں تھی کہ اسے کسی نئی شکل میں استعمال کیا جاسکے، چنانچہ وہ یہ دیکھ کر سڑک پر کوئی موجود نہیں ہے پیدل آگے بڑھنے لگا..... پھر بہت دیر نکل کر اسے ٹیکسی مل گئی تھی، ٹیکسی سے وہ سیدھا پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا اور وہاں کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے اس نے احکامات جاری کئے کہ وہ اس کی کار کے

ہی رہیں اور پھر دونوں تیاریاں کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔ پہلے کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچے
سے بیٹا نے صدف کو فون کیا تو صدف نے ہی فون ریسیو کیا تھا، اس نے اسے اپنا ڈائریکٹر
پر بتایا تھا اور اس نمبر پر وہ شاید ان لوگوں کی منتظر ہی تھی۔ بیٹا کہنے لگی۔

”صدف ہم دونوں آرہے ہیں..... ہم مسٹر اینڈ مسز واسطی کی حیثیت سے تم سے
رہات کریں گے، ہمارا حلیہ بدلا ہوا ہوگا، تم ہماری شکل نہیں پہچان سکو گی۔“
”بھی اصلی شکل میں اس وقت تم سے ملنا خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”اوکے۔ گویا بس مسٹر اینڈ مسز واسطی، لیکن کیا شکل اس قدر تبدیل ہو جائے گی کہ
بیٹا پہچان نہ سکوں!“

”ہاں صدف یہ ضروری ہے۔“

”خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے..... بڑا عجیب سا لگے گا مجھے..... دراصل ہمارا واسطہ کبھی
بہ حالات سے نہیں پڑتا۔“

”اپنے ڈیڈی سے بات کی ہے تم نے۔“

”ہاں۔“

”ہاں۔“

”ایسا ماحول ہونا چاہئے جس میں کوئی دوسرا ڈسٹرب نہ کرے۔“

”ڈیڈی نے کوٹھی میں ہی ایک ایسی جگہ بنا رکھی ہے جو الگ تھلگ ہے، بس وہ وہیں رہا

تے ہیں اور اس وقت بھی وہیں ملیں گے آپ لوگوں کو۔“

”اس کے علاوہ بھی صدف ایک بات اور۔“

”جی کہئے۔“

”پہلے یہ پروگرام تھا کہ رات کے بارہ بجے ہم تمہارے پاس پہنچیں گے، لیکن اب اس کی

ارت باقی نہیں رہی ہے، تم یہی ظاہر کرنا کہ تمہاری کوئی دوست تم سے ملنی آئی ہے۔“

”پہلے بھی یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا لیکن چونکہ آپ نے کہا تھا اس لئے میں نے کوئی

دش نہیں کیا تھا۔ آپ بے دھڑک تشریف لے آئیے، میرے گھر میں ایسی کوئی پابندی

نہ ہے۔“

”ٹھیک ہے ہم کچھ دیر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔“

پاس پہنچ جائیں اور اسے کسی بھی طرح کسی گیراج پہنچا دیا جائے۔ اس اور ان اس نے ہنسی
باتیں سوچی تھیں لیکن ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا اور وہ تھا چینا۔

نادر حیات پر حملہ کرنے کے بعد چینا نے اب اس پر کارروائی کی تھی۔ ویسے بھرپور
کارروائی تھی اور اس میں اس بات کی گنجائش قطعی نہیں تھی کہ تینے کا شکار بن سکے۔

دانست میں بھرپور کارروائی کر کے نکل گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ چینا یا اس کے آدمیوں
کی یہ ہمت نہ پڑی ہو کہ اپنی کارروائی کا نتیجہ بھی دیکھیں۔ بہر حال یہ سب کچھ ہو چکا تھا

شہاب نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کم از کم مینا کو اس حملے کے بارے میں بتانا بالکل مناسب
نہیں ہوگا۔ مینا کچھ بھی سہی لیکن عورت ہے اور اب تو اس کا ویسے بھی معاملہ بہت زیادہ بڑ

چکا ہے، یعنی اب شہاب اس کا شوہر ہے، وہ جذباتی ہو کر سوچے گی اور یہ چیز بہر طور مناسب
نہیں ہے، چنانچہ اس نے اس سلسلے میں مینا سے کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ابھی رات کو اسے مرزا اعظم بیگ سے ملاقات کرنی تھی۔ اپنی کار پر تو واپس نہیں
آ سکتا تھا لیکن ایک دوسری کار اس نے استعمال کے لئے حاصل کر لی اور پھر گھر واپس آ گیا۔

مینا کو اس نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ البتہ مینا نے اس کے بدلے ہوئے لباس
کو دیکھ کر کہا۔

”کیا کریم سوسائٹی نکل گئے تھے۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک..... اس لباس کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کیوں کہ یہ تو وہیں موجود تھا۔“

”بیویوں کو شوہر سے اتنی واقفیت ہونا کیا کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔“

”جی نہیں بالکل نہیں ہے کیونکہ بات مینا کے شوہر کی ہے اور مینا کو اپنے شوہر پر
قدر اعتماد ہے شاید یہ بات آپ کی سمجھ میں نہ آ سکے مسٹر شہاب۔“

”تھینک یو مینا..... ویسے مینا ہمیں وہاں جانا ہے، کیا تم بھی میرے ساتھ چلا پند کرو گی؟“

بلکہ یوں کرتے ہیں تھوڑا سا حلیہ بدل کر وہاں چلتے ہیں تاکہ بے چارہ اعظم بیگ بھی کس شے
سے محفوظ رہ سکے۔“

”قسم خدا کی میرے منہ کی بات چھین لی ہے، میں خود بھی چاہتی تھی۔“

بہر حال یہ ساری باتیں ہوتی رہیں، رات کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک یہیں

”او کے..... اور پھر بیٹا نے سلسلہ منقطع کر دیا..... یہ بات بھی شہاب اور اس کے درمیان طے ہوئی تھی کہ اب رات کے بارہ بجے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے۔“ پہلے ہی ملاقات کر لی جائے، چنانچہ دونوں تھوڑی ہی دیر کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ خاموشی سے فاصلہ طے کر کے آخر کار اس کو ٹھہری پر پہنچ گئے جو خاصی خوبصورت تھی۔ گیت پر صدف موجود تھی۔ اس نے بڑی محبت سے بیٹا کا استقبال کیا..... شہاب کو..... کیا..... بڑی حیران لگا ہوں سے وہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بیٹا نے اس سے اپنا تعارف کرا تو وہ ہنس کر بولی۔“

”کچھ بھی ہو جائے اتنی حیرت انگیز تبدیلی میرے لئے آخر تک عجیب رہے گی۔“
”ہمارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوتا مس صدف، دن رات ہمیں اس قسم واقعات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے آپ براہ کرم اس چکر میں نہ پڑیں..... ویسے گھر میں آپ کیا کہا ہے؟“

”ڈیڈی اپنے حجرے میں ہیں اور باقی لوگوں کو اس سلسلے میں کوئی تشویش نہیں ہے۔ میں نے اپنی دوست اور اس کے شوہر کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بتا دیا ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ ڈیڈی سے ملاقات کرنے کے لئے آرہے ہیں۔“
”اور مرزا صاحب کو۔“
”ہاں ڈیڈی کو میں نے اس بارے میں بتا دیا ہے۔“

”ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔“ شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ صدف کی رہنمائی اس جگہ تک پہنچ گئے جسے حجرہ کہا گیا تھا، حجرے میں داخل ہونے کے بعد وہ مرزا اعظم سامنے آ گئے۔

مرزا اعظم بیگ اتنی غیر معروف شخصیت نہیں تھی، تھوڑے ہی وقت پہلے وہ کارکن کی حیثیت سے بڑی نمایاں شخصیت کا مالک تھا، اخبارات وغیرہ اکثر اس کی تعریف چھاپتے رہتے تھے، لیکن اس وقت وہ ایک بیمار اور نڈھال شخص نظر آ رہا تھا، چہرے پر نیکھری ہوئی تھی، حالانکہ صحت اس قدر خراب نہیں تھی..... طاہر بیگ بھی اس کے پاس موجود تھا..... اس نے بھی ان کا استقبال کیا، وہ بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔ شہاب نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر ایک جگہ بیٹھ گیا، مرزا اعظم بیگ کی

نہیں، صدف اور طاہر بیگ بھی خاصے شرمندہ شرمندہ نظر آرہے تھے..... بیٹا نے کہا۔

”صدف بھی دوستوں کو اس طرح خوش آمدید کہا جاتا ہے۔“
”ہذا کی قسم بیٹا جی اتنی شرمندہ ہو رہی ہوں میں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔“
”اور اس کی وجہ میں بد نصیب ہوں۔“ مرزا اعظم بیگ نے کہا۔
”پہلی بات تو یہ مرزا اعظم بیگ صاحب کہ کیا آپ کے خیال میں یہاں ایسے خفیہ بات ہو سکتے ہیں جن کے ذریعے یہاں کی باتیں باہر سنی جاسکیں۔“

”قطعی نہیں آپ اس طرف سے بالکل مطمئن رہیں، ایسا بالکل نہیں ہے، اس کے بارے میں آپ چاہیں تو یہاں کی مکمل تلاشی لے سکتے ہیں۔“ مرزا اعظم بیگ نے کہا۔
”آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ کتنی سنجیدہ گفتگو کرنے والے ہیں، اس گفتگو کا ایک لفظ ہمیں باہر نہیں جانا چاہئے ورنہ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ۔“

”میں سمجھتا ہوں..... بات بہادری کی نہیں ہے اور نا ہی یہ الفاظ ادا کر کے میں اپنے والد کو دیر اور بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اب سے کچھ وقت پہلے میں خود کو ان سے بھرپور ایک شخص قرار دیتا تھا..... میں نے اپنی عمر کو کبھی قبول نہیں کیا..... عمر کا بنائیک بالکل ہی مختلف بات ہوتی ہے، میں نے اپنی تندرستی کا ہمیشہ ہی خیال رکھا، لیکن لوگ یقین کیجئے اب نجانے کیا ہو گیا ہے مجھے..... شاید ضمیر کی دھن اب سکون نہیں دے رہی، برائی کی طرف چلتے چلتے اچانک ہی میرے بچوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرا رخ بنا کر دیا ہے اور آپ یقین کریں مسٹر شہاب کہ اب ہر لمحہ کانوں میں ان انسانوں کی آوازیں آ رہی ہیں، جو میری وجہ سے موت کی آغوش میں گئے..... میں کوئی جذباتی تقریر کرنا چاہتا، کسی گناہ گار کو اس کی اجازت نہیں ہوتی ورنہ آپ کو اپنے جذبات بتاتا..... یہ آپ کو کہہ کر میں کتنے انسانوں کا قاتل ہوں اور کس کس طرح میں نے یہ قتل کئے ہیں، طرح میں نے گھروں سے سکون کو رخصت کیا ہے..... آئی ایم سوری مسٹر شہاب..... باتیں نہ کرنے کا وعدہ کرنے کے باوجود فضول باتیں کئے جا رہا ہوں..... بہر حال اپنے غلطی علاج نہیں ہوتا، جن احساسات اور حالات کا شکار ہوں وہ میں نے خود اپنے لئے سزائیں اور اب اس کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔ حالانکہ..... حالانکہ..... خیر چھوڑیے ایک

”جی۔“

”ظاہر ہے اسی ساری کارروائی سے متعلق ہوں گے۔“

”جی ہاں۔“

”میں بھی آپ سے ایک سوال کروں۔“

”کیجئے۔“

”آپ مجھ سے سوال کریں گے، میں ان کا جواب دوں گا، میرے سچ کی کوئی کیا ہوگی۔“

”میں سمجھا نہیں؟“ شہاب الجھ کر بولا۔

”ایک مجرم ایک انتظامی افسر کے سامنے جوابات دے رہا ہے، یقین کی کیا ضمانت ہوگی۔“

”صاف۔“ شہاب مسکرا کر بولا اور سب چونک پڑے۔ صاف نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہر جواب سچ ہو گا شہاب صاحب اور اس وقت بھی اگر ڈیڈی نے سچ نہ بولا۔ تو صاف کی آواز بھر اگئی۔

”نہیں بیٹے۔۔۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں سچ کہوں گا۔۔۔۔۔ سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔“ اعظم بیگ

نے فخرزدہ آواز میں کہا۔۔۔۔۔ عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ایک ڈرامائی چویشن تھی اور

ہاں موجود تمام افراد اعصابی کھنچاؤ محسوس کر رہے تھے۔ آخر کار شہاب نے کہا۔

”مرزا اعظم بیگ صاحب، کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے کاروبار کے پس پردہ ڈرگس کا

بازار دوبار کرتے ہیں۔“

”ہاں اپنے کاروبار کے پس پردہ نہیں بلکہ اس صاف ستھرے کاروبار کے علاوہ میں یہ

بازار بھی کرتا ہوں۔“

”کیوں۔“

”دولت کے حصول کے لئے، صرف دولت کے حصول کے لئے۔“ اعظم بیگ نے

فدایا۔

”ایک بین الاقوامی تنظیم سے آپ کا رابطہ ہے جو دنیا بھر میں یہ کام کرتی ہے۔“

”ہاں۔“

”تنظیم کس نام سے پہچانی جاتی ہے۔“

”آئرن کراؤن۔۔۔۔۔ سنڈیکیٹ کے کاغذات میں اسے آئرن کراؤن لکھا جاتا ہے۔“

اور گناہ کی بات کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ شہاب صاحب بچوں نے بتایا ہے کہ آپ میری بند پر آباد

ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ تعجب ہی کی بات ہے، آپ جیسی شخصیت، جس سے سچی بات ہے کہ میری

ان کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں جو یہ سب کچھ کر رہے تھے۔۔۔۔۔ وہ کس طرح میرے سلسلے میں

نرم ہو جائے۔۔۔۔۔ میرے لئے سخت تعجب کی بات ہے لیکن کیا کہا جاسکتا ہے میں بھلا کیا تیرہ

کر سکتا ہوں۔۔۔۔۔ کون جانے کب کون کہاں کیا کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ خود پر رحم کی بات بھی نہیں

کر سکتا میں نے کس پر رحم کیا ہے۔“

اعظم بیگ سخت ذہنی بحران کا شکار تھا اور اس کی باتیں بے ربط ہو گئی تھیں۔۔۔۔۔ شہاب

گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، مینا کی نظریں صاف پر جمی ہوئی تھیں، جس کے ہونٹ

کپکپا رہے تھے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد شہاب نے کہا۔

”مرزا صاحب آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، آپ جواب دینا پسند کریں گے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ کیوں نہیں۔“

”پہلے خود کو پرسکون کریں۔۔۔۔۔ ورنہ آپ جواب نہیں دے سکیں گے۔“

”سکون۔“ اعظم بیگ نے گہری سانس لی۔۔۔۔۔ پھر پہلے سے انداز میں مسکرایا۔ پھر

بولا، ”یقین کرو گے میری بات پر یقین کرو گے۔“

”جی ضرور۔“ شہاب بولا۔

”پہلے بے سکونی سے واقف نہیں تھا۔۔۔۔۔ یہ چیز مٹھی میں لگتی تھی یوں۔“ یوں مرزا

نے مٹھی بند کر کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ”اور اب سکون کے عوض اپنی ساری دولت

دینے کو تیار ہوں اور یہ بے سکونی میری خود کی خریدی ہوئی ہے۔ یہ ضمیر اس قدر بے رحم

کیوں ہوتا ہے کہتا ہے تو اس طرح کہ انسان کو خبر تک نہیں ہونے دیتا اور جب منحرف ہوتا

ہے تو اس سے اس کا سب کچھ چھین لیتا ہے۔۔۔۔۔ میری بات کا برانہ ماننا مسٹر شہاب ہم سب

کے پاس ایسے ذرائع تھے اور ہیں کہ ہم اپنی برائیوں کا دفاع کر سکیں، لیکن۔۔۔۔۔ ضمیر سے جنگ

مشکل ہو رہی ہے۔“

”یہی زندگی کی علامت ہے مرزا صاحب اور یہی آسانی طاقت کے وجود کا اظہار۔“

”ہاں ایسا ہی ہے۔“

”آپ مجھ سے کچھ سوالات کی بات کر رہے تھے۔“

”اس کی جڑیں کہاں تک ہیں؟“

”تنظیم کا کوئی رکن نہیں بتا سکتا۔“

”اس کے نمائندہ کو کسی خاص نام سے پکارا جاتا ہے۔“

”نمائندوں کو نہیں، عہدیداروں کو۔“

”کیا مطلب؟“

”تنظیم کے کنٹرولر سلور کراؤن، میٹل کراؤن، گولڈن کراؤن اور ڈائمنڈ کراؤن کے

ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔“

”آپ کا کیا رینک ہے؟“ شہاب نے پوچھا۔

”ہمارے رینک نہیں ہوتے ہم صرف کارکن ہیں، مقامی نمائندے جنہیں کمیشن

ہے جو چوالیس فیصد کمیشن۔“

”آپ کا کام کیا ہوتا ہے۔“

”پیداوار کنٹرول کرنا، پروڈکشن کا پورا پورا حساب رکھنا، پروڈکشن کی ترسیل کرنا۔“

”باڑی سے آپ لوگوں کا کیا واسطہ ہے۔“

”سب سے بڑا پروڈکشن پوائنٹ تھا۔“ اعظم بیگ نے جواب دیا۔

”آپ کے علاوہ یہاں اور کون کون آئرن کراؤن کے لئے کام کرتا ہے۔“

”ہم پانچ افراد تھے اب چار رہ گئے ہیں۔“

”کون کون؟“

”راجیل رضا، سلطان شیخ، میں، ڈاکٹر حیات اور جابر زمان۔ ڈاکٹر حیات ابھی ابھی قتل

کر دیا گیا ہے اور میرے خیال میں..... میرے خیال میں۔“

”آپ کے خیال میں کیا۔“

”ایسا سنڈیکیٹ کی طرف سے ہوا ہے۔“

”کیا مطلب۔“

”باڑی میں جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد سے یہاں کی پروڈکشن بالکل رُک گئی ہے اور

بہت بڑا نقصان ہے۔ ابھی چند روز قبل سنڈیکیٹ کے تین عہدیدار تحقیق کے لئے آئے

تھے..... انہوں نے ہم سے ملاقات کی اور ہم پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ وہ خود اس بارے میں

نہ کر رہے تھے کہ ان کی کار کو حادثہ پیش آگیا..... تینوں ہلاک ہو گئے..... ہو سکتا ہے یہ

حادثہ ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنڈیکیٹ نے اسے صرف حادثہ نہ سمجھا ہو..... اس

نہیں ہو کہ ہم نے تحقیق سے بچنے کے لئے انہیں ہلاک کر دیا ہو اور اب وہ لوگ ہمیں ایک

کر کے ہلاک کر رہے ہوں۔“

”یہ صرف آپ کا خیال ہے کہ باقی لوگ بھی اسی انداز میں سوچ رہے ہیں۔“

”نہیں..... یہ بات تو بالکل ابھی میرے ذہن میں آئی ہے۔“ اعظم بیگ نے جواب دیا۔

”ان تین افراد کے علاوہ بھی یہاں سنڈیکیٹ کا کوئی عہدیدار موجود ہے۔“

”نہیں..... یا پھر اگر ہے تو ہمارے علم میں نہیں ہے۔“

”آپ کو یقین ہے کہ وہ تینوں نمائندے ہلاک ہو گئے۔“

”ان کی تفصیل تو اخبارات میں بھی آچکی ہے۔“

”اسے چھوڑیے کوئی شعبہ ایسا تو نہیں ہے جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ نمائندے

نہیں۔“

”نہیں..... بالکل نہیں۔“

”چلے ٹھیک ہے اب یہ بتائیے آپ اس آرگنائزیشن میں کیسے اور کیوں شامل ہوئے،

کہ آپ ایک نیک نام اور بہترین کاروباری انسان تھے۔“

”یقین کرو گے میری بات پر۔“

”ہاں..... میرے اور آپ کے درمیان سچ کا رشتہ قائم ہو چکا ہے۔“ شہاب نے

انہی کے جواب دیا۔

”تو یوں سمجھو کہ مجھے بلیک میل کر کے تنظیم میں شامل کیا گیا ہے۔“

”کس طرح۔“ شہاب نے پوچھا۔

”بات کئی سال پرانی ہے..... میں ایک کاروباری سلسلے میں ملک سے باہر گیا تھا.....

انٹرایمر پورٹ پرائزنے کے بعد اپنے سامان کے ساتھ اپنے ہوٹل پہنچ گیا لیکن وہاں پورٹر

نائب میرا سامان میرے کمرے میں رکھا تو اس میں ایک بریف کیس کا اضافہ تھا جو میرا

نہ تھا..... اس بریف کیس پر اسی فلائٹ کا ٹیگ لگا ہوا تھا جس سے میں آیا تھا..... مجھے بہت

نہانہ کہ کسی کاربریف کیس غلطی سے میرے سامان میں آگیا ہے..... صرف یہ جاننے کے

لئے کہ شاید بریف کیس میں موجود کسی شے سے مجھے اس کے مالک کا پتا معلوم ہو جائے۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے کھولا لیکن اس کے اندر ہیر وئن کے پیکٹ دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا تھا۔ اس وقت میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور دو انگریز اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے اندر آ کر جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور ان میں سے ایک نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”آہ۔۔۔۔۔ اسے بند کریں مسٹر بیگ۔۔۔۔۔ نار کو ٹکس والے پولیس کے ساتھ یہاں تک آگئے ہیں۔۔۔۔۔ وہ پتالگاتے ہوئے آپ ہی کے پاس آرہے ہیں۔“

میں بدحواس ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ وہ کون ہیں کیا ہیں، میں نہیں جانتا تھا۔۔۔۔۔ میں پاگوں کی طرح انہیں دیکھ رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے بریف کیس میرے ہاتھ سے لیا اور برقی رفتاری سے مسہری کا گدا اٹھا کر اس کے نیچے رکھ دیا۔۔۔۔۔ پھر خود بے تکلفی سے اس مسہری پر بیٹھ گیا، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی اور ان میں سے ایک نے دروازہ کھول دیا تھا۔۔۔۔۔ میں نے پولیس کے بے شمار افراد کو دیکھا جو بھرمار کر اندر گھس آئے تھے۔۔۔۔۔ میں تو سکتے کے عالم میں تھا لیکن ان میں سے ایک نے حیران لہجے میں پولیس افسر سے پوچھا۔

”کیا بات ہے آفیسر۔“

”مسٹر بیگ، پولیس آفیسر نے ہاتھ میں پٹڑے ہوئے کاغذ کو دیکھ کر پوچھا۔“

یہ مسٹر اعظم بیگ ہیں ایک معزز بزنس مین۔۔۔۔۔ کیوں کیا بات ہے۔“ اس شخص نے کسی قدر سخت لہجے میں پوچھا۔

”آپ کون ہیں۔“

”جے آر تھامسن۔۔۔۔۔ ممبر آف چیمبر آف کامرس۔۔۔۔۔ کیا آپ ان سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے ہیں آفیسر۔“

”اور آپ کا کارڈ۔“ آفیسر نے کہا۔

”یہ موجود ہے اور ساتھ ہی یہ چیمبر آف کامرس کا کارڈ۔۔۔۔۔ تھامسن نے جیب سے دونوں کارڈ نکال کر اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔“

آفیسر نے کارڈ دیکھے، پھر دوسرے شخص کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”آپ کون ہیں جناب؟“

”لیونارڈ بگ مین۔“ یہ میرا کارڈ ہے اور مسٹر اعظم بیگ ایک بزنس ڈیل پر یہاں آئے ہیں اور مسٹر آفیسر ایک شریف برطانوی شہری ہونے کے ناتے ہم نے اپنا تعارف تو کر دیا۔

”آپ بتائیے کہ آپ کیوں آئے ہو؟“

”سر ایک انفارمیشن تھی۔“ افسر نرم ہو گیا۔

”ہیا۔“

”کروڑوں پونڈ کی ہیر وئن اس فلائٹ سے لائی گئی ہے اور اسی ملک سے لائی گئی ہے جہاں سے مسٹر اعظم بیگ آئے ہیں۔“

”کیا اس فلائٹ سے صرف مسٹر اعظم بیگ نے سفر کیا ہے۔“ تھامسن نے پوچھا۔

”نہیں سر۔۔۔۔۔ کچھ نشاندہی ہے۔“

”کسی معزز شخص کے ساتھ یہ سلوک برطانوی قانون میں ہے۔۔۔۔۔ آفیسر میں اور میرے ساتھی مسٹر لیونارڈ آپ کے روئے کے گواہ ہیں، براہ کرم پہلے اپنا تعارف کرادیں اس کے بعد ہم آپ کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔“

”یہ میرا کارڈ ہے سر۔۔۔۔۔ میں تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“ آفیسر نے کہا اور اپنا کارڈ پیش کر دیا۔۔۔۔۔ پھر اس کے بعد اس نے کمرے کی تلاشی لی۔۔۔۔۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ کوئی بڑا آرڈر تھا یا آفیسر نروس ہو گیا تھا، اس نے بڑی باریک بینی سے ہر چیز کا جائزہ لیا مگر مسہری کا گدا ہٹا کر نہ دیکھا۔۔۔۔۔ پھر اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”اگر آپ اسے میری گستاخی تصور کرتے ہیں تو آپ کے پاس میری سزا کا حق محفوظ ہے۔۔۔۔۔ بہر حال میں نے صرف فرض کی ادائیگی کی ہے۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔“

اس تمام کارروائی کے درمیان میں پتھر لایا ہوا رہا تھا، میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آتا تھا تھامسن نے باہر جا کر دیکھا پھر واپس آ کر بولا۔

”گڈ۔۔۔۔۔ اور سروس کو فون کر کے چائے منگوالو۔۔۔۔۔ بڑی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔“ وہ سب کچھ کرتے رہے پھر لیونارڈ نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

”جی مسٹر اعظم بیگ۔۔۔۔۔ تھوڑا سا خطرہ تو پیدا ہو گیا تھا لیکن بات بن گئی ہم آپ کو اس کامیاب سفر کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔“

”آپ لوگ یقین کیجئے۔۔۔۔۔ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں حیران ہوں کہ آپ لوگوں کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟“ میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

”آئرن کروٹن نے ہمیں آپ کے بارے میں انفارمیشن دی تھی اور بتایا تھا کہ مرزا

فیصلہ کریں..... یہ بچے کہتے ہیں کہ میرے لئے کچھ کر لیں گے، ہو جائے تو اچھا ہے نہ ہو سکے تو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہوگی..... میں نے کہا نا اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔“

”مرزا اعظم بیگ صاحب قانون، قانون ہے اور جرم جرم ہوتا ہے..... قانون یہ دیکھتا ہے کہ جرم کیا گیا ہے، کیوں کیا گیا ہے؟ پس منظر کیا تھا؟ یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور ان سے صرف اتنا ہوتا ہے، کہیں سزا کی نوعیت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے..... جرم مکمل طور سے معاف نہیں کیا جاسکتا، آپ کو موت کی سزا بھگتنا ہوگی، ہر قیمت پر آپ کو موت کی سزا بھگتنا ہوگی..... سمجھ رہے ہیں نا آپ۔“

وہاں موجود باقی افراد بری طرح چونک پڑے تھے، صدف نے اپنے منہ سے نکلنے والی چیخ کو بھیج لیا تھا..... بیٹا بھی حیران تھی اور طاہر بیگ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا، شہاب نے ایک ایک کی صورت دیکھی پھر بولا۔

”ہاں..... موت کی سزا لیکن آپ اپنے بچوں کے لئے زندہ رہیں گے، صدف کو میں مایوس نہیں دیکھ سکتا، جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کے لئے نہ جانے کس طرح میں اپنے ضمیر کو بہلا سکوں گا، میں نہیں جانتا لیکن بہر حال کر رہا ہوں میں..... مرزا اعظم بیگ صاحب آپ کو مرنا ہوگا، آپ کی موت کی تشہیر کی جائے گی..... آپ کی تدفین بھی کی جائے گی اور اس کے بعد آپ کو دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا پڑے گا..... آپ صرف اپنے بچوں کے درمیان ایک معطل زندگی گزاریں گے، باقی دنیا سے آپ کا رابطہ کٹ جائے گا، آپ مرزا اعظم بیگ صاحب بس ان بچوں کے درمیان زندہ رہیں گے، زندگی چھین لینے یا دینے کا اختیار کسی کو نہیں ہوتا، میں کیا اور میری اوقات کیا، لیکن ایک جرم میں کر رہا ہوں..... کچھ لوگوں کے کہنے پر اور یہ وہ لوگ ہیں جو مجھ سے یہ جرم کرانے کی اہلیت رکھتے ہیں، میں اس بچی کے چہرے پر جو غم کے آثار دیکھ رہا ہوں اس سے منحرف نہیں ہو سکتا..... مرزا صاحب کم از کم میں اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کر لوں گا کہ آپ کو بھی اس شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی گئی ہے..... آپ بذات خود اپنی خوشی سے اس معاملے میں ملوث نہیں ہوئے لیکن اگر میں اس کے علاوہ اور کچھ کر سکوں تو میں تو چاہوں گا لیکن قانون اس کی اجازت نہیں دے گا اور معاف کیجئے گا آپ اس سنڈیکیٹ سے الگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتے، سنڈیکیٹ آپ کو زندہ نہیں رہنے دے گا، یعنی ایک طرف قانون اور دوسری طرف جناب یہ آرگنائزیشن، دونوں

اعظم بیگ چار کلو ہیر و سن لے کر آرہے ہیں..... یہ ان کا پہلا ٹور ہے، اس لئے ان سے بھرپور تعاون کیا جائے..... ہم ایئر پورٹ سے آپ کی نگرانی کر رہے تھے، اسی لئے سیدھے آپ کے پیچھے پیچھے پہاں پہنچ گئے۔“

”لیکن۔“

”نہیں مسٹر اعظم بیگ آپ نے کامیابی سے یہ مرحلہ طے کر لیا ہے، یہ بریف کیس ہم لے جا رہے ہیں..... آپ کو معاوضہ مناسب شکل میں مل جائے گا اور پھر مجھے معاوضہ ملا..... پچاس ہزار پونڈ بہت ہوتے ہیں..... میں ششدر تھا لیکن یہ رقم بھی بہت تھی، پھر ہانگ کانگ اور سنگا پور، اٹلی اور نہ جانے کہاں کہاں..... وہ لوگ مجھے اپنے جال میں پھانتے گئے، یہاں تک کہ بعد میں مجھے مقامی طور پر ذمے داریاں سونپ دی گئیں..... میرا کوئی قصور نہیں تھا، بعد میں، میں نے بہت مدافعت کی تھی لیکن مجھے موت کی دھمکیاں دی گئیں اور میں خاموش ہو گیا، اس طرح ان لوگوں نے مجھے۔“

شہاب خاموشی سے یہ تفصیل سن رہا تھا..... اعظم بیگ کے خاموش ہونے کے بعد وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر اس کی سنگین آواز اُبھری۔

”ٹھیک ہے مرزا صاحب آپ جینا چاہتے ہیں۔“

”ہاں..... بات سچ کی ہے میں نے اب تک کی زندگی برائیوں میں گزاری ہے میرے بچے بھی میری زندگی چاہتے ہیں اور میں بھی..... آہ اب احساس ہوتا ہے ان کے ساتھ تو میں نے ابھی وقت ہی نہیں گزارا..... یہ سب کتنے بڑے بڑے ہو گئے، میں دادا بن چکا ہوں، لیکن مجھے پتا ہی نہیں ہے کہ گھریلو زندگی کیا ہوتی ہے؟ میں تو ان تمام چیزوں سے محروم رہا ہوں اب تک۔“

آہ شہاب صاحب آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے اب یہ احساس ہوتا ہے کہ غلطی کرتا رہا ہوں میں، لیکن آپ یقین کر لیجئے سنڈیکیٹ کے جال سے نکلنا میرے لئے ممکن نہیں تھا، میں اپنے آپ کو بے گناہ اور بے قصور بالکل نہیں کہوں گا، بعد میں تو سچی بات یہ ہے کہ میں خود پوری طرح لالچ کا شکار ہو گیا تھا اور خوشی سے سنڈیکیٹ کے لئے کام کر رہا تھا بلکہ اپنے تحفظ کے لئے میں نے نہ جانے کیا کیا، کیا تھا، بڑا سوشل ورکر بن گیا تھا، بہت سے ڈرامے کئے تھے میں نے، جب کہ میں خود ان کی الٹ تھا بس ہو گیا یہ سب کچھ..... میں اعتراف کر رہا ہوں اب جیسے آپ

آپ کے دشمن ہیں..... آخر کار باقی سب لوگ موت کا شکار ہو جائیں گے، یہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں اور آپ میری بات پر یقین رکھئے آپ کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ آپ اپنی شخصیت کی موت برداشت کر لیں اور صرف اپنے بچوں کے لئے پوشیدہ طور پر زندہ رہیں..... میں کبھی یہ بات سامنے نہیں لاؤں گا کہ آپ کی موت جعلی ہے۔“

صدف اور طاہر مرزا اعظم بیگ کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

”ہمیں منظور ہے۔“

”اٹھو بیٹا بہت وقت ہو گیا ہے۔“ شہاب نے کہا۔

”رکئے تو شہاب صاحب۔“

”میرا کام ختم ہو گیا ہے، مرزا طاہر بیگ، اب یہ آپ لوگوں کو طے کرنا ہے کہ کس طرح اس مسئلے کو سنبھالتے ہیں..... یہ آپ کی ذمہ داری ہے، مرزا اعظم بیگ کو بیمار ظاہر کیجئے یا کسی حادثے کا شکار کرو دیجئے..... سارے کام بہت عمدگی سے ہونے چاہئیں، کہیں کوئی چوٹ کھائی آپ نے تو آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔“

”ہم یہ صلاحیت نہیں رکھتے، شہاب بھائی، ہم یہ صلاحیت نہیں رکھتے، اتنی عمدگی کے ساتھ یہ نہیں کر پائیں گے ہم ایسا نہ کیجئے جب ہمیں یہ خوشخبری دے دی ہے آپ نے تو انسانیت کے نام پر ہی سہی، تھوڑی سی مدد اور کیجئے ہماری..... ہم اتنی خوش اسلوبی سے یہ سب کچھ نہیں کر سکیں گے۔“ صدف نے کہا اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی، بیٹا نے ایک دم کہا۔

”ٹھیک ہے صدف تم بے فکر رہو، مرزا صاحب آپ تھوڑا سا توقف کیجئے فی الحال آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے..... آپ یہاں آرام کریں، کچھ دن ان لوگوں کے ساتھ خوش و خرم طریقے سے گزار لیں اس کے بعد جب ہم آگے اقدامات کریں گے تو آپ کو یہاں سے ہٹالیا جائے گا اور پھر ہم خود وہ انتظامات کریں گے جو ہمارے لئے ضروری ہوں گے..... آپ مطمئن رہیں صدف..... ہم یہ سب کر لیں گے اور مرزا اعظم بیگ صاحب آپ کسی تردد کے بغیر وقت گزارائیے..... سنڈکیٹ کی طرف سے اگر آپ کو کچھ خصوصی ہدایتیں ملیں تو بہتر ہو گا کہ آپ وہ ہم تک پہنچا دیں، فی الحال آپ کو اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں ہے جب تک کے آپ کے بارے میں انہیں یہ علم نہیں ہو جائے گا کہ آپ سنڈکیٹ سے منحرف

چلے ہیں اور اس کے بعد ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔“

”ٹھیک ہے..... یہ بھی ٹھیک ہے..... کیا میں آپ کی طرف سے مطمئن ہو جاؤں.....“

اب صاحب۔

”مزید کہنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ہماری طرف سے بالکل بے فکر رہیں لیکن جو آیا ہے وہ ضروری ہے۔“

پھر جب شہاب اور بیٹا واپس لوٹ رہے تھے تو بیٹا نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

”شہاب..... میں اپنی اوقات سے زیادہ تو نہیں بول گئی، اصل میں صدف کے لئے باقی ہو گئی تھی..... آپ یقین نہیں کر سکتے کہ جس طرح میں نے اس کے انداز میں ایک عوام بچے کی طرح سے بلکنے کی کیفیت پائی تھی بس نا جانے کیوں مجھے ایک دم یہ احساس ہوا کہ میں خود اپنے باپ کی زندگی کے لئے بلک رہی ہوں..... شہاب انسان کے اندر اتنے جذبات تو پیدا ہو ہی جاتے ہیں، اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف کر دیتا۔“ شہاب نے اس کر اس کے رخسار پر ایک چپٹ لگائی اور بولا۔

”کیا تم مجھے انسانی جذبات سے بالکل عاری سمجھتی ہو، بیٹا نے اپنا رخسار شہاب کے اندھے سے ٹکادیا تھا۔



چینا درحقیقت ایک خطرناک آدمی تھا..... ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے۔ اسی طرح بیٹا بھی جرم کی دنیا میں آنے کی ایک کہانی تھی، لیکن وقت نے ہر کہانی کو پس پشت ڈال دیا فدا اب وہ صرف ایک جرائم پیشہ آدمی تھا ایک اجرتی قاتل۔ کئی قتل اس کے کھاتے میں تھے لیکن کچھ تعلقات، کچھ ذہانت، اسی طرح وہ آج تک بچا ہوا تھا۔ کچھ بڑے لوگ اس کے پشت پناہ تھے اور چونکہ وہ ان کا راز دار تھا اس لئے وہ بھی اس کے راز دار تھے۔

زندگی میں اگر چینا کی کوئی کمزوری تھی تو وہ صرف شہزاد تھا..... اس کا بارہ سالہ بیٹا شہزاد..... چینا کی بیوی مرچلی تھی اور لوگوں کا کہنا تھا کہ چینا اپنی بیوی کو بے پناہ چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے جرم کی زندگی اپنائی تھی، بیوی کی زندگی بچانے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ بہر حال یہ ایک الگ کہانی ہے، بعد کی کہانی یوں تھی کہ بیوی کی نشانی کو سینے سے لٹائے اس نے زندگی کے چند سال گزارے اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو لے کر ایک رات

اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ بھائی خود غرض قسم کا آدمی تھا..... چینا نے دو سالہ شہزاد کو بھاج کو گود میں دیتے ہوئے کہا۔

”دیکھ بھائی مجھے پتا ہے بھیا کی کوئی آمدنی نہیں ہے تو پریشانی میں زندگی گزارتی ہے اتنا دوں گا تجھے کہ مزے سے وقت گزارے گی لیکن نتیجے میں تجھے شہزاد کی پرورش کرنا ہوگی اور ایک بات تم دونوں کان کھول کر سن لینا، میرے بچے کی پریشانی پر ایک دشمن نہ آنے پائے۔ بس سمجھ لو اس دشمن میں تمہاری موت چھپی ہوگی..... اس کے ساتھ ہی اس نے ایک بڑی رقم اپنی بھاج کو دی تھی، بہر حال یہ رقم پا کر ہر قسم کی شکلیں مٹ گئی تھیں..... پھر درحقیقت شہزاد کی وجہ سے ان دونوں کی زندگی بن گئی، عمدہ سامکان انہیں مل گیا، زندگی کی ہر آسائش حاصل ہو گئی اور چینا کا بھائی بھابی عیش سے اس گھر میں رہنے لگے۔

شہزاد کو کچھ دن کے بعد ایک بہترین سکول میں ڈال دیا گیا..... چینا کی خواہش کے مطابق شہزاد کو یہی بتایا جاتا رہا تھا کہ چینا اس کا چاچا ہے اور ننھا سا شہزاد اس کو چاچا کہہ کر ہی مخاطب کرتا تھا..... چینا کو اس سے غرض نہیں تھی، وہ تو بس شہزاد کی ایک اچھی زندگی چاہتا تھا، اپنے آپ کو اس سے دور رکھ کر وہ اس کی پرورش کا خواہش مند تھا..... ہاں یہ الگ بات ہے کہ کچھ سال کے بعد جب شہزاد سات یا آٹھ سال کا تھا..... ایک دن وہ اچانک ہی اپنے بھائی کے گھر پہنچ گیا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی اور بھاج کہیں گئے ہوئے ہیں، ان کے بچے بھی ان کے ساتھ تھے اور شہزاد گھر میں تنہا تھا اور اپنے لئے کچن میں چائے بنا رہا تھا، اپنے بیٹے کو اس طرح مصروف دیکھ کر چینا کے سینے میں آگ لگ گئی، اس نے بیٹے کے ساتھ مل کر کھانا انا کھایا رات کو بھائی بھابی بھی آگئے تو وہ ان سے بڑی محبت سے پیش آیا اور رات کو جب شہزاد اور بھائی کے بچے سو گئے تو چینا ان کے کمرے میں گھس گیا اور پھر اتنا مارا اس نے ان دونوں کو کہ ان کی شکلیں بگڑ گئیں..... وہ معافیاں مانگتے رہے لیکن چینا نے انہیں معاف نہیں کیا اور ان کا حلیہ بگاڑ دیا..... پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کتے کے بچو جس تھالی میں کھا رہے ہو اس میں سوراخ کر رہے ہو، شہزاد کی وجہ سے تم آدمیوں کی طرح زندگی گزار رہے ہو، تم میرے بچے کے ساتھ۔“ دونوں کے ہوش خراب ہو گئے تھے، شکلیں پٹ پٹ کر بگڑ گئی تھیں..... وہ چینا کے قدموں میں گر پڑے اور انہوں نے کہا کہ آئندہ اسے کبھی ایسی شکایت نہیں ہوگی..... چینا نے پستول نکال کر ان کا

بچہ پر رکھتے ہوئے کہا۔

”ستائیس قتل کر چکا ہوں اور یہی کرنا ہے مجھے زندگی بھر..... تم دوکتوں کو مارنا میرے لئے مشکل کام نہیں ہوگا..... جینا چاہتے ہو تو عقل کے ساتھ جیو، ایسی بے عقلی کبھی مت کرنا، اس بچے میں میری جان ہے..... میں نے کتنی بڑی قربانی دی ہے اس بچے کے لئے کہ اپنے باپ ہونے کی حیثیت چھین لی ہے، اپنے آپ اپنے ہاتھوں سے..... اگر اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تم نے تو سمجھ لو کہ کتے کی موت مار دوں گا اور پھر کئی سال تک اس نے خفیہ طریقوں سے ان لوگوں کی نگرانی کی لیکن کام ہو گیا تھا، اب وہ شہزاد کے قدم چاٹتے تھے، چینا نے ان کی حرکت دیکھتے ہوئے نفرت بھرے انداز میں کہا تھا۔

”دھت تیری دنیا کی، کوئی تو شرافت اور محبت سے بھی کسی کی بات مان لے..... حسرت ہی رہی بہر حال بڑے لوگوں سے اس کا رابطہ تھا..... بہت سے بڑے لوگوں نے اسے فنکاروں کاموں میں استعمال کیا تھا اور اب بھی ایک بڑے آدمی نے اسے ایک اہم کام پر متعین کیا تھا، کام بہت بڑا تھا..... محکمہ پولیس کے دو بہت بڑے افسروں کو قتل کرنا تھا..... ایک انپکڑ جنرل اور دوسرا آفیسر سپیشل ڈیوٹیز۔“

چینا نے عادت کے مطابق دونوں کام خود کرنے کی کوشش کی تھی، اس نے انپکڑ جنرل پر حملہ کیا اور دوسرے دن اسے علم ہو گیا کہ نادر حیات بچ گئے ہیں..... دوسری کوشش اس نے شہاب پر کی تھی حملہ کرنے کے بعد وہ وہاں نہیں رکھا تھا لیکن دوسرے دن اس کے گروہ کے آدمیوں نے اسے بتایا کہ یہ دوسرا حملہ بھی ناکام رہا ہے۔

”سالی تقدیر ہی پھڑا کر رہی ہے..... دونوں وارنا کام رہے لیکن اب ایسا نہیں ہوگا..... اب جو کچھ ہو گا وہ کامیاب ہوگا..... شیخ سلطان کے فون نے اس کا موڈ اور خراب کر دیا، بعد میں وقت متعین کر کے شیخ سلطان نے اس سے ملاقات کی اور بولا۔

”کیا کر رہے ہو چینا۔ میں نے پانچ سالہ منصوبہ تو نہیں بنایا ہے۔ دونوں زندہ ہیں۔“

”اے شیخ صاحب پھڑا انہیں ہاں ان لوگوں کی زندگی کے کچھ سانس باقی ہیں.....

پورے کرنے دو حملہ کر چکے ہیں دونوں بچ گئے ہیں مگر اب نہیں بچیں گے..... اب ہم ان کا

بھنڈر کر کے ہی دم لیں گے۔“

”کتنا وقت لو گے۔“ شیخ سلطان نے پوچھا۔

”کیا مطلب۔“

”صرف چوبیس گھنٹے دے سکتا ہوں تمہیں۔“

”اس کے بعد۔“ چینا نے بھنوس سیڑ کر پوچھا۔

”کوئی اور بندوبست کروں گا۔“

”ٹھیک ہے شیخ صاحب! آپ دوسرا بندوبست کر لو اپن کا معاہدہ کینسل۔“

”ایسے معاہدے اس طرح کینسل نہیں ہوتے چینا۔“ تم میرے رازدار ہو تمہیں ایسے

تو نہیں چھوڑ سکتا۔“

”دیکھو شیخ صاحب..... جاؤ..... جان بھی بچاؤ اور عزت بھی..... چینا تمہارے سامنے

کچھ بھی نہیں ہے، اسے کچھ بتانے کی کوشش مت کرو..... وہ بن جائے گا۔“

”چینا تمہیں ہمارے ساتھ کام کرنا ہے..... اس طرح بات بگڑنی نہیں چاہئے۔“

”بات تو تم بگاڑ رہے ہو شیخ صاحب۔“

”میری جان..... تمہیں نہیں معلوم ان دونوں نے میری زندگی عذاب کر رکھی ہے،

جتنی جلدی کام ہو جائے اچھا ہے۔“

”آگے مت بولنا کہ کسی اور کا بندوبست کر لو گے۔“

”ٹھیک ہے بابا..... مگر جلدی کرو!“ شیخ سلطان ٹھیک ہو گیا تھا..... اس کے جانے کے

بعد چینا اس سلسلے میں پلاننگ کرنے لگا، اس بار وہ جلد بازی میں کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا اور

موثر قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا لیکن دوسرے دن شام کو اس کا بھائی دوسرے شہر سے اس کے

پاس پہنچ گیا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔“

”کیا بات ہے..... چینا نے پوچھا۔“

”بڑے بھیا..... شہزاد..... شہزاد کو سکول سے اغوا کر لیا گیا ہے..... لڑکے بتا رہے تھے

کہ سرخ رنگ کی ایک کار سے کچھ لوگ سکول کے گیٹ کے پاس اترے اور اسے گھيٹ کر کار

میں لے گئے۔“

چینا کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔



چینا کچھ دیر تک اپنے بھائی کا چہرہ دیکھتا رہا..... رشتے ناطے تو اب اس کی نگاہوں میں

بے مقصد ہو کر رہ گئے تھے..... یہ بات اس کا بھائی بھی جانتا تھا کہ سامنے جو شخص کھڑا ہے اس

کے ہر بات کی توقع رکھی جاسکتی ہے، چنانچہ وہ خوف سے کانپ رہا تھا..... میاں بیوی میں

ٹٹو بھی ہوئی تھی۔ شہزاد کے غائب ہونے کے بعد بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے،

ناتے کہا تھا۔

”اب کیا ہوگا؟“

”سمجھ لے..... زندگی کا وقت پورا ہو گیا ہے۔“

”اس سے تو اچھا تھا کہ ہم غربت میں زندگی گزارتے رہتے..... دال روٹی ملتی مگر جیتے

اپنا مرضی سے۔“

”وہ بھی نہیں کر سکتے تھے ہم۔“

”کیوں؟“

”میری ماں نے ایک سانپ جتنا تھا وہ سانپ اب شیش ناگ بن چکا ہے..... ہم اس

ناگ سے نہیں بچ سکتے تھے۔“

”مگر اب ہو گا کیا، تم پولیس میں رپورٹ لکھو اور۔“

”اس سے پوچھے بغیر کچھ کرنا مصیبت مول لینا ہی ہے۔“

”ایسا کیوں نہ کریں کہ چپ چاپ بھاگ چلیں کہیں۔“

”قہر کی گہرائیوں میں بھی وہ ہمیں تلاش کر لے گا اور بار بار مارے گا ارے پاگل تو

نہی نہی۔“

”میں کیا سمجھوں گی میرے اماں باوا نے تو مجھے تم لوگوں کے حوالے کر دیا تو
نجانے کیا سوچا تھا کم بختوں نے ارے کبھی کبھی یہ ماں باپ ایسا سلوک کرتے ہیں اپنا اولاد
کے ساتھ کہ بس کچھ کہے نہ بن پائے۔“

”اب روتی بیٹی رہے گی کہ کوئی ترکیب بھی بتائے گی، مصیبت آپڑی ہے ہم پر
بتا کہ اس مصیبت سے کیسے نہیں۔“

”تمہارا بھائی ہے وہ تم ہی جانو۔“

”اس کتے کے پلے کو ہر جگہ تلاش کر لیا۔ سرخ رنگ کی کوئی کار اس شہر ہی میں نہیں
ہے، مجھے تو یہی پتا چلا ہے۔“

”تمہیں تو پتا بتانے والے بھی تمہارے جیسے ہی ہوں گے۔“

”خدا تجھے عارت کر دے۔۔۔۔۔ اب تو یہی کہوں گا تجھے پالنے کے چکر میں ہی اپنی زندگی
سودا کر بیٹھا ہوں، جارہا ہوں اسی بھیڑیے کے پاس، واپس نہ آؤں تو فاتحہ کروالینا میری پو
کے بھائی نے کہا تھا اور اس کے بعد وہ چینا کے پاس پہنچ گیا تھا اور اس کا اندازہ بالکل ٹھیک
تھا۔۔۔۔۔ چینا نے سرد لہجے میں کہا۔“

”جب میں گھر سے چلا تھا نا چینا تو اپنی بیوی سے تیری بھادج سے کہہ کر آیا تھا کہ واپس
نہ اپنی چوڑیاں توڑ لے، بیوہ سمجھ لے خود کو، بھاگ بھی سکتے تھے ہم دونوں کہیں لیکن
بہت محبت تو ہمیں بھی ہو گئی ہے اس سے، ٹھیک ہے مار لے تو ہمیں تیرا میں کیا بگاڑ
ہو تو کہہ چکا ہے ناکہ تیرے ہاتھوں بے شمار انسان موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں، ایک
ہی مر جاؤں گا تو کیا فرق پڑے گا تیرے کارناموں میں ایک کا اضافہ ہو جائے گا اور بس
مجھے بتا قصور میرا تو نہیں ہے۔۔۔۔۔ معمول کے مطابق وہ سکول گیا تھا، معمول کے
سکول سے گاڑی میں بیٹھ کر گھر آتا تھا۔۔۔۔۔ گاڑی کھڑی ہوئی تھی، بچے اس میں چڑھ
تھے۔ وہ بھی باہر نکلا سرخ رنگ کی ایک کار آ کر رکی اسے اس میں زبردستی بٹھایا گیا اور
لائی۔۔۔۔۔ میرا کیا قصور؟“

”سکول کے سارے بچوں سے کہہ دے کہ تین دن تک سکول نہ آئیں۔۔۔۔۔ تین دن
نہ اندر وہ سکول اپنی جگہ قائم نہیں رہے گا۔“ چینا نے کہا۔

”تجھے مشورہ دینے کا کوئی حق نہیں ہے مجھے اور نہ ہی میری ہمت ہے لیکن آج جب
دینے ہی آیا ہوں تو تو مجھے بتا دے سکول تباہ کرنے سے شہزاد مل جائے گا کیا؟“

”تو پھر کیسے ملے گا وہ۔۔۔۔۔ کیسے ملے گا؟“ چینا نے کہا اور اسی وقت کسی نے دروازے پر
مدی اور چینا نے سرد نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا اور بولا۔

”اندر آؤ۔۔۔۔۔ کون ہے؟“ ایک آدمی اندر داخل ہو گیا تھا۔

”چینا نوں ہے۔“ اس نے کہا۔

”کوئی فون نہیں سنوں گا اس وقت۔“

”کہنے والا کہتا ہے کہ بات کرنا بہت ضروری ہے۔“

اس آدمی نے کہا۔

”میں نے کہنا تجھ سے۔۔۔۔۔ خیر موبائل پر ہے۔“

”ہاں چینا۔“

”گدھر ہے موبائل۔“

”یہ ہے نا میرے پاس۔“

”لا اور دفعہ ہو جا۔“ چینا نے کہا اور اس شخص نے موبائل چینا کی جانب بڑھا دیا اور چینا

”اندر آ۔۔۔۔۔ اندر آ۔“ اور وہ چینا کے ساتھ اندر چل پڑا۔ پاؤں کانپ رہے تھے
ہمت تو قائم رکھنی تھی۔۔۔۔۔ چینا اسے اندر کمرے میں لے گیا، پھر آہستہ سے بولا۔

”بھائی ہے تو میرا۔۔۔۔۔ ہم دونوں کے جسم میں ایک ہی خون ہے لیکن تو میرے اندر
بات نہیں جانتا۔۔۔۔۔ بہت برا انسان ہوں میں نجانے کتنے اپنے جیسوں کو زندگی سے محرو
کر چکا ہوں، لیکن کم بخت اس دل میں کوئی ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جس میں ابھی سرفی ہو
ہے اور یہ سرخ رنگ میرے بیٹے شہزاد کا ہے۔۔۔۔۔ میں اس حصے میں بہت تکلیف محسوس کر
ہوں، وہ مجھے یاد آتا ہے اس کے لئے میں نے اپنی ذات کی قربانی دے دی ہے۔۔۔۔۔
سارے حقوق اپنے ہاتھوں سے ختم کر لئے ہیں کہ کوئی اسے برے آدمی کی اولاد نہ سمجھے
جو کچھ کہہ رہا ہے اس کے بعد کیا اس دنیا کو قائم رہنا چاہئے، کیا مجھے زندہ رہنا چاہئے؟
نہیں مناسک تو اتنے انسانوں کو ضرور مار دوں گا کہ دنیا بھی یاد رکھے گی اور ان میں سب
پہلے مرنے والا تو ہو گا۔۔۔۔۔ کتے تو۔“ اس نے آگے بڑھ کر بھائی کا گریبان پکڑ لیا لیکن
وقت چینا کا بھائی بھی عجیب کیفیت میں تھا۔۔۔۔۔ اس نے کہا۔“

نے اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں بولو کون ہے۔“

”چینا۔“

”تیرا باپ، سمجھا۔“ چینا نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”بیٹے اپنے دادا سے بات کر رہا ہے تو۔“ دوسری جانب سے آواز آئی۔ ”چینا کے لئے یہ لہجہ اور آواز اجنبی تھی، اس نے چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی..... پھر آہستہ سے بولا۔
”کون ہے..... بتادے کیا فائدہ میرے موبائل کا نقصان کرادے گا کھینچ کر دیوار پر مار دوں گا۔“

”اگر تو اسے کھینچ کر دیوار سے مار دے گا چینا تو زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے دوچار ہوگا۔“

”کہنا کیا چاہتا ہے؟“ چینا نے کہا۔

”یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھ سے بات کر..... بیٹے کی گمشدگی کی اطلاع مل گئی تھی۔“ دوسری جانب سے آواز آئی اور ایک بار پھر چینا کے جڑے بھیج گئے، چند لمحوں تک وہ کوئی جواب نہ دے سکا، پھر آہستہ سے بولا۔

”ہاں۔“

”اسے ہم نے اغوا کیا ہے۔“

”کاش..... کوئی ایسا ذریعہ ہو تاکہ مجھے تیرے اور تیرے خاندان کے بارے پتا چل سکتا تو تو بھی یاد کر تاکہ زندگی میں تو نے کبھی کوئی غلطی کی ہے۔“
”غلطی نہیں کی نا چینا..... تجھے میرے اور میرے خاندان کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے، جب میں نے غلطی نہیں کی ہے تو تو میرا کیا گاڑ لے گا..... کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مطلب کی بات کر۔“

”بول بول بول کتے..... کتنی ہڈیاں چاہئے تجھے۔“

”تو مجھے کتا کہہ کر مخاطب کر رہا ہے..... میں تجھے کیا کہوں چینا۔“

”کام کی بات کر..... کام کی کتنی رقم چاہتا ہے؟“

”میں تیری مہیا کی ہوئی رقم اور تیری صورت پر تھوکتا ہوں، اسلئے نہیں کرتا، تیری جو

وقت ہے اپنی اس اوقات میں رہ کر بات کر۔“

”شنہزاد تیرے پاس ہے؟“

”ہاں۔“

”اس وقت موجود ہے؟“

”ہاں ہے۔“

”مجھ سے بات کر۔“ چینا نے کہا۔

”ٹھیک ہے ایک منٹ انتظار کر۔“ دوسری جانب سے آواز آئی اور چینا خاموشی سے انتظار کرتا رہا اور چند لمحوں کے بعد اسے اپنے بچے کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو..... چاچا تم بول رہے ہو؟“

”شنہزاد کیسا ہے تو؟“

”چاچا..... ٹھیک ہوں یہ انکل جو ہیں نا بہت اچھے ہیں اور آنٹی بھی بہت اچھی ہیں چاچا..... مجھے خوب کار میں سیر کرائی ہے انہوں نے اور یہاں لا کر بہت سے کھلونے دیئے ہیں مجھے..... چاچا مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے، اگر تم اجازت دو اور بابا اجازت دے تو میں بندوق انکل اور آنٹی کے ساتھ رہ جاؤں۔“

”فون اسے دے دے..... شنہزاد۔“ چینا نے کہا۔

”چاچا..... بابا کہاں ہے؟ تم اسے میرے بارے میں بتا دینا کہ میں انکل اور آنٹی کے

ساتھ ہوں۔“

”ہاں ٹھیک ہے فون اسے دے دے۔“ اور پھر چند لمحوں کے بعد چینا کو آواز سنائی دی۔

”ہاں چینا۔“

”معاف کر دینا مجھے..... معاف کر دینا تو نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس نے تیرا بدلہ میری گردن پر پہنچا دیا..... معاف کر دینا جو کہہ چکا ہوں تجھے، غصے میں تھا بول کیا چاہتا ہے؟“

”چینا..... کام معمولی نہیں ہے۔“

”کوئی کام مشکل نہیں ہوتا، اگر وہ کام ہوتا ہے کیا تو مجھے امریکہ کے وزیراعظم کو قتل

کرنے کو کہے گا۔“

”نہیں..... اتنی دور نہیں بھیجوں گا تجھے..... اپنے ہی شہر کی بات ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”تجھے قتل کرنا ہے چینا۔“

”ہوں..... تیرا کوئی دشمن ہے؟“

”ہاں۔“

”کسی اور سے یہ کام کرا لے مجھ سے پیسے لے لے۔“

”چینا تجھے ہی یہ قتل کرنا ہے اور میرا خیال ہے کہ مذاق کی باتیں بہت زیادہ ہو گئیں، اب کام کی باتیں کر۔“

”کون ہے؟“ چینا نے سوال کیا۔

”شیخ سلطان ہے اس کا نام، تو شاید اس کو جانتا ہو اور اگر نہیں جانتا تو میں تجھے اس کی فرم کا پتا بتاتا ہوں۔“

”بتا۔“ چینا کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار پیدا ہو گئے تھے، وہ اس شک کا شکار تھا کہ ممکن ہے کہ یہ شیخ سلطان کوئی اور ہو لیکن جب اس کی فرم کا پتا بتایا گیا تو چینا ششدر رہ گیا..... کچھ لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”ایک بات بتا۔“

”ہاں بول۔“

”کیا دشمنی ہے اس سے تیری؟“

”چینا..... یہ بتانا مشکل ہے۔“

”ایک بڑی عجیب بات ہوئی ہے دوست، میری بات سن لے۔“

”صرف ایک بات بتا چینا کیا تو میرے کام سے گریز کرنا چاہتا ہے؟“

”بالکل نہیں..... اس نے خود مجھے کچھ لوگوں کو قتل کرنے کو کہا ہے۔ میری ان لوگوں سے بھی کوئی دشمنی نہیں میرا تو معاملہ ہی نہیں تھا، معاوضہ دے رہا ہے مجھے..... اب تم مجھے اس کے قتل کے لئے کہہ رہے ہو، لیکن تمہارا معاوضہ زیادہ ہے..... شہزاد میرے لئے بہت بڑی چیز ہے، میرے بھائی کا بیٹا ہے وہ اور جواب میں چینا کو ہنسی سنائی دی تھی، پھر اس نے کہا۔ ”اور ابھی تک میں نے شہزاد کو یہ بات نہیں بتائی چینا کہ وہ تیرے بھائی کا نہیں تیرا اپنا

”دوسری طرف سے ادا کئے جانے والے الفاظ چینا کے لئے کسی بم کے دھماکے سے بچے، اس کا ذہن دیر تک اس آواز کی گونج کا شکار رہا تھا اور ششدر کھڑا سوچتا رہا تھا۔ آواز بنائی دی۔“

”مسئلے کو اتنا گہرا تو خود بنا رہا ہے چینا، حالانکہ یہ تیرے لئے معمول کی بات ہے۔“

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے اور کوئی بات نہیں کروں گا میں تجھ سے پھر اس کے بعد کیا لے گا۔“

”عزت و احترام کے ساتھ تیرے بیٹے کو واپس اس کے سکول پہنچا دیا جائے گا یا تیرے رکے دروازے پر چھوڑ دیا جائے گا، اس گھر کے دروازے پر جو تیرے بھائی کا گھر ہے.....“

”نہ رہا ہے نا۔“

”ہاں سمجھ رہا ہوں..... اس کے بعد تیرا اور بات تو نہیں کرے گا۔“

”نہیں وعدہ۔“

”تیرے وعدے پر اعتبار کرنا میری مجبوری ہے کیونکہ میرے دل کا ٹکڑا تیرے قبضے میں ہے۔“

”اس سے بات کی ہے تو نے چینا..... یہ سمجھ لے کہ وہ میرے لئے اس وقت تک اپنے بچے کی مانند رہے گا جب تک تو میرا کام نہیں کر دیتا..... کل دن میں شیخ سلطان کے دفتر میں آنا ہو کر اسے وہیں ہلاک کر دینا ہے..... باقی تو جان اور تیرا کام جانے میں اس سلسلے میں کچھ نہ کہوں گا، لیکن میرا یہ وعدہ ہے تجھ سے کہ تیرا بچہ خیریت سے واپس گھر پہنچ جائے گا۔“

”ٹیلی فون بند کر دوں؟“

”ہاں اور کوئی اہم بات نہیں رہ گئی ہے۔“

”ٹھیک ہے..... تیرا کام تیری خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔“ چینا نے کہا اور بالکل آف کر دیا اور اس کا بھائی خاموشی سے کھڑا اس کی شکل دیکھ رہا تھا..... اسے اپنی ہی ان کی فکر پڑی ہوئی تھی..... کافی دیر تک چینا خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے ایک پھینکی سی راہب کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”دھت تیرے کی، کیا کہوں مجھ جیسے آدمی سے اگر کوئی نیک کام کرنے کے لئے بھی نہ کہو یہی کہ فلاں کو مار دے۔“

”بڑے بھیا میں۔“

”تو کچھ مت کر..... میرے بیٹے تو بھی تو میرے لئے اولاد کی طرح ہے۔“ چینا نے اس سے کہا اور اس کا بھائی چونک کر اسے دیکھنے لگا، یہ جملے تو شاید اس نے کبھی چینا کی زبان سے نہیں سنے تھے، لیکن چینا کا کیا ٹھکانا ابھی کچھ کہہ رہا ہے ابھی بات تبدیل کر دے، وہ خاموشی سے چینا کی شکل دیکھتا رہا..... نجانے کیوں چینا کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی انہونی ہو رہی ہے..... اس نے بھائی سے کہا۔

”اور رشیدے۔“

”جی بڑے بھیا۔“

”جانا ہے تجھے واپس؟“

”میں سمجھا نہیں بڑے بھیا۔“

”ابھی گھر واپس جائے گا۔“

”جاؤں۔“

”نہیں ٹھہر کچھ دیر میرے پاس کھانا میرے ساتھ کھا۔“

”بڑے بھیا میں شہزاد کے لئے پریشان ہوں۔“

”نہیں..... اس کے لئے ابھی پریشان نہ ہو جب میں کہوں تو پریشان ہو لینا..... ابھی سب ٹھیک ہے..... آمیرے ساتھ آ۔“ نجانے کیوں چینا کے رویے میں عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، وہ اپنے بھائی کو ساتھ لئے ہوئے ایک اور کمرے میں آگیا..... راستے میں اس نے کھانے کے لئے کہہ دیا تھا..... اس کا بھائی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا..... اس کا چہرہ ابھی بھی دہشت سے زرد پڑا ہوا تھا..... بات اصل میں شہزاد کی تھی، جس کے لئے چینا نے کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا..... کھانا بے شک منگو لیا گیا تھا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید چینا نے اسے زندگی سے محروم کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب اسے کھلا پلا کر مار دینا چاہتا ہے، کھانے سامنے آگیا تو چینا نے کہا۔

”چل شروع ہو جا۔“

”بڑے بھیا۔“ رشیدے کی آواز ابھری۔

”ہاں بول۔“

”بڑے بھیا مجھے معاف نہیں کرو گے تم۔“

”کیوں..... کیا ہو گیا؟“

”بڑے بھیا کیا فیصلہ کیا ہے تم نے میرے بارے میں؟“

”کچھ نہیں..... جس سے میری بات ہوئی ہے نارشیدے وہ کہتا ہے کہ شہزاد کو وہ

”بڑے بھیا..... تم سچ کہہ رہے ہو۔“ رشید نے کہا اور چینا چونک کر اسے دیکھنے لگا اور بولا۔

”تو اس قابل ہے کہ تجھ سے جھوٹ بولا جائے..... جھوٹ اس سے بولا جاتا ہے جس

”کوئی ڈر ہو..... کوئی خوف ہو..... مجھے تجھ سے کوئی ڈر ہو سکتا ہے..... ہوش قائم رکھ

اپنے..... کہیں ایسا نہ ہو کہ میری کھوپڑی خراب ہو جائے۔“

”نہیں بڑے بھیا نہیں..... معافی چاہتا ہوں۔“

”کھانا کھا۔“ اور رشیدے اس حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا اور چینا خود بھی کھانا کھا

ہاتھا، چینا نے کہا۔

”دیکھ اس کا کہنا ہے کہ اگر میں نے اس کا کام کر دیا تو وہ شہزاد کو ہمارے حوالے کر دے

..... وہیں پہنچا دے گا، اب تو اتنی بھی عقل خراب نہ کرنا کہ شہزاد کی طرف سے دماغ

نی بٹالے، کل ہم اس کا کام کر دیں گے اور جیسے ہی وہ شہزاد کو تیرے پاس پہنچائے فوراً یہاں

”اگر مجھے خبر دینا، بلکہ شہزاد کو بھی ساتھ لیتے آنا..... سمجھا اسی جگہ۔“

”ٹھیک ہے..... بڑے بھیا۔“

”کھانا کھالے اور پھوٹ لے۔“ چینا نے کہا اور اس کے بعد خاموشی سے کسی سوچ میں

”اوب گیا۔“



بینا کے چہرے پر شدید تشویش کے آثار تھے، وہ پریشان نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی

تھی اور شہاب مسکرا رہا تھا..... اس کی مسکراہٹ پر بینا کو غصہ آگیا اور وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔

”اس وقت تمہارا مسکرانا مجھے برا لگ رہا ہے۔“

”لیکن تمہارا مسکرانا مجھے بالکل برا نہیں لگا..... کسی بھی وقت۔“

”ما.....“

ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کی ہر مشکل سے محفوظ رکھے لیکن اپنے طور پر بھی حفاظتی ذہانت کرتے رہنا ضروری ہے۔“

”ہم نے آپ کی دعاؤں کا حصار اپنے گرد قائم کر لیا ہے اور بتاؤ کیا کریں؟“ شہاب نے بتے ہوئے کہا باہر سے جو ہر خان کی آواز سنائی دی۔

”صاحب..... کیا میں اندر آسکتا ہوں؟“

”آؤ خان صاحب۔“ شہاب نے کہا اور جو ہر خان اندر داخل ہو گیا۔

”وہ سردار علی فرازو وغیرہ آئے ہیں۔“

”ہاں ہاں بلا لیجئے۔“

”ایک بچے کو بھی ساتھ لائے ہیں۔“ جو ہر خان نے کہا اور شہاب چونک پڑا اور بولا۔

”اچھا ٹھیک ہے ان کو پانچ نمبر میں پہنچا دیجئے۔“

”جی صاحب۔“ جو ہر خان نے کہا اور گردن جھکا کر چلا گیا، مینا چونک کر شہاب کو دیکھنے لگی تھی۔

”بچہ؟“

”ہاں۔“ شہاب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”کون ہے؟“

”مینا..... تمہارا اصرار تھا تا کہ اپنے تحفظ کے لئے میں کچھ کروں..... سو میں نے کر ڈالا

ہے..... آؤ اس بچے سے ملاؤں تمہیں۔“

”چلو مگر ہے کون؟“ مینا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”بتا دوں گا، پہلے اس سے مل لو۔“

”کچھ بتاؤ تو مہی بھی، ہر مسئلے میں پریشان کرنا اب تمہاری عادت بن گئی ہے۔“

”تو محترمہ اب پریشان ہونے لگی ہیں۔“

”ہاں..... ہاں..... ہاں بتاؤ کون ہے؟“ مینا تازہ بھرے انداز میں بولی اور پھر ہنس کر کہنے لگی۔

”آخر نصف بہتر ہوں تمہاری۔“

”مینا وہ چینا کا بیٹا ہے۔“

”کیا؟“ مینا ایک دم چونک کر رُک گئی۔

”اگر اپنی مسکراہٹ کے بارے میں کہہ رہی ہو تو یقین کرو مذاق بالکل نہیں کر رہا۔“

”خدا نخواستہ کچھ ہو جاتا تو؟“

”نہیں ہو تانا۔“ شہاب نے کہا۔

”حقیقتوں سے نگاہیں نہیں چرائی جاسکتیں..... یہ جذباتی جملے مجھے مطمئن نہیں کر سکیں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم میرے جذباتی جملوں سے ہمیشہ مطمئن ہوتی رہی ہو۔“

”شہاب..... تمہیں قسم ہے مذاق نہ کرنا۔“

”یہ نہیں بتایا کس کی قسم ہے۔“

”نہیں مانو گے نا۔“

”اچھا چلے مانے جاتے ہیں۔“

”کچھ کرو گے نہیں اس سلسلے میں۔“ مینا نے کہا۔

”محترمہ مینا..... جب آپ گھر میں ہوتی ہیں تو صرف اہلیہ ہوتی ہیں اور جب آپ کو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں بلایا جاتا ہے تو آپ کی اہلیت کا امتحان ہوتا ہے اور اس وقت آپ ڈیوٹی پر ہیں اور یہ الگ بات ہے کہ میں نے آپ کو پولیس ہیڈ کوارٹر کی ڈیوٹی سے بچایا ہوا ہے، آپ فرمائیے میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”شہاب..... خدا کے لئے ساری باتیں اپنی جگہ ہم جینا بھی چاہتے ہیں۔“

”مینا..... جب تک ہم یہ ملازمت کرتے رہیں گے لوگ ہماری زندگی کو ناپسند کرتے رہیں گے..... بے شک جینا کون نہیں چاہتا لیکن ہماری زندگی اسی طرح آگے بڑھے گی اس کے لئے ہمارے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔“

”لیکن اب ایسا بھی تو نہیں ہونا چاہئے کہ اس طرح کے قاتلانہ حملے ہوں اور ہمارے دشمن آزادی سے ہمارے خلاف کارروائی کرتے رہیں۔“

”دشمن کی آزادی ناپسند ہے آپ کو مینا۔“

”جی..... جی..... جی۔“ مینا جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”ٹھیک ہے..... دشمن آزاد نہیں رہے گا۔“

”شہاب..... حد سے زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی نقصان دہ ثابت

”ہاں..... چینا کا بیٹا میں نے اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی ہیں ایک دوسرے شہر میں رہتا ہے، میں نے سکول سے اغوا کر لیا ہے۔“

”اغوا۔“

”ہاں۔“

”کیوں؟“

”میںا مجھے معلوم ہے کہ اس کا بیٹا اس کی دکھتی ہوئی رگ ہے..... بڑی عجیب تفصیلات معلوم ہوئی ہیں اس کے بارے میں، وہ اپنے بیٹے کو بیٹا نہیں بھتیجا کہتا ہے، اپنے بھائی کے پاس پرورش کر رہا ہے تاکہ اس کے بیٹے کو اس کا نام نہ ملے عجیب و غریب کردار چھپے ہوتے ہیں بیٹا ان برے انسانوں کے دلوں میں بھی..... پتا نہیں کون کون سے حالات انسان کو جرم کی راہ پر لے آتے ہیں..... پھر وہ جب جرم کی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ اپنا ماضی بھولتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل پتھر کا ہو جاتا ہے اور پتھر دل والے پتھروں میں کسی کا درد نہیں رکھتے اور ہر وہ غیر انسانی عمل کر لیتے ہیں جو شاید انسانوں کے لئے ممکن نہ ہو، لیکن اس غیر انسانی شخصیت کو اختیار کرتے ہوئے انہیں نہ جانے کتنا عرصہ لگ جاتا ہے..... چینا کی زندگی کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کہ کون سے عوامل کون سے حالات اسے جرم کی دنیا میں لائے تھے، لیکن اب وہ کرائے کا قاتل ہے اس کے بارے میں بہت سے شواہد موجود ہیں لیکن ٹھوس ثبوت کبھی ہاتھ نہیں آ سکے..... بہر حال وہ معاشرے کا برا کردار ہے..... میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔“

”مثلاً۔“

”چینا جیسے انسانوں کو آزاد نہیں رہنا چاہئے بیٹا..... انہیں اپنے کئے کی سزا ملنی چاہئے اور پھر ظاہر ہے جب شیر آدم خور ہو جاتا ہے تو پھر اسے خون درکار ہوتا ہے، پتا نہیں کتنے انسان چینا کے خاتمے سے اس کی درندگی کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے اور میں نے جو بچہ کیا ہے اس کی تفصیل تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔“ پھر شہاب اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں معصوم سا خرگوش بند تھا..... ہوش میں تھا..... ڈبل اوگینگ کے افراد اسے دوسرے شہر سے اغوا کر کے لائے تھے اور وہ بہت خوفزدہ نظر آ رہا تھا..... شہاب اندر داخل ہوا تو بچے نے سرخ گلابی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی گول گول خوفزدہ آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

ب کے دل میں محبت در آئی..... بیٹا تو اس خوبصورت بچے کو دیکھ کر وارفتہ ہو گئی تھی۔ بچے کے لئے وہ ٹھنکی اور پھر آہستہ آہستہ بچے کے قریب پہنچ گئی۔

”ہیلو۔“

”ہیلو آنٹی۔“ بچے نے معصوم لہجے میں کہا۔

”کیا نام ہے بیٹے تمہارا؟“

”شہزاد، مگر آنٹی یہ لوگ مجھے یہاں کیوں لے آئے ہیں..... کیا چاہتے ہیں یہ؟“ بیٹا کو راز ہی سوچھ گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

”شہزاد..... ہم لوگوں نے ایک کھیل کھیلا ہے۔“

”کھیل؟“

”ہاں۔“

”کیا کھیل؟“

”تمہارے ڈیڈی کو پریشان کرنا چاہتے ہیں ہم۔“

”کیوں؟“

”بس ایسے ہی تفریحاً تم ایک دو دن ہمارے پاس رہو گے اور پھر اس کے بعد ہم واپس

نہیں تمہارے گھر بھیج دیں گے۔“

”مگر آنٹی آپ سچ کہہ رہی ہیں۔“

”ہاں..... بالکل سچ۔“

”آنٹی! یہ لوگ خطرناک تو نہیں ہیں؟“

”ارے نہیں..... بالکل نہیں، تم انہیں انکل کہہ کر پکار سکتے ہو۔“

”ایک لفظ جھوٹ ہو تو ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرنا۔“ بیٹا نے کہا۔

”آنٹی میں تو بہت ڈرا ہوا ہوں۔“

”نہیں بیٹے..... بہادر بنجے ڈرتے تو نہیں ہیں اور اگر آپ ڈر گئے ہیں تو ہم آپ کو آپ

کے گھر واپس پہنچا دیتے ہیں..... ویسے آپ کو کار کا یہ سفر پسند نہیں آیا..... ان لوگوں نے

آپ کے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا ہو گا۔“

”نہیں آنٹی کوئی برا سلوک نہیں کیا مگر میں ڈرا ہوا ہوں۔“

”نہیں..... ڈیر بالکل نہ ڈرو..... میں ہوں نا تمہارے پاس چلے بھی آپ لوگ جائیں گے۔“
 انکل ہیں تم انہیں انکل کہہ سکتے ہو اور مجھے آنٹی..... اچھا اب یہ بتاؤ کیا کھلایا پلایا جائے تمہیں؟“
 ”نہیں آنٹی..... ابھی تو میں کچھ نہیں کھاؤں گا..... ذرا میرا ڈر ختم ہو جائے۔“ بچے کی
 خوبصورت باتوں نے مینا اور شہاب کو بہت متاثر کیا تھا، بہت دیر تک وہ بچے سے گفتگو کرتے
 رہے اور اسے تسلیاں دیں اور اس سے کہا کہ وہ ایک مخصوص وقت پر اسے اس کے باپ کے
 پاس پہنچا دیں گے..... بچے نے اپنے بارے میں مختصر تفصیلات بتادی تھیں..... بہر حال
 شہاب نے جو عمل کیا تھا ایک بہت برے انسان کو راہ راست پر لانے کے لئے وہ ضروری
 ہو گیا تھا اس کے لئے..... خاص طور پر شہنشاہ کی شکل میں..... شہاب اس مسئلے کو اسی شکل میں
 حل کرنا چاہتا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے اسے گرین سگنل دے دیا تھا اور اب اس
 کے بعد شہاب کو کسی اور سے کوئی اہم رابطہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی..... وہ اپنا
 کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہا تھا..... بہر حال بچے کو اغوا کرانے کے بعد تھوڑا سا وقفہ
 بھی ضروری تھا..... ظاہر ہے اس کے بعد جب چینا کو ساری خبر ملے گی تو اس پر رد عمل ہوگا۔
 چینا کے بارے میں اسے جو معلومات موصول ہوئی تھیں ان میں یہ بات سرفہرست تھی کہ
 چینا اگر کسی کو انسان کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو وہ اس کا اپنا بیٹا ہے..... مینا کو بھی اس نے ساری
 باتیں سمجھا دی تھیں، لیکن بہر حال مینا بچے سے بہت متاثر تھی شہاب نے اس سے کہا۔

”تم اگر چاہو تو بچے کے پاس رہ سکتی ہو۔“

”کیا واقعی۔“ مینا خوش ہو کر بولی۔

”کیوں یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔“

”نہیں..... میرا مطلب ہے تم یہ پسند کرو گے۔“

”کیوں نہیں۔“

”مگر گھر میں کیا کہو گے۔“

”نہیں..... گھر میں کچھ کہنے کا مسئلہ ہے نہیں..... نہ ہی جھوٹ بولنا ضروری ہے۔“

”سبھی جانتے ہیں کہ بہر حال تم محکمہ پولیس میں ملازمت کرتی ہو، یہ الگ بات ہے کہ بد عنوان
 کارکنوں میں سے ایک ہو، یعنی گھر بیٹھے تنخواہ لے رہی ہو۔“

”جی نہیں..... میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔“

”تمہارے شوہر کا قصور تو ہے نا..... ظاہر ہے اس کے پاس وسائل ہیں اس نے تمہیں
 ہٹھار رکھا ہے، خیر اب ایسا بھی نہیں کہ تم کوئی کام ہی نہ کرو اس بچے کے پاس رہنا سمجھ لو
 نہاری ڈیوٹی ہے۔“

”واقعی..... کتنا پیارا بچہ ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ ایک ایسے جرائم پیشہ شخص کا
 بیٹا ہے جو کرائے کا قاتل ہے۔“

”بس..... مینا دنیا نجانے کیسے کیسے رنگوں میں رنگی ہوئی ہے، کس کے بارے میں کیا کہا
 جائے، کون کیا کرتا ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔“

”شہاب..... ایک بات بتاؤ۔“ مینا پر خیال انداز میں بولی۔

”ہاں۔“ شہاب نے پوچھا لیکن مینا دیر تک کچھ نہ بولی، پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

”چلو ٹھیک ہے رہنے دو..... اوکے۔“

”بری بات ہے ایسا آئندہ نہ کرنا۔“

”نہیں یقین کرو بس یونہی نجانے کیا سوال کرنا چاہتی تھی تم سے پوچھ نہیں سکی۔“ پھر
 اس کے بعد شہاب نے مینا کو وہیں چھوڑ دیا تھا اور اپنے آفس چل پڑا تھا..... سارے کام خوش
 اسلوبی سے سرانجام پارہے تھے..... مجبور کر دیا گیا تھا اسے کہ وہ قانون کی لکیر سے ہٹ کر
 شہنشاہ کے راستوں پر آجائے..... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب جیسی شخصیت مجبور ہو گئی
 تھی۔ تو بھلا شہاب اپنی کیا حیثیت سمجھتا..... نادر حیات صاحب ڈاکٹر حیات کے قتل پر
 انگشت بدندان تھے اور نجانے ان کے ذہن میں کیسے کیسے خیالات تھے..... شہاب آفس پہنچا تو
 نادر حیات صاحب کی طرف سے طلبی ہو گئی اور اسے اپنے دفتر جانے کی بجائے ڈی آئی جی
 صاحب کے دفتر جانا پڑا..... نادر حیات صاحب نے بے چین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا
 اور بولے۔

”آؤ بھی بیٹھو..... کم از کم مجھے صورت حال سے آگاہ تو رکھا کرو۔“

”سوری سر..... صورت حال بالکل مناسب ہے۔“

”حد سے زیادہ خود اعتمادی بھی بعض اوقات نقصان کا باعث بن جاتی ہے شہاب۔“

”جی سر ضرور..... آپ کی بات میں تسلیم کرتا ہوں۔“

”تمہاری کار پر حملہ ہوا تھا؟“

”جی ہاں۔“

”سنا ہے کارگولیوں سے چھلنی ہو گئی ہے۔“

”جی سر نقصان ہو چکا ہے..... اب نقصان ہو ہی چکا ہے تو اس پر افسوس کیا کیا جائے۔“

”تم اس کار میں موجود تھے؟“

”حملہ کار پر نہیں مجھ پر ہوا تھا سر۔“

”کون تھے وہ لوگ؟“

”سر نام تو نہیں بتا سکتا ان کے لیکن بہر حال چینا کے آدمی تھے۔“

”تم اس چینا پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالتے؟“

”ڈال سکتا تھا سر، لیکن وہ بڑے کام کی چیز ہے۔“

”کون؟ چینا۔“

”جی۔“

”وہ مجھ پر بھی حملہ کر چکا ہے اور یہ بات ہمارے علم میں پہلے سے آچکی ہے کہ وہ لوگ

کیا کر رہے ہیں۔“

”جی سر۔“

”تو پھر وہ کس کام کا آدمی ہے..... میں تم سے کہتا ہوں کہ۔“

”سر آپ کا ہر حکم میرے لئے قانون ہے لیکن پلیز ابھی کوئی حکم نہ دیجئے..... چینا سے

میں ایک کام لینا چاہتا ہوں، پھر اس کے بعد وہ خود بخود قانون کی گرفت میں آجائے گا۔“

”کیا کام لینا چاہتے ہو؟“

”سر..... پانچ چوہے گھر سے نکلے کرنے چلے شکار..... ایک چوہے کو بلی کھا گئی، باقی رہ

گئے چار۔“ شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب مسکرا اٹھے..... پھر بولے۔

”چلو ٹھیک ہے یہ بات مان لیتا ہوں میں کہ تم نے ان پانچ میں سے ایک کو بڑی

ہوشیاری کے ساتھ کم کر دیا۔“

”آپ کا حکم تھا سر..... وہ قانون کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا..... جمال شاہ جیسے لوگ

اس کی پشت پر تھے۔“

”ہاں..... یہ ایک المیہ ہے..... میں نہیں جانتا کہ اپنی ملازمت کی مدت کو پورا کرتے

بئے مجھے اپنے اقتدار سے کتنا نیچے اترنا پڑے گا..... یہاں آنے کے بعد میرا مطلب ہے کہ ان واقعات سے منسلک ہونے کے بعد ایک عجیب سی بددلی دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ یقین کرو اگر ملازمت کی مدت اس قدر مختصر نہ رہ گئی ہوتی تو استعفیٰ دینے پر غور کرتا حالانکہ جانتا ہوں کہ اس کے بعد بھی مسائل میں کمی نہ ہوتی..... دشمنوں کو اپنے ساتھ گھر لے جانا لیکن شہاب ٹھیک نہیں ہے..... یہ سب کچھ کیا کہتے ہو تم۔“

”سر..... یہ سب کچھ واقعی ٹھیک نہیں ہے، لیکن میں جو آپ کی خدمت کے لئے موجود ہوں..... کیا ڈاکٹر حیات کو میں نے قتل کیا؟ چوبیس آدمیوں کا قاتل تھا وہ اور جس بے گناہ شخص کو اس نے اپنی سازش کے جال میں جکڑا تھا، وہ اس کا قاتل ہے..... خیر چھوڑیے کل ایک اور شخص قتل ہو جائے گا..... کل چار چوبیسوں میں سے ایک اور ختم ہو جائے گا، باقی رہ گئے تین۔“ شہاب کے لہجے میں پھر وہی غراہٹ بیدار ہو گئی تھی جو کسی بھیڑیے کی غراہٹ سے بھی زیادہ خوفناک محسوس ہوتی تھی..... نادر حیات نے پوری زندگی پولیس کی ملازمت میں گزاری تھی، ایسے ایسے بھیانک لوگوں سے واسطہ پڑا تھا ان کا کہ ان کی تفصیل نہ بتائی جاسکے، لیکن کبھی کبھی شہاب کے اندر وہ ایسی اجنبی شخصیت کو پاتے تھے جو ان کو لرزادیتی تھی..... وہ خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھتے رہے، ایک لمحے کے لئے شہاب کے چہرے پر عجیب سی سنگین کیفیت نظر آئی تھی اس کے بعد وہ نارمل ہو گیا اور مسکرا کر بولا۔

”سر..... میرے لئے کوئی اور حکم؟“

”کون سا چوہا کم ہونے جا رہا ہے؟“ نادر حیات نے سوال کیا اور شہاب نگاہیں اٹھا کر

انہیں دیکھنے لگا، اور پھر آہستہ سے بولا۔

”شیخ سلطان۔“



یہ دم سے دولت کے انبار نہیں آگئے تھے، ان کے سامنے بس جینے کے راستے نظر آگئے تھے اور ایک ایسی پراسرار شخصیت سے واسطہ پڑ گیا تھا، جو ان کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی ہر لمحہ ان کے سینوں میں محفوظ تھی..... جن نامساعد حالات میں شہنشاہ نے اپنے بس کا آغاز کیا تھا..... وہ سب اس کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھے تھے، یہاں تک کہ نکلات کے بھنور سے نکل آئے تھے اور اب ان کی زندگی سے جو کوئی بھی متعلق تھا وہ اس ذریعہ و عشرت میں بسر کر رہا تھا کہ شاید ان کو یہ موقع زندگی میں کبھی نہ ملتا، ایسے حالات میں وہ شہنشاہ کی ہر جنبش پر اپنی زندگی قربان کرنے پر نہ تل جاتے تو اور کیا کرتے اس کے ذمے ہر نکلنا ہوا لفظ ایک اہمیت کا حامل تھا اور وہ اس پر سوچنا گناہ سمجھتے تھے..... حکم شہنشاہ نے دیا ہے یقینی طور پر اس کی تعمیل ان کی زندگی کا منصب ہے، سویوں بہت عہدگی سے گزر چکی تھی اور بات یہیں تک محدود نہیں تھی..... شہاب تو بہت کچھ کر کے بھول جانے کا بیٹھا تھا، نجانے کتنے زندگی سے بھٹکے ہوئے وگوں کو اس نے زندگی کی صحیح ڈگر پر لا کھڑا کر دیا تھا..... اخبار نکل رہا تھا..... معذور ایڈیٹر اب بہترین حیثیت کا حامل تھا اور وہ جو اس معاملے سے متعلق تھے، اعلیٰ درجے کی زندگی گزار رہے تھے..... شہاب کے ہر حکم کی تعمیل کرنے والے آمادہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ لمحات جن پر شہاب کی طرف سے آزادی مل ہوتی تھی ان کی اپنی پسند سے بھی گزر رہے تھے..... انجم شیخ جس کا ماضی ایک عجیب و غریب داستان کا حامل تھا جان کے گھر پہنچا تھا وہاں اسے تین زندگی سے بے زار افراد نظر آئے تھے، جان کی ماں، اس کا باپ اور سب سے زیادہ وہ لڑکی جو یہ بھول گئی تھی کہ کبھی اس نے خرابیوں پر بھی شفق لہرائی ہوگی، کبھی اس کی کالی آنکھوں میں بھی روشنی کی کرنیں ان کی مانند چمکتی ہوں گی اور کبھی کسی نے ان آنکھوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہوگا، ان مسائل کے بھنور نے اسے احساسات سے بے نیاز کر دیا تھا..... اب اسے اپنی جانب سے والی آنکھ مشکوک محسوس ہوتی ہوگی، کون پتا نہیں کیا چاہتا ہے اور انجم نے اسی وقت جو مالکی جیب میں تھا اس کے حوالے کر کے اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کیا تھا..... شہنشاہ کی نسبت سے سوچنی ہوئی ذمہ داری تو اپنی جگہ پوری ہوئی گئی تھی لیکن اس بات کا علم بھی انجم کو تھا کہ جان اب اس دنیا میں نہیں ہے اور یہ محروم لوگ باقی کی زندگی بڑی بے بسی کے مسائل انسان کو محبتوں سے بھی محروم کر دیتے ہیں..... جان کے

سنگ و آہن بے نیازی غم نہیں

دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

بات سوچ کی ہوتی ہے اور سوچ ہر جاندار کا حق ہے، اس کا عمل ہے کوئی کسی بھی شکل میں نظر آئے اس کے اپنے وجود میں ایک دنیا آباد ہوتی ہے..... اس دنیا میں کیا کیا ہے اور اگر کوئی اسے جاننے کا دعویٰ کر لے تو اسے احقر کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا..... ڈبل اوگنگ میں جتنے افراد شامل تھے۔ ان سب کا اپنا ایک ماضی تھا، ایک کہانی تھی، اس کہانی کے کچھ حصے شہنشاہ کے شروع کی قسطوں میں سنا دیئے گئے تھے، جیسے فراست اور چند افراد ان لوگوں نے زندگی سے بغاوت کی تھی اور خود کشی کرنے کی بجائے خود کو جرم کی دنیا میں لانے کا فیصلہ کیا تھا اور کسی بھی وقت قانون کے کسی رکھوالے کی گولی سے مر جانے کو خود کشی قرار دیا تھا، یعنی کہ یہ مرنا تو ہے بجائے اس کے کہ چھت میں گھومتے ہوئے پٹکھے سے لٹک کر، کسی بلند بالا پل سے، دریا میں کود کر، ریل کی پٹری پر لیٹ کر، گردن کٹوانے سے یا پھر زہر کی کچھ خوراک معدے میں اتار لینے سے موت آجاتی ہے لیکن انہوں نے یہ سوچا تھا کہ دنیا نے ان سے جینے کا حق چھین لیا ہے تو پھر اس دنیا سے جنگ ہی کیوں نہ کی جائے اور خود کشی اس جنگ کے نتیجے میں ہو تو زیادہ بہتر ہے لیکن کبھی کبھی مشیت ایزدی کسی انسان کو اس کے کسی نیک عمل کی بنیاد پر برائی کے گڑھوں میں پڑنے سے روک دیتی ہے، وہ جو اپنے آپ کو زندگی کے بدترین راستوں پر لانے کے لئے آمادہ تھے..... قادر مطلق کی سیدھی نگاہ کی زد میں آئے اور شہنشاہ سے ان کا کسی نہ کسی شکل میں رابطہ قائم ہو گیا..... پھر ان کے راستے تبدیل ہونے لگے.....

”میرے ساتھ اندر آنا پسند کرو گے، اندر بدبو ہے کھٹن ہے لیکن اسی بدبو اور کھٹن میں تین انسان رہتے ہیں..... تمہارا مافوق دو ہاتھ..... دو پاؤں دو آنکھیں اور سارا وجود تہارے جیسا، آنا پسند کرو گے میں۔“

”کیوں نہیں مس نیشا۔“ انجم نے جواب دیا اور اندر داخل ہو گیا، ابھی دروازے سے اندر قدم ہی رکھا تھا کہ مسز جیکسن کی آواز سنائی دی۔

”کون ہے نیشا؟“

”وہ آگیا ماما۔“ نیشا نے جواب دیا۔

”امپوسیل۔“ آواز آئی۔

”نہیں ماما اپنی آنکھ سے دیکھو۔“

”اوہ میں..... اگر تم سچ آگیا ہے تو پھر میں جیکسن کو یہی بولتا ہے کہ تم اسٹبل ہے انسان نہیں..... جیکسن تم اسٹبل دیکھا کبھی۔“

”ابھی دیکھتا ہے۔“ جیکسن نے جواب دیا اور انجم ہنسنے لگا۔

”آپ لوگ مجھے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔“

”ضرورت..... مائی سن تم ضرورت کو کیا سمجھتا ہے..... ضرورت ایک ایسا بھیانک غار ہوتا ہے جس میں انسان سو بار بھی داخل ہو تو کم ہے، ابھی پتا نہیں میں کیا بولتا ہے..... تم بھو..... پلیز بیٹھو۔“

”بیٹھے مسٹر میں آپ کا نام نہیں جانتا..... بٹ ابھی آپ میرے کو اپنا نام بتاؤ پلیز بھو۔“ نیشا نے ایک ٹوٹی چھوٹی کرسی سامنے رکھتے ہوئے کہا اور انجم مسکراتا ہوا اس پر بیٹھ گیا اور پھر بولا۔

”آپ لوگ جس طرح میری عزت کر رہے ہیں اس سے میرے دل میں آپ کے لئے بہت بڑا مقام پیدا ہوتا جا رہا ہے۔“

”دیکھو میں..... میں تیرے کو بتایا کہ انسان اتنا خود غرض ہو گیا ہے کہ وہ انسان کا عزت نہیں کرتا وہ اپنا غرض کا عزت کرتا ہے، اپنی خواہش کا عزت کرتا ہے، اپنی ضرورت کا عزت کرتا ہے اور اس نام ہم جو تمہارے ساتھ سلوک کرتا ہے اس میں خلوص بالکل نہیں ہے..... یہ سب خود غرضی ہے ہمارا آنکھ تمہاری جیب کی طرف دیکھتا ہے اور ہمارا دل چاہتا

بارے میں ان تینوں نے جس طرح گفتگو کی تھی اس میں یقینی طور پر محبت کی چنگاریاں بھی دبی ہوئی ہوں گی لیکن ان پر پڑی ہوئی راکھ اس قدر دبیز تھی کہ یہ چنگاریاں اس راکھ سے جھانک نہیں سکتی تھیں، بلکہ اوپر اوپر سے چلنے والی گرم ہواؤں میں لپٹے ہوئے الفاظ نیشا جان کی ماں اور اس کے باپ کے ہونٹوں سے ادا ہوئے تھے..... سچ ہے کہ زندگی بھر کی کمائی زمینوں کی آبیاری کرنے کے بعد ان سے کوئٹلیں اور پھر پودے پھر درخت اور پھر ان درختوں سے پھل کھانے کی خواہش کس کے دل میں نہیں ہوتی، لیکن اگر یہ سوکھے درخت ان کا منہ چڑائیں تو جھنجھٹا ہٹوں کا آسمان تک پہنچ جانا فطری امر کا باعث ہوتا ہے..... ہاں، ایک مسائل سے ڈوبی ہوئی لڑکی سے انجم نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنا زندگی کی علامت تھی اور بہر حال اس نے زندگی کا ثبوت دیا تھا..... بہت بڑی رقم دے کر وہ اپنی شخصیت کو مشکوک نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن شہنشاہ کی طرف سے آمدنی سے جو منافع تقسیم ہوتا تھا اور ہوتا رہتا تھا اب تک میں اس کی تعداد اس قدر بڑھ چکی تھی کہ یہ لوگ اپنی مرضی سے بہت سی زندگیوں کو مشکلات سے نکال سکتے تھے، چنانچہ انجم نے وقت ملتے ہی پہلا کام یہی کیا تھا..... میں ہزار روپے کی رقم لے کر وہ آخر کار وہاں چل پڑا تھا جہاں وہ بے بس اور بے کس فیملی زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھی..... ایم سٹریٹ کے اس بوسیدہ گھر کے دروازے پر اسے نیشا نظر آگئی، ایک بے کسی اور حسرت کی تصویر بنی نجانے کسے تک رہی تھی..... انجم دوسری جانب سے اس کی طرف پہنچا تھا اور پھر اس نے نیشا کو آواز دی تھی۔

”ہیلو مس نیشا۔“ نیشا نے اس طرح تڑپ کر اسے دیکھا تھا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو، دیکھتی رہی تھی، عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کے چہرے کی، ان لکیروں میں نجانے کیسی کیسی کہانیاں پوشیدہ تھیں..... اس کے دونوں ہاتھ تشنجی انداز میں اوپر اٹھے، غالباً انجم کی جانب بڑھنا چاہتے تھے۔ رکے، ٹھٹکے اور پھر اپنی جگہ واپس آگئے، ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی لکیریں کھینچیں اور نجانے کس طرح مدہم سی آواز حلق کی قید سے آزاد ہوئی۔

”ہیلو۔“

”شاید آپ مجھے پہچان نہیں سکیں؟“

”ایسا مت بولو..... میں شاید زندگی میں تم سے زیادہ کسی کو نہیں پہچانتی۔“

”کیا مطلب مس نیشا؟“

ہے کہ تم جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ہمارے لئے جو کچھ لائے ہو نکال کر ہمارے سامنے رکھ دو۔۔۔۔۔ میرے کو معاف کرنا میں۔۔۔۔۔ جان کی ماں نے کہا۔

”اوشیکسپیر کا اولاد ابھی تم اس سے ڈرامے کا ہے کو بولتا ہے۔۔۔۔۔ اس کو کچھ انٹرٹین کرو۔“
 ”نہیں شکریہ۔۔۔۔۔ مسٹر جیکسن آپ سب لوگ سچ بولنے والے ہو میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔۔۔۔۔ یہ بیسے میں کس کے ہاتھ میں دوں۔۔۔۔۔ انجم نے جیب سے بیس ہزار کے نوٹ نکالے اور دونوں ہاتھ اس کی جانب بڑھ گئے۔۔۔۔۔ ایک جیکسن کا ہاتھ دوسرا اس کی بیوی کا لیکن نیشا ان ہاتھوں کے درمیان آگئی اور اس نے وہ نوٹ انجم کے ہاتھ سے لے لئے اور پھر وہ انہیں گنتے لگی اور پھر اس کے بعد سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

”یہ تو نوٹی تھا ڈنڈ ہیں۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ جب میں نے یہاں سے جانے کے بعد حساب کا پرچہ نکالا تو مجھے یہ رقم اتنی ہی نظر آئی۔۔۔۔۔ میرا اور جان کا حساب برابر ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں آپ کو ایک اور خوشخبری بھی سنانا چاہتا ہوں۔“

”بہت عرصہ ہو گیا مائی ڈیر سن۔۔۔۔۔ بہت عرصہ ہو گیا، ہم نے کوئی خوشخبری نہیں سنا۔۔۔۔۔ تھوڑا خوشی اس وقت ہوا جب کل تم ہم کو سکس تھاوزنڈ روپیہ دے کر گیا اور پھر ہم اس خوشی سے تڑپتا رہا کہ تم نیشا سے اور روپیہ دینے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔۔۔۔۔ میں، عزت بہت بڑا چیز ہوتا ہے اور تم لوگ یقین کرو کہ ہم یہ طے کر کے بیٹھا تھا کہ اب یہ مالک مکان ہم کو جوتے مار کر نکالے گا، تب بھی ہم نہیں نکلے گا اور اس کو بولے گا کہ اگر جوتے مارنے سے دل کا خوشی پورا ہو جاتا ہے تو ہر مہینے کا پہلا تاریخ کو ادھر آؤ اور ہم سب کو سوسو جوتا لگاؤ، بس کوئی پروا نہیں ہے۔۔۔۔۔ کم از کم سر چھپا کر بیٹھنے کو ٹھکانہ تو ہمیں ملے گا۔“ جیکسن کی آواز بھرا گئی، انجم عجیب سی کیفیت کا شکار تھا پھر اس نے کہا۔

”خوشخبری یہ ہے کہ آخر کار جان کو وہ نوکری مل گئی جس کے لئے وہ بہت عرصے سے کوشش کر رہا تھا۔“

”نوکری؟“ نیشا چونک کر بولی۔

”ہاں مس نیشا۔“

”دیکھو۔۔۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میرا خیال تمہارے بارے میں کیا ہے، گاڈ مجھ سے

بہتر جانتا ہے۔۔۔۔۔ بٹ میرے کو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جان سالا پھکڑ آدمی، اس کے ہاتھ اتنا حساب کدھر سے آگیا۔۔۔۔۔ ابھی پیسہ آتا ہے تو انسان بہت کم سوچتا ہے، اگر اس بچ میں ڈوب گیا تو اس پیسے کو انجوائے نہیں کر سکے گا۔۔۔۔۔ خیر چھوڑو میں جو بولنا چاہتا ہے بولنا نہیں چاہتا، ابھی انسان کے ہاتھ میں نوٹ آتا ہے نا تو اس کا کھوپڑی ایسا ہی آؤٹ ہو جاتا ہے مگر تم جان کے بارے میں کیا بولا مسٹر اس کو جاب ملا۔“

”ہاں اور وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے۔“

”اومانی گاڈ، ہم لوگ سے ملے بغیر۔“

”کام ہی ایسا تھا۔“

”سگنگ۔“ نیشا نے کہا۔

”تفصیل نہ جانو تو اچھا ہے۔“

”ابھی جانتا ہے۔۔۔۔۔ جانتا ہے۔۔۔۔۔ جانتا ہے اور میرے کو تسلی بھی ہو گیا۔۔۔۔۔ اب میرے کو یقین آگیا جو کیش تم میرے کو دیا اتنا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ اوکے اوکے اب میں ٹھیکیدار تو نہیں ہے، شرافت کا کہ میں بولے کہ جان نے برا کیا۔۔۔۔۔ اس کو ایسا کام نہیں کرنا پڑتا تھا، اوکے ابھی بولو میں میں تمہارے لئے کیا انتظام کرے، اب تو ضروری ہو گیا ہے کہ واقعی تم ہم لوگوں کو خوشخبری سنایا۔“

”میں چلتا ہوں، جان جس طرح پیسے بھیجتا رہے گا میں تم لوگوں کو پہنچاتا رہوں گا۔“
 اور اس کے بعد انجم وہاں سے واپس پلٹ پڑا تھا۔ ان لوگوں کے سینوں میں چھپا ہوا دکھ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔۔۔۔۔ بہر حال سارے کام اپنی جگہ زندگی میں اگر کسی انسان کے لئے ایک چھوٹا سا سہارا مہیا کر دیا جائے تو فرض تو پورا نہیں ہوتا لیکن کم از کم اپنی ذات کی خوشی کا کوئی حساب نہیں کیا جاسکتا۔



چینا شیخ سلطان کی فرم کے سامنے ٹیکسی سے نیچے اترا۔۔۔۔۔ ایک نگاہ اپنے چاروں طرف ڈالی اور اس کے بعد آہستہ قدموں سے اندر چل پڑا۔۔۔۔۔ وہ عجیب عجیب سے احساسات کا شکار تھا، بہت کچھ سوچا تھا اس نے اس درمیان بہت غور کیا تھا اپنے آپ پر لیکن خود اپنی فطرت کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ نہ کر پایا تھا۔۔۔۔۔ فیصلہ کرنے کی اہلیت بھی نہیں تھی اس کے

”دلدار خان..... ان صاحب کو روکو..... ابھی باس سے پریشانی نہیں لیا ہے میں نے چڑاسی نے چونک کر اسے دیکھا تو چینیٹا نے انگلی سے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا..... ویسے بھی اچھی شخصیت کا مالک تھا اور اس کی آنکھوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی نگاہوں سے گناہیں ملنا بڑا مشکل کام ہے..... چڑاسی نے اسے روکنے کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے اور پھر چینیٹا کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر اس کے بعد دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا..... چینیٹا دروازہ کھول کر شیخ سلطان کے دفتر میں داخل ہو گیا..... شیخ سلطان گردن جھکائے سامنے پڑے کاغذات دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر رعونت چھائی ہوئی تھی، وہ گردن اٹھائے بغیر کاغذات میں مصروف رہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے کہا۔

”ہاں۔“ لیکن چینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔ تب شیخ سلطان نے گردن اٹھائی، سامنے چینا کو کھڑے دیکھا اور ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں بیٹھکا، اکا پھٹی رہ گئیں۔۔۔۔۔ چینا سر دٹکائوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔ شیخ سلطان نے تھوڑی سی کرسی پیچھے سر کائی اور اپنی جگہ سے اٹھا پھر بیٹھ گیا اور پھر چینا سے کہا۔

“تہ؟”

”ہاں شیخ صاحب۔“

”یہاں کیسے آگئے پار؟“

”جیسے عام لوگ یہاں آتے ہیں۔“

”تمہارا دماغ خراب ہوا ہے چینا، کیا تمہیں یہاں آنا چاہئے تھا؟“

”اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا دماغ خراب ہو گیا تو پھر ظاہر ہے مجھے یہاں آنے سے کون روک سکتا تھا؟“ چیز اسی اور رپیشسٹ نے دروازے سے اندر جھانکا تو شیخ سلطان نے کہا۔

”ہاں کیا بات ہے؟“

”سریہ صاحب۔“ ریپنسٹ بولی۔

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے جاؤ جاؤ۔“ شیخ سلطان نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور ریپشنسٹ اور چوڑی باہر نکل گئے..... شیخ سلطان بولا۔

”بیٹھو بیٹھو..... اصل میں تمہیں یہاں دیکھ کر میرے دماغ کو اس قدر جھٹکا لگا ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا، اب ظاہر ہے سارے حالات تو سب کو بتائے نہیں جاسکتے چینا، اس

اندر بس جو کچھ بھی پیش آ رہا تھا اب اسے اسی کے سہارے آگے اقدامات کرنے تھے، نتیجہ کچھ بھی ہو اور ریسپشن پر پہنچ کر اس نے شیخ سلطان کے بارے میں پوچھا..... جو لڑکی ریسپشن پر بیٹھی ہوئی تھی اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں جناب..... باس ابھی آئے نہیں ہیں، لیکن دس پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ پہنچ جائیں گے۔“

”انتظار کر سکتا ہوں؟“

”ہاں..... کیا آپ کا ان سے اپائنٹ منٹ ہے؟“

“جی۔”

”تو آپ ضرور انتظار کر لیجئے..... وہ اس طرف ویٹنگ روم ہے پلیز۔“ لڑکی نے کہا اور چینا ویٹنگ روم کی جانب بڑھ گیا..... صوفے پر بیٹھ کر وہ چاروں طرف دیکھنے لگا..... اس سے بہتر موقع اپنے بارے میں سوچنے کا نہیں مل سکتا تھا..... زندگی میں کیا کیا کچھ کیا تھا اس نے، مگر تقدیر ہر شخص کا اپنا الگ مقام رکھتی ہے جو مجھے ملا ہے شاید میری تقدیر میں وہی لکھا تھا اور دوسرے جو کچھ حاصل کر رہے ہیں وہ ان کی تقدیر میں شامل ہے، بے مقصد بے کار، پتائیں کون لوگ ہیں بچے کو کس لئے اپنی تحویل میں رکھا ہے، پتا ہی نہیں ہے..... ذہن بہت سے خاکے پیش کر رہا تھا، لیکن کسی ایک خاکے پر جتنا بہت مشکل تھا..... پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا..... وقت گزرتا رہا اور وہ اپنے آپ کو خیالات میں ڈبوئے رہا، پھر اچانک ہی اسے وقت کا احساس ہوا..... وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ریسپشن پر لڑکی کے پاس پہنچ گیا..... لڑکی نے اسے دیکھا اور چونک کر بولی۔

”او آئی ایم سوری میں باس سے پوچھنا بھول گئی، آپ کا نام کیا ہے سر؟“

”مسٹر سلطان آگئے۔“

”جی باس کو آئے کافی منٹ ہو گیا۔“

چینا خاموشی سے اس جانب چل پڑا جدھر شیخ سلطان کے نام کی سختی لگی ہوئی تھی۔ خوبصورت دروازے پر چپڑا سی مستعد کھڑا ہوا تھا، پھر ریسپشن والی لڑکی نے اسے آواز دی۔ ”سنئے مسٹر سنئے پلیز مسٹر“ لیکن چینا اس کی آواز پر کان دھرے بغیر آگے بڑھا۔ لڑکی نے چیخ کر کہا۔

وقت میں جن حالات سے گزر رہا ہوں وہ بڑے سنگین ہیں میرے لئے..... تمہارا یہاں آنا۔
 ”بولے جاؤ..... بولے جاؤ شیخ صاحب بولے جاؤ..... جب بول چکو تو مجھے بتا دینا تاکہ
 میں بھی بولوں۔“

”یار کمال کرتے ہو..... کچھ پیسے چاہئے تھے؟“
 ”نہیں۔“
 ”تو پھر؟“

”بس تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا، سو آگیا۔“

”کمال کرتے ہو، کمال کرتے ہو میں تو یہ چاہتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے
 پائے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رابطہ ہے۔“
 ”مگر وقت نے اس کا موقع نہیں دیا کیا سمجھے؟“

”ٹھیک ہے..... اب کیا چاہتے ہو یہ بتاؤ اگر پیسوں کی ضرورت ہے تو بھلے آدمی مجھ
 سے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا، ٹیلی فون پر کہہ دیتے میں پہنچا دیتا۔“

”کہنا پیسوں کی ضرورت نہیں۔“

”خیر چھوڑو..... یہ بتاؤ کیسے آنا ہو؟“

”کچھ بات کرنا ہے آپ سے۔“

”تو یار ٹیلی فون کر کے مجھے بلا لیا ہوتا۔“

”فضول باتیں بند کرو شیخ سلطان کیا سمجھ رہے ہو تم اپنے آپ کو..... تمہارا کیا ذلیل
 ہے کہ میں اس قدر فالتو آدمی ہوں کہ بلا وجہ تم جیسے کسی چرکے کے پاس چکر لگاتا، مجبوری
 تھی اس لئے آگیا۔“ چینا نے کہا اور شیخ سلطان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، لیکن پھر شاید
 مصلحت نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ اب وہ خاموش ہو کر چینا کی شکل دیکھنے لگا۔ چینا نے کہا۔
 ”مجھے یہ بتاؤ جن لوگوں کو تم نے قتل کرانے کے لئے میری خدمات حاصل کی تھیں
 ان سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔“

”چینا یہ میرا دفتر ہے..... یہاں آکر میں اپنے کاروباری امور نبھاتا ہوں..... کیا تمہاری یہ
 کہانی سننے کے لئے یہاں آیا ہوں..... پہلی بات تو یہ ہے کہ تم اصولوں کے خلاف یہاں آئے
 ہو اور ریپنشنٹ لڑکی اور چہرہ اسی کے اندر آنے کے انداز سے یہ پتا چلتا ہے..... ٹھیک ہے تم

نئی دنیا کے بادشاہ ہو گے، وہاں تمہاری غنڈہ گردی چلتی ہوگی لیکن کیا ہر جگہ، جاؤ واپس چلے جاؤ
 اس بات میں تمہیں چائے کے لئے بھی نہیں پوچھ سکتا کیونکہ میرے کام کا وقت ہے۔“
 ”اصل میں بات یہ ہے شیخ صاحب کہ میں نے ان لوگوں پر دو حملے کئے ہیں..... ڈی
 بی جی، در حیات پر حملہ آسان کام نہیں تھا اور اس کے بعد وہ بندہ شہاب ثاقب لیکن
 مورت حال کچھ بگڑ گئی۔“

”سک..... کیا مطلب؟“

”ڈی آئی جی کے حملے کی ناکامی کے بارے میں میں تمہیں بتا چکا ہوں۔“

”ہاں۔“

”اور شہاب ثاقب کے بارے میں بھی پتا چل گیا ہو گا۔“

”چل گیا ہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید میں نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔“

”ہاں..... غلط آدمی کا انتخاب ہی کیا ہے تم نے شیخ سلطان۔“

”مطلب۔“

”اصل میں بڑے بڑے کام کرنے والے جو لوگ ہوتے ہیں نا، شاید ان کا اس دنیا میں
 کوئی بھی نہیں ہوتا، وہ بے جگری سے یہ کام کر ڈالتے ہیں..... انہیں اس بات کی پروا نہیں
 ہوتی کہ ان کے اس عمل سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے گا، پہنچتا ہے تو پہنچتا رہے ان کے دل کا
 دلی ٹکڑا ان کے دل سے دور نہیں ہوتا۔“

”بولے جاؤ ڈائلاگ بولے جاؤ..... اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم سے رابطہ قائم
 رکھنے میں نے غلطی کی ہے۔“

”یہی تو احساس میں آپ کو دلایا ہوں شیخ صاحب۔“

”وضاحت کرو..... تم اپنے الفاظ کی۔“

”ایک بیٹا ہے میرا..... بارہ تیرہ برس عمر ہے اس کی..... کسی لمبی کہانی کے چکر میں
 نہیں پڑوں گا..... یوں سمجھئے کہ میری زندگی کو جو یہ روپ ملا ہے اپنے اس بیٹے کی وجہ سے ہی
 ملا ہے..... کچھ ایسے ہی حالات ہوئے تھے میرے ماضی میں کہ میں شرافت کی زندگی
 گزارنے کے قابل نہ رہا اور برائیوں کی جانب مائل ہو گیا، لیکن اپنے بیٹے کو میں نے اپنے
 آپ سے اتنا دور کر دیا تھا کہ بعد میں بھی کوئی اگر اس کے باپ کا پتا چلانے کی کوشش کرے تو

ہائی لنسنگا ہوا تھا۔
 ”اور مجبوری ہے، شیخ سلطان مجبوری ہے، جس کے لئے میں یہ دولت کما رہا تھا جب وہ اس دنیا میں نہ رہا تو باقی لوگوں کی کیا مجھے ضرورت پیش آئے گی۔“
 ”کک..... کیا مطلب ہے؟“ شیخ سلطان نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا.....
 حال جرم کی دنیا کا انسان تھا..... چالاک بھی تھا بظاہر اس نے خوفزدہ ہونے کا مظاہرہ کیا۔ لیکن کھڑے ہوتے ہی اس نے میز کی سطح پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور اسے پوری قوت سے ہارٹ دیا..... چینا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا..... میز کی ٹاپ کرسی پر پڑی اور وہ اس کے نیچے جا گیا، لیکن طاقت ور آدمی تھا پھرتی سے باہر نکل آیا..... ادھر شیخ سلطان نے دروازے کی بچھلانگ لگائی تھی..... چینا نے اسے باہر نکلنے کا موقع نہ دیا..... پہلے فائر نے شیخ سلطان ان میں سوراخ کیا..... دوسرے نے پیٹ میں اور تیسرے نے سینے میں اور پھر جب وہ گرا دروازے سے نکل آیا..... شیشے کا دروازہ چکنا چور ہو گیا اور چینا بمشکل تمام میز سے نکل کر بھاہو گیا..... بھاگنا چاہتا تو بھاگ سکتا تھا لیکن وجود میں کیسی کیسی سنناٹیں ہو رہی تھیں..... نجانے قدموں میں یہ بوجھ کیسے پیدا ہو گیا تھا، البتہ وہ زمین پر ترپتے ہوئے شیخ سلطان کو دیکھ رہا تھا جس کے پورے بدن میں دروازے کے ٹوٹے ہوئے شیشے پیوست لگے تھے اور باہر بڑے ہال میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی..... فرم میں کام کرنے والا شاف ایٹ الٹ کر ان کے نیچے پناہ لے رہا تھا..... نسوانی چھین سنائی دے رہی تھیں..... انی چیوں کی شکل میں تو نہیں تھیں لیکن کسی بھی طرح خوف کا عالم کم نہیں محسوس ہوتا..... چینا پستول لئے باہر نکل آیا..... اس نے جھک کر شیخ سلطان کو دیکھا..... وہ دم توڑ چکا تھا اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے تو پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے ان کے پیچھے مورچہ بند لوگوں کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔
 ”نکل آؤ یا رو..... ایک بندے کو مارنا تھا تم سارے کیوں ڈر گئے..... یہ لو پستول بلاو شکو..... بیٹھے ہوئے ہیں..... اے لڑکی باہر نکل..... چینا نے رپیشنٹ کو دیکھ لیا تھا جو میز کے نیچے چھپی کانپ رہی تھی..... وہ اس کے قریب پہنچا تو وہ ہڈیانی انداز میں چیخنے چینا نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا تھا۔
 ”تیرے پاس نیلی فون تھا نا؟“ چینا بولا اور لڑکی زور زور سے گردن ہلانے لگی۔

کم از کم میرا نام نہ لے سکے، مگر شیخ صاحب کسی نے اس بچے کے بارے میں معلوم کر لیا۔“
 ”معلوم کر لیا؟“
 ”ہاں۔“
 ”کیا معلوم کر لیا؟“
 ”یہی کہ وہ میرا بیٹا ہے۔“
 ”پھر؟“
 ”حالانکہ وہ ایک دوسرے شہر میں تھا۔“
 ”بولتے رہو یا..... بولتے رہو۔“ شیخ سلطان بری طرح جھلارہا تھا۔
 ”اس دوسرے شہر کے سکول سے اسے اغوا کر لیا گیا۔“
 ”اوہ۔“ شیخ سلطان کی آنکھوں کا رنگ ایک لمحے کے لئے بدل گیا پھر وہ بولا۔
 ”اغوا کرنے والوں کا کچھ پتا چلا؟“
 ”پتا نہیں چلا لیکن انہوں نے الٹا ایک کام میرے سپرد کر دیا جس سے مجھے اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ اغوا کرنے والے کون ہیں، لیکن اپنے بچے کی زندگی کے لئے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“
 ”تمہارے سپرد کوئی کام کر دیا انہوں نے؟“
 ”ہاں۔“
 ”کیا کام تھا؟“
 ”اسی کام سے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔“
 ”کوئی رقم مانگی ہوگی؟“
 ”نہیں، شیخ سلطان..... زندگی مانگی ہے۔“
 ”کس کی؟“
 ”تمہاری۔“ چینا نے کہا اور شیخ سلطان اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔
 پھر سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”کیا بک رہے ہو۔“
 ”کاش یہ الفاظ مجھے نہ کہنے پڑتے۔“ چینا نے کہا اور جیب میں رکھا پستول نکال لیا جس

”ڈرو مت کسی اور کو کچھ نہیں کہوں گا میں، چل آ جا ٹیلی فون پر پولیس کو بلا میں بیٹھا ہوں تیرے پاس چل۔“ چینا نے کہا اور لڑکی کو ٹیلی فون اٹیکھنے کے پاس لے گیا۔

”نمبر ہے نا تیرے پاس..... علاقے کے تھانے کا؟“

”ہاں ہے۔“

”چل نمبر ملا۔“ چینا بولا اور تھوڑی دیر کے بعد لڑکی اپنے اعصاب پر قابو پا کر پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”بول جو بھی بول رہا ہے کہ تیری فرم کا مالک قتل ہو گیا ہے۔“ لڑکی نے چینا کی ہدایت کے مطابق پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کیا اور دوسری جانب سے بھاری آواز سنائی دی۔

”ہاں بولو کون ہے۔“

”وہ ہماری..... ہماری فرم کے مالک قتل ہو گئے ہیں۔“

”مبارک ہو تم لوگوں کو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”قاتل..... قاتل یہیں موجود ہے۔“

”کیا؟“ اب دوسری طرف سے آنے والی آواز چوکی ہوئی تھی۔

”وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔“

”چائے پلائی تم نے اسے؟“

”میں مذاق نہیں کر رہی..... پلیز جلدی آئیے۔“ لڑکی نے کہا اور اس سے زیادہ اس سے نہ بولا گیا..... دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کچھ اتا پتا دو بھائی۔“ اور لڑکی دوسری طرف سے بولنے والے کو شیخ سلطان کی فرم کا پتا بتانے لگی۔

”اوہو..... شیخ سلطان صاحب کی بات کر رہی ہو تم؟“ بولنے والے کا لہجہ بدل گیا..... لہجہ اسی طرح بدل جاتے ہیں جب دولت مند شخصیتوں کا اظہار ہوتا ہے..... بہر حال رپشمنٹ نے فون بند کر دیا..... پولیس نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی..... پولیس انسپکٹر نے چینا کو دیکھا اور بولا۔

”تم۔“

”اب تم ڈائلاگ بولو گے میرے سامنے مگر ادھر شوٹنگ نہیں ہو رہی..... چلو میرے

تھوں میں جھکڑیاں ڈالو..... ابھی ایک پستول میرے لباس کے اندر بھی موجود ہے۔“ انسپکٹر کا چہرہ ایک لمحے کے لئے تبدیل ہوا لیکن بہر حال اس وقت اس نے چینا کی بات پر ہی عمل کرنا مناسب سمجھا اور اس کے بعد اس نے مقتول کو دیکھا..... ساری کارروائیوں کا آغاز ہو گیا تھا اور چینا دل میں سوچ رہا تھا کہ جلد از جلد یہ اطلاع ان لوگوں تک پہنچ جائے تو بہتر ہے جن کے پاس شہزاد محفوظ ہے..... اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہیں تھا..... بڑی عجیب بات ہے بہت ہی عجیب والدین اولاد کے لئے کیا کیا قربانیاں دیتے ہیں..... ان کا تعلق کسی بھی سطح سے ہو جب اولاد کے لئے قربانی دینے کا وقت آتا ہے تو سطح کا تعین نہیں ہوتا بلکہ انکھیں بند کر کے زندگی قربان کر دی جاتی ہے..... چینا جیسا خطرناک آدمی جس نے زندگی میں ستائیس قتل کئے تھے اور جو کرائے پر قتل کرنے کا ماہر تھا، اس وقت ایک معصوم سے بچے کے لئے جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مستقبل میں وہ چینا کو کس نگاہ سے دیکھے گا اپنی زندگی کی قربانی دے رہا تھا بلکہ دے چکا تھا، اس لئے کہ وہ باپ تھا۔



جلی پڑے تھے..... دل میں خیال تو آیا تھا کہ شہاب کو مطلع کریں لیکن بہر حال صبر کیا..... یہ یقین تو انہیں تھا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے شہاب ہی کے عمل سے ہوا ہے..... وہ پیش کر چکا تھا اور اس نے پورے وثوق سے کہا تھا کہ اب ایک اور کم ہو رہا ہے اور ایک اور کم لیا تھا..... کس طرح یہ نادر حیات صاحب نہیں جانتے تھے..... کچھ دیر کے بعد وہ ہیڈ بڑکے لاک اپ کی کوٹھڑی تک پہنچ گئے۔ جس میں چینا کو قید رکھا گیا تھا..... اس شخص کی ناک کیفیت کے پیش نگاہ قرب و جوار کی حوالات سے دوسرے قیدیوں کو نکال کر کہیں منتقل کر دیا گیا تھا..... چینا پتھر کی ایک سل پر خاموش گردن جھکائے بیٹھا تھا..... قدموں پاؤں پر اس نے گردن اٹھائی..... نادر حیات صاحب اور ڈی آئی جی کو دیکھا پھر خاموشی اپنی جگہ سے اٹھا، سلاخوں کے قریب آیا اور انہیں سلام کیا..... سلام کا جواب دے کر حیات نے چینا کو دیکھا پھر بولے۔

”کیا تم نے اس سے پہلے بھی اپنی زندگی میں سلام کرتے رہے ہو؟“

”نہیں صاحب..... اصل میں میں ہوں تو مسلمان کی اولاد لیکن وقت نے بہت سی باتیں کو بھلادیا تھا..... یہ بات بھی جھوٹا تھا لیکن اخبارات وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں، جب لاکو سزائے موت ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں اللہ کا خوف جاگتا ہے۔ اس نے زندگی میں نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، اخباری اطاعتات یہی ملتی ہیں کہ اس نے جیل میں نماز کی..... رات بھر عبادت کرتا رہا..... میں بھی یہاں سے آغاز کر رہا ہوں..... میں نے آپ کو سلام کیا ہے..... صرف ایک دینی جذبے کے تحت اگر آپ یہ سمجھتے ہو کہ میں نے آپ کی وردی کو سلام کیا ہے تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو..... ایسی کوئی بات نہیں..... اس وردی سے بہت عرصے سے میرا جھگڑا چل رہا ہے۔“

”چینا کچھ بتانا پسند کرو گے اپنی گرفتاری کے بارے میں؟“

”ضرور پسند کروں گا صاحب، آپ پوچھو تو سہی۔“

”تب تو تم سے بہت سے سوالات کرنے ہیں۔“

”اور آپ اس کے لئے مجھے لاک اپ سے باہر نہیں نکالو گے کیونکہ آپ کے خیال

میں بھاگ جاؤں گا۔“

”خیال غلط تو نہیں ہے۔“

نادر حیات صاحب کو شیخ سلطان کی موت کی اطلاع ملی..... ایڈیشنل ڈی آئی جی نے انہیں یہ ساری رپورٹ پیش کی تھی اور نادر حیات صاحب سکتے میں رہ گئے تھے۔

”چینا گرفتار ہو گیا۔“ انہوں نے ڈی آئی جی سے سوال کیا۔

”جی سر..... اس شخص کے بارے میں یہ تفصیلات ملی ہیں کہ یہ بہت ہی وحشی صفت انسان ہے اور بڑی خطرناک شخصیت کا مالک ہے..... سر بے شمار قتل اس کے نام سے منسوب ہیں..... پولیس کئی بار اس کے پیچھے لگی لیکن اس قدر ذہین اور چالاک آدمی تھا کہ اس نے اپنے پیچھے کبھی کوئی ثبوت نہیں چھوڑا..... پتا نہیں اس پر دیوانگی سوار تھی یا اور کوئی ایسا عمل ہوا تھا جس کی بنا پر یہ اس قتل کو اپنے نام سے منسوب کرنے پر مجبور ہو گیا بلکہ ایس ایچ او کا بیان ہے کہ قتل کرنے کے بعد اس نے وہیں شیخ سلطان کے آفس میں بیٹھ کر رپیشنٹ کو مجبور کیا کہ وہ پولیس کو اطلاع دے اور اس کو گرفتار کرائے..... پھر وہ وہیں بیٹھ کر پولیس کا انتظار کرنے لگا تھا۔“ نادر حیات صاحب کی اندرونی کیفیت جو کچھ بھی تھی لیکن انہوں نے رکھ رکھاؤ قائم رکھا اور اس کے بعد ڈی آئی جی صاحب سے کہا۔

”کیا وہ علاقے کے لاک اپ میں ہے؟“

”نہیں سر..... ابھی کچھ لمحوں پہلے اسے ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں منتقل کیا ہے۔“

علاقے کے تھانے میں اس جیسے خطرناک آدمی کا رہنا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا..... اس سلسلے میں، میں نے بذات خود کارروائی کی ہے۔“

”اچھا کیا ہے آپ نے..... چلتے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”جی سر۔“ پھر نادر حیات صاحب ایڈیشنل ڈی آئی جی کے ساتھ ہیڈ کوارٹر کے لاک

”بالکل غلط ہے صاحب..... آپ لوگوں کے ہاں بڑی غلط رپورٹنگ ہوتی ہے۔ کئی کئی فرشتوں کو بھی پتہ نہ چلتا کہ میں نے کب شیخ سلطان کو قتل کیا اور کب یہ کام کر کے نکل گیا مگر صاحب دل نے میرے کو بولا کہ چینا بہت ہو گیا..... چل ختم کرو کتنے لوگوں کو مارو گے اور کس کے لئے مارو گے، جو کرنا تھا وہ کر چکے ہو..... اپنا مشن پورا کر لیا ہے تم نے، اب دوسروں کی زندگی بخش دو اور وہ کام کرو جو تم دوسروں کے خلاف کرتے رہے ہو یعنی اپنے آپ کو قتل کر دو..... دیکھ لو صاحب ہم نے اپنے آپ کو قتل کر دیا..... ہم اس وقت بھی خود کشی کر سکتے تھے جب ہم نے شیخ سلطان کو مارا تھا مگر ایک آرزو، ایک حسرت ہے ڈی آئی جی صاحب آپ جانتے ہیں وہ کیا حسرت ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”یہ کون ہیں؟ ڈی آئی جی صاحب ہیں شاید۔“ چینا نے ڈی آئی جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔“

”ذرا تھوڑا پیچھے بھیج دو انہیں، کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔“

”کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”نہیں..... پیچھے بھیج دو ان کو۔“

”ٹھیک ہے پلیز۔“ نادر حیات نے ڈی آئی جی سے کہا اور ڈی آئی جی وہاں سے پیچھے ہٹ گئے، کافی فاصلہ طے کر لیا انہوں نے تو چینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نے آپ پر حملہ کیا تھا صاحب..... اللہ نے آپ کو بچا لیا..... میں نے شہاب پر حملہ کیا تھا، اللہ نے شہاب کو بھی بچا لیا لیکن آپ لوگوں نے جو کیا ہے صاحب..... میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ نے یہ کیوں کیا..... ہاں میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا..... آپ کامیاب ہو گئے..... آپ کامیاب ہو گئے ہو صاحب پر میرا ایک کام کر دیں گے۔“

”جو کچھ تم کہہ رہے ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“

”چھوڑو صاحب..... چھوڑو، چینا بھی پاگل نہیں ہے..... وہ بچہ آپ ہی نے اغوا کیا ہے صاحب جس نے مجھے شیخ سلطان کا قتل کرنے پر مجبور کر دیا۔“

”پوری بات کرو۔“

”کیا آپ نے شہزاد کو اغوا نہیں کر لیا؟ کیا اس کے بعد آپ لوگوں نے مجھ سے یہ تاثر نہیں کیا کہ شہزاد کی زندگی شیخ سلطان کی موت سے منسلک ہے..... شیخ سلطان زندہ رہا شہزاد مر جائے گا؟“ نادر حیات کے پورے بدن سے پسینہ اُبل پڑا تھا..... وہ بات کو سمجھ رہے تھے، غور کر رہے تھے اور انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ شہاب نے کون سا پہلو اختیار کیا ہے..... کچھ لمحے وہ خاموش رہے اور پھر بولے۔

”کیا چاہتے ہو؟“

”دیکھو صاحب..... ایک بار میرے بھائی کو پیغام دے دو میرا..... اس سے کہو کہ شہزاد آخری بار میرے پاس سلام کرانے کے لئے آئے اور اس وقت صاحب آپ ایسا کرو کہ مجھے تھوڑا سا چانس دو..... لاک اپ میں نہیں کسی پرائیویٹ جگہ..... میں جی بھر کر اس بچے کو بیمار کر لوں صاحب، اس کے بعد آپ مجھ کو اس کی شکل اس وقت تک نہ دکھانا جب تک مجھے موت کی سزا نہ دی جائے..... کر دو، میرا کام ڈی آئی جی صاحب..... بڑے آدمی دن گئے اپنی جگہ، کسی دفتر میں کلرک بھی ہو سکتے تھے..... تقدیر کا معاملہ ہوتا ہے کوئی نیک ام کر سکتے ہو تو کر لو..... باپ ہوں میں اس بچے کا یہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔“ نادر حیات کچھ سوچ رہے تھے اور انہوں نے کہا۔

”چینا انسانیت کا جو بھی مسئلہ ہو گا میں اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا..... میرا تم سے وعدہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، لیکن جلدی تو نہیں ہے نا تمہیں۔“

”نہیں..... وعدہ کر لو مردوں والا..... بس پھر کوئی جلدی نہیں ہے..... ابھی تو مقدمہ چل چلا ہے مجھ پر، جیسی مرضی آئے کرتے رہنا، کسی بات سے انکار نہیں کروں گا، ہاں اور مجھے کوہدایات بھی دے دینا..... بتانا صاحب مجھے کہ شیخ سلطان کے سلسلے میں مجھے کیا بیان دینا ہے..... آپ جو کہو گے وہ کروں گا میں..... نہ مجھے آپ سے دشمنی تھی نہ شیخ سلطان سے..... نہ ہی دشمنی آپ لوگوں سے نہیں تھی، پیسے لے کر آپ کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، بیٹے کے لئے مجبور ہوا تو شیخ سلطان کو قتل کر دیا..... بہت لوگوں کو مارا ہے سب کا اعتراف کر لیں گا..... موت کی سزا تو ہونی ہی ہے..... ویسے بڑا مسخرہ پن ہے صاحب کہ کیا کیا عجیب و غریب قانون بنا رکھے ہیں آپ نے، میرے لئے موت کی سزا انتخاب کرنا ہے تو بس مجھے بس بیٹے کے ساتھ کسی وزیران جزیرے میں چھوڑ دو..... موت تو آتی ہے آجائے گی، اچھا

خیر بس میں ایسی ہی باتیں سوچتا رہوں گا..... آپ میرے سے وعدہ کرتے ہو کہ میری بات پوری کر دو گے۔“

”میں تم سے رابطہ رکھوں گا اور میرا خیال ہے کہ یہ مشکل کام نہیں ہے..... میری تمہاری دلی آرزو پوری کر دوں گا۔“

”بھاگوں گا نہیں صاحب..... حالات کو دیکھو..... اندازہ لگاؤ، نہیں وہ کوئی لمحاتی بات تھی، جس نے مجھے اپنے آپ کو پولیس کی تحویل میں دینے کو مجبور کر دیا بس ایک تھکن تھی آگے کی برائیوں سے بچنے کا خیال تھا، جس کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔“

”اوکے..... اوکے ٹھیک ہے..... اچھا میں چلتا ہوں۔“ نادر حیات نے کہا اور پھر وہاں سے واپس پلٹ گئے..... ڈی آئی جی ان کا انتظار کر رہے تھے..... جلدی سے بولے۔ ”آپ نے اچھا کیا سر کہ اس شخص سے تنہائی میں ملنے کی کوشش نہیں کی..... بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے اور اس کا ماضی مائی گاڈ۔“ نادر حیات صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، اب وہ شہاب سے ملنے کے لئے بے چین تھے اور ان کا رخ اپنے آفس ہی کی جانب تھا..... آفس میں داخل ہونے کے بعد وہ بہت دیر تک حالات پر غور کرتے رہے..... بہر حال اتنا اندازہ تو انہیں بخوبی ہو چکا تھا کہ شہاب نے اس سلسلے میں بہت ہی موثر اور زبردست قدم اٹھا ہے..... حیرانی کی بات وہ اعتماد تھا جو شہاب کو اپنے اقدامات پر تھا، اس نے پورے وثوق کے ساتھ جو بات کہی تھی، آخر کار اس کی تکمیل کر ڈالی تھی..... کافی دیر تک وہ اس بارے میں غور کرتے رہے..... پھر انہوں نے انٹر کام اٹھایا اور سیکرٹری سے کہا۔

”مسٹر شہاب کو کال دو۔“

”یس سر۔“ پھر کچھ لمحوں کے بعد شہاب کی آواز سنائی دی تھی۔

”سر شہاب ثاقب بول رہا ہوں۔“

”شہاب اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو میرے پاس آ جاؤ۔“

”جی سر، حاضر ہو رہا ہوں۔“ اور کچھ دیر کے بعد شہاب نادر حیات صاحب کے سامنے

موجود تھا۔

”سر۔“

”شہاب میں نے ابھی چینا سے ملاقات کی ہے۔“ نادر حیات نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا..... شہاب کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”یس سر۔“

”اور جو باتیں میں نے اس سے معلوم کیں اس میں اس کے بعد اب اس بات کا کوئی شبہ نہ رہا ہے کہ اس کا رروائی میں تم ملوث ہو۔“

”سر آپ سے این او سی لینے کے بعد۔“

”اس کا بیٹا کہاں ہے؟“

”محفوظ ہے۔“

”اس نے ایک فرمائش کی ہے۔“

”کیا؟“

”وہ اس بچے سے ملنا چاہتا ہے لیکن اس طرح نہیں بلکہ ایک آزاد فضا میں وہ اس سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔“ شہاب ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”آپ نے اس سے کیا کہا ہے۔“

”بھئی یہ نہ پوچھا مجھ سے، انسانی ہمدردی کے نکتہ نظر سے میں اس احساس کو دل سے نہیں نکال سکتا تھا کہ ایک برا آدمی بھی صاحب اولاد ہو تو اولاد کی تربیت سے مبرا نہیں ہوتا۔“

”جی سر..... ہم اس سے ملا دیں گے لیکن ابھی اس کے لئے تھوڑا سا وقت درکار ہے۔“

”ٹھیک..... آخر کار تم نے اپنا دوسرا عمل بھی کر ڈالا۔“

”اور اب سر بہت جلد تیسرے کی باری ہے۔“

”خدا کی پناہ، نمبر بتاؤ گے اس کا؟“ نادر حیات نے کہا۔

”سر پلیز جو صورت حال ہے آپ کے علم میں آ ہی جائے گی۔“

”خیر میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا شہاب، بہر حال داد دیتا ہوں تمہیں بہت محنت

رہے ہو آسان بات نہیں ہے۔“

”سر آپ کی دعائیں بھی درکار ہیں اور تعاون بھی۔“

ہے..... آ جاؤ میرے پیچھے پیچھے وہ تم سے یہ نہیں کہے گا کہ تم نے مجھے کیوں اندر آنے دیا۔“
جابر زمان نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا بوڑھی عورت اس کے پیچھے لپکی تھی۔

”بات سنو..... میری بات سنو..... ارے کم بخنوکم از کم کسی کے گھر آنے کا سلیقہ تو
سیکھو، بس دوڑے جارہے ہو دوڑے جارہے ہو..... میں کہتی ہوں رکو۔“ لیکن جابر زمان
نہیں رکا تھا، وہ راحیل رضا کے کمرے کے سامنے جا کر ہی رکا تھا..... کمرے میں تیز روشنی
ہوئی تھی اور راحیل رضا غالباً دروازے کی جانب ہی آ رہا تھا، بوڑھی عورت بھی خاصی تیز
رفتاری سے لپکتی ہوئی راحیل رضا کے کمرے کے دروازے تک پہنچی تھی اور اسی وقت
راحیل رضا نے دروازہ کھول دیا تھا..... سامنے بوڑھی عورت تھی وہ جلدی سے بولا۔“

”رائی ماں دروازے کی نیل بجی تھی شاید۔“

”یہ دیکھو یہ کیا کھڑا ہے سننڈا..... ارے بابا دنیا سے شرافت ہی مٹ گئی..... ارے میں
پہنچی رہ گئی اور یہ اندر گھس آیا۔“

”ارے یار اسے واپس بھیجو کون ہے؟“ جابر زمان نے راحیل سے کہا اور راحیل جابر
زمان کو پہچان کر جلدی سے بولا۔

”کوئی بات نہیں ہے رائی ماں..... میرا بہت گہرا دوست ہے۔“

”تمہارے لچھن اس قدر بگڑے ہوئے نہ ہوتے تو آج یہ نوبت نہ پہنچتی..... دوستوں
کے آنے کا یہ وقت ہوتا ہے..... عمر گزر گئی، بوڑھے ہو گئے حرکتوں سے باز نہ آئے۔“
بوڑھی عورت بڑبڑاتی ہوئی واپس چلی گئی تھی..... جابر زمان اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

”یار کمال ہے یہ چوکیدار وغیرہ کہاں مر گئے تھے، سب تمہارے..... نہ کوئی ملازم نظر
آ رہا ہے میں تو اتنی پریشانیوں کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچا ہوں اور یہاں یہ مصیبت..... اتنی
رات گئے اس لئے آیا ہوں کہ کسی بھی قیمت پر کسی کو اپنی یہاں آمد کی خبر نہیں ہونے دینا
چاہتا تھا۔“

”آؤ بیٹھو۔“ راحیل رضا صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”اگر کہو تو یہ تیز لائٹ بند کر دوں..... نائٹ بلب کی روشنی بھی کافی ہے..... پتا نہیں
کیوں طبیعت پر یہ تیز روشنی گراں گزر رہی ہے۔“

”بند کر دو۔“ جابر زمان صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا اور راحیل رضا نے تیز لائٹ بجھا کر

”کیا کہوں بھئی، بس کچھ کہنا مشکل ہی ہو جاتا ہے تمہارے سامنے، ٹھیک ہے میں اس
سے وعدہ کر لوں گا اور نہ تم سے یہ پوچھوں گا کہ آگے کا کیا پروگرام ہے۔“

”سر زیادہ وقت نہیں ہے..... بہت کچھ سامنے آ جائے گا۔“

شہاب نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ نادر حیات سے اجازت لے کر وہاں سے اٹھ گیا۔



جابر زمان رات کی تاریکیوں میں مختلف راستوں سے گزرتا ہوا آخر کار راحیل رضا کی
کوٹھی تک پہنچ ہی گیا..... جو تاریکی اور سنائے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے اندر کی
کیفیت اس وقت اس کوٹھی کے دیرانے سے مختلف نہیں تھی، وہ اندر سے بھی اس قدر
ویران ہو چکے تھے اور اب صرف زندگی کی لکیر کوٹھنے سے بچانے کے لئے سرگرم تھے اور باقی
جہاں تک دولت کے حصول کا معاملہ تھا تو اب وہ تصور مٹ چکا تھا، بس ایک احساس تھا جو ان
کے دلوں میں جاگزیں تھا..... راحیل رضا کی کوٹھی میں چوکیدار بھی نہیں تھا۔ جابر زمان کو
بہت دیر تک نیل بجانی پڑی تھی اور پھر اس کے بعد اندر سے بوڑھی خادمہ نمودار ہوئی تھی،
جس کی آنکھیں نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں..... ذیلی کھڑکی کھول کر اس نے کسی قدر ناخوشگوار
لہجے میں کہا۔

”کون ہے؟ یہ کسی آدمی کا کسی شریف آدمی کے گھر آنے کا وقت ہے، کیا ہے؟“

”اماں جی راحیل رضا گھر میں ہے؟“

”کوئی نہیں ہے گھر میں..... جاؤ دفع ہو جاؤ..... ارے ہاں انسانوں جیسی کوئی بات ہی
نہیں رہی، انسانوں میں، نہ وقت دیکھتے ہیں اور نہ موقع..... منہ اٹھایا چل پڑے، اپنی غرض
کے لئے لوگوں کو پریشان کرنے..... ارے جاتے ہو منہ کیا دیکھ رہے ہو؟“ عورت نے
کھڑکی بند کرنے کی کوشش کی تو جابر زمان نے اس میں پاؤں اڑادیا، عورت جھکی سی تھی اور
ویسے بھی خاصی عمر رسیدہ تھی اور پھر یہ فطری بات تھی کہ اس وقت کسی کو نیند سے جگانے
کے بعد اس سے ایسی گفتگو کی توقع رکھی جاسکتی تھی..... جابر زمان کھڑکی سے اندر گھس آیا۔

”اے..... اے..... اے ڈاکو ہو کیا..... ڈاکا ڈالنے آئے ہو۔“

عورت نے کہا جابر زمان نے آگے بڑھ کر ذیلی کھڑکی بند کی اور بولا۔

”اماں جی میں راحیل رضا کا دوست ہوں..... اس سے ملنا میرے لئے بہت ضروری

نائٹ بلب روشن کر دیا..... پھر وہ خود بھی جابر زمان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
”سن لیا تم نے۔“ جابر زمان نے پوچھا۔

”ظاہر ہے ہم حالات سے بے خبر رہ کر اپنے لئے پھانسی کا پھندا ختم تو نہیں کر سکتے،
ویسے جابر زمان کیا ہو گیا یا یہ سب کچھ چند دن پہلے کی زندگی اور اب۔“

”غلطی کس کی ہے..... کوئی آخری بات نہیں کہہ سکتا، خیر گناہ تو بہت سے کئے ہیں ہم
نے اور نجانے کس کس کی آہیں ہمارا تعاقب کر رہی ہوں گی، ظاہر ہے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے
کہ اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں ان میں کوئی نیک کام بھی شامل تھا لیکن بات اس لڑکی
والے مسئلے سے بگڑی..... دانی شاہ نے انتہا پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس لڑکی کو بڑی بے
وردی سے قتل کر دیا..... تمہیں اندازہ ہے کہ بہت پس ماندہ گھرانے کی لڑکی تھی وہ اپنے
ماں باپ کا سہارا تھی آہ لگ گئی ان لوگوں کی اور اب ہمارے پاس آہیں بھرنے کے سوا کچھ
نہیں ہے۔“

”تو کیا خود کشی قبول کر لی؟“

”نہیں..... سڑکوں پر گھسٹتے ہوئے کسی ایسے معذور انسان سے پوچھو جسے دیکھ کر دل
خوف سے دہل جائے کہ کیا وہ مرنا چاہتا ہے تو جواب نفی میں دے گا بلکہ تم سے نفرت کرے گا
کہ تم نے ایسے الفاظ کہے ہی کیوں..... اب ہم بھی اس وقت جن حالات کا شکار ہیں وہ موت
ہی کے مترادف ہیں..... کیا ہم مرنا چاہتے ہیں؟“

”نہیں۔“

”تو پھر جینے کی راہ نکالو..... راجیل کوئی جینے کی راہ نکالو۔“

”راستے بند ہو گئے ہیں، جابر دیکھو ڈاکٹر حیات ہم سب سے دلیر انسان تھا ہر مشکل
اپنے سر لینے کو تیار لیکن جو ہوا وہ بڑا عجیب رہا اور پھر اس کے بعد ذرا شیخ سلطان کو دیکھو قتل
کس نے کیا چینا نے..... ارے باپ رے سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا یہ تو، کیا ہوا کیسے ہوا سمجھتے
ہو اس بارے میں۔“

”اعظم بیگ کے بارے میں سن۔“ جابر زمان نے کہا۔

”نہیں.....“ راجیل رضا چونک پڑا۔

”یاد سارے رابطے ختم کر ڈالے ہیں۔“

”اس وقت سچی بات تو یہ ہے کہ ساری دلیری ہوا ہو گئی ہے..... موت رفتہ رفتہ اپنے
قریب آتی محسوس ہو رہی ہے..... اعظم بیگ کا کیا ہوا شدید بیمار ہے، میں نے کئی بار اس سے
رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے بچے کہتے ہیں کہ وہ بہت بری حالت میں ہے..... ڈاکٹر
اسے ہسپتال میں داخل کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں، لیکن وہ ہسپتال جانے کے لئے تیار
نہیں ہے..... یہ بات اس کے بچوں نے ہی بتائی ہے مجھے۔“

”ہسپتال تو بہت خطرناک ہو جائے گا، اس کے لئے، تو کیا ٹرانسمیٹر پر بھی اس سے
گفتگو ممکن نہیں ہو رہی۔“

”بچے کہتے ہیں کہ وہ کوما میں ہے۔“

”تو تم نے اسے دیکھا نہیں۔“

”نہیں..... اس وقت ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔“ جابر زمان نے کہا اور راجیل
رضا گردن ہلانے لگا..... چند لمحے خاموش رہنے کے بعد جابر زمان نے چونک کر کہا۔

”یہ تمہاری کوٹھی خالی کیوں ہو گئی ہے..... بچوں کو کہیں اور منتقل کر دیا ہے کیا؟“

”ہاں۔“

”کہاں؟ کسی نئے گھر میں..... کسی دوسرے شہر میں؟“

”شہر میں نہیں ملک میں۔“

”اوہو..... کہاں؟“

”سوری..... جابر زمان گھر کے معاملات دوسرے تمام معاملات سے ہٹ کر ہوتے
ہیں، میں اس وقت ہوا کو بھی نہیں بتانا چاہتا کہ میرے اہل خانہ کہاں ہیں؟ بس اتنا سمجھ لو کافی
ہے کہ وہ کسی اور ملک میں منتقل ہو گئے ہیں اور اگر یہاں کی صورت حال بالکل ہی خراب ہو گئی
تو میں بھی خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔“

”اور اپنے یہ تمام اثاثے..... یہ جائیداد اور کاروبار؟“

جابر زمان نے کہا۔

”ان دنوں انہی کارروائیوں میں مصروف ہوں..... کچھ چیزیں فروخت کر دی ہیں،
کچھ فروخت کر رہا ہوں جو رہ جائے گا اس کا متولی کسی کو بنا رہا ہوں..... دور کے رشتے دار بھی
تلاش کئے ہیں، ان کے نام یہ سب کچھ منتقل کر رہا ہوں..... کسی کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ کہاں

ہوں اور کہاں جا رہا ہوں..... حالات جب میرے حق میں ہو جائیں گے تو ان لوگوں سے رابطے قائم کر کے باقی ساری کیفیتیں درست کروں گا..... اس وقت صورت حال بالکل ایسی ہے کہ زندگی بچالی جائے اور یہ دولت گنوا دی جائے جو کچھ بیرون ملک منتقل کر چکا ہوں اسی پر اکتفا کروں گا..... آخر کیا کروں بتاؤ زندہ رہنے کے لئے قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں نا..... بس یہ قربانی ہی دے سکتا ہوں میں۔“

”اور تم نے تنہا یہ سارے فیصلے کر لئے؟“ جابر زمان شکایتی انداز میں بولا۔

”کیا مطلب؟“

”کم از کم مجھے بھی تو کوئی مشورہ دے سکتے تھے۔“

”جابر زمان حقیقتوں کو نگاہوں کے سامنے رکھ کر بات کرو اگر تم اپنی زندگی بچانے کا کوئی راستہ دریافت کر لیتے ہو تو پہلے کیا اپنی زندگی کو بچانے کے بارے میں نہیں سوچو گے..... اس وقت بڑی نفسا نفسی کی کیفیت ہے۔“

”پھر بھی آج تک ساتھ جیتے رہے ہیں..... آئندہ بھی کچھ لمحات ساتھ گزریں۔“

”بالکل نہیں..... کوشش کرنا کہ اپنے طور پر جینے کی راہیں تلاش کرو..... میں اگر کہیں مل بھی جاؤں تو عدم شائق کا اظہار کرو بیٹا..... ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے..... بات حقیقت کے انداز میں سوچنے کی ہے اور اس وقت یہی حقیقتیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔“

”ویسے کم از کم یہ تو بتا سکتے ہو تم کہ اس تمام کارروائی کے پس منظر میں تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟“

”سنڈکیٹ اور صرف سنڈکیٹ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا ہمارے خلاف انتقامی کارروائی کی جا رہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ آئرن کراؤن کے بڑے ممبر یہاں آگئے ہوں..... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان تینوں افراد کے قتل میں بھی بڑے ممبروں کا ہی ہاتھ ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے کہ وہ گولڈن کراؤن ہوں ممکن ہے وہ ڈائمنڈ کراؤن ہوں..... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ اس وقت ان کہانیوں میں پڑنا بے مقصد ہے..... ہمیں زندگی کے راستے تلاش کرنے چاہئیں، میں اپنے بچوں کو دوسرے ملک منتقل کر چکا ہوں اور بس اس کا منتظر ہوں کہ کسی وقت خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں۔“

”یہ بزرگ خاتون کون ہیں۔“

”میری ملازمہ ہیں لیکن دادا کے زمانے کی، میری دادی کی گہری دوست تھیں..... میں سمجھ لو کہ بچپن سے ہمارے ساتھ ہیں..... میں نے باقی تو سارے ملازموں کو نکال دیا ہے، لیکن ان کے نکالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا..... انہیں بھی بھیج دیتا ان لوگوں کے ساتھ لیکن یہ کہیں اور جانے کے لئے تیار نہیں تھیں اور اب یہاں ہیں۔“

”تو پھر تمہارا کیا خیال ہے..... مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”جابر زمان اس وقت اپنے بارے میں تم خود سب سے زیادہ مناسب اور بہتر فیصلہ رکھتے ہو، میرے دوست میری بات کا براہ امت ماننا وقت اتنی ہی شدت اختیار کر گیا ہے کہ ہم اس انداز میں سوچنے پر مجبور ہیں۔“

”اعظم بیگ سے کوئی رابطہ قائم کیا جائے۔“

”اگر زندگی کو مشکلات میں ڈالنے کا شوق زیادہ چڑھ رہا ہے تو جیسا مناسب سمجھو کرو میں تو اس وقت تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اچھے دوست اور ساتھی کی حیثیت سے کہ خود کو سنبھالو اور جس طرح بھی بن پڑے اس جنجال سے نکلنے کی کوشش کرو، ویسے ایک بات بتاؤ جابر زمان۔“

”ہاں پوچھو۔“

”سنڈکیٹ کی جانب سے کسی قسم کے رابطے کی کوشش تو نہیں کی گئی؟“

”بالکل نہیں۔“

”تو پھر سمجھ لو کہ وہ لوگ ہمیں واش آؤٹ کر دینا چاہتے ہیں اور عمل کر رہے ہیں..... دوہرے جال میں گرفتار ہیں ہم ایک جانب مقامی انتظامیہ کو ہم پر مکمل شبہ ہو چکا ہے اور دوسری جانب سنڈکیٹ ہمارے چکر میں ہے..... سمجھ لو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں..... کتنا بچیں گے۔“ جابر زمان گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا..... راجیل رضانے کہا۔

”یقین کرو مجھے تو اب وحشت ہونے لگی ہے نجانے کیوں یہ محسوس ہوتا ہے کہ لاتعداد لگا ہیں مجھے گھور رہی ہیں، ہر طرف سے آنکھیں ابھر رہی ہیں..... بستر پر لیٹے لیٹے چونک پڑتا ہوں، قدموں کی چاپیں میرے ارد گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔“

”خدا کی قسم میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ

ابن تک آجاتا ہے کہ آخر خدا ان کو ان کی برائیوں کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ غلط سوچ ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے ان برے انسانوں کے لئے زراستوں کی لمبائی کیا رکھی ہے۔ اب تک ان کے قدموں نے آگے بڑھنا ہے، اختتام کہاں ہے اور واپسی کا سفر کون سے تے سے شروع ہوتا ہے۔ جب تعین کرنے والا خود تعین کرنے کا حق دار ہے تو دیکھنے لے کو نکتہ چینی کا حق نہیں پہنچتا۔ بہر حال یہی کیفیت ان لوگوں کی تھی، ان کی رسی دراز ی اور اب اس رسی کو کھینچا جا رہا ہے۔ نتیجے میں دو افراد کو تو سزا مل چکی تھی اور اگر کسی کے دل مایہ تصور ہو کہ وہ اپنی زندگی اپنی تمام برائیوں کے ساتھ آرام سے گزار لے گا تو یہ تصور ہاں آکر ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والی آنکھ اگر اس وقت مرزا اعظم بیگ کے وجود کی رانیوں میں جھانک لیتی تو ایسا عبرت اثر منظر نظر آتا اسے کہ وہ اپنی بینائی ہی کھونے لگتی۔ رزا اعظم بیگ اندر سے اس طرح ٹوٹ گیا تھا کہ اگر اس کے وجود کی کرچیوں کا جائزہ لیا جاتا ان کا شمار ممکن نہیں تھا۔ اپنے بچوں سے الگ اس حجرے میں جہاں اس نے اپنی اداکاری کے لئے نجانے کیا سے کیا بنالیا تھا۔ تنہائیوں میں بیٹھ کر وہ خود اپنے اعمال کا حساب کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی کا ایک ایسا حصہ اس کے لئے مشکل کا سبب بنا تھا جب وہ ان برائیوں میں ملوث نہیں تھا، لیکن پھر جب وہ ان برائیوں میں جکڑا تو اس طرح جکڑا تھا جاکہ پھر دل کی تمام سرخی سیاہی میں تبدیل ہو گئی، چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا۔ ابتداء ہی میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا تھا ان لوگوں سے کسی نہ کسی طرح کنارہ کشی اختیار کر سکتا تھا۔ یہ ممکن تھا اس وقت اس کے لئے اور وہ سوچتا بھی تھا اس بارے میں لیکن پھر جو دولت اس کے لئے آنا شروع ہوئی تو اس نے اسے خلوص دل سے اس جانب مائل کر دیا اور پھر دولت سے ملوس انسانوں کی تباہی کا سبب بنا اور وہ نجانے کیا سے کیا بن گیا، لیکن آج اس کے اعمال کا ایک حساب اس کے سامنے موجود تھا۔ زندگی بڑی پیاری ہوتی ہے، ہر انسان کو اور پھر ملنے تو ساری زندگی عیش و عشرت سے گزاری تھی اور اب بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنے انہوں سے اپنی زندگی کھودے۔ ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان کا جو حشر ہوا تھا وہ بھی اس کے لم میں آچکا تھا۔ اندر سے تو واقعی اس کی بری حالت ہو گئی تھی، حسرت سے سوچتا تھا کہ ان ماری کاوشوں کے نتیجے میں یہ ملے گا ایسا تو کبھی تصور میں بھی نہیں آیا تھا۔ بچوں سے جدائی کی شاق تھی اسے اور وہ دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ ابھی تو زندگی کا صحیح لطف بھی نہ لیا تھا اور

کیسی چاہیں اور کیسی آوازیں ہیں۔“
 ”کیسی آوازیں ہیں؟“ راجیل رضا سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔
 ”یہ وہ سب ہیں جو ہماری وجہ سے موت کا شکار ہوئے ہیں اور اب ان کی روحیں ہمارے اطراف میں بھٹک رہی ہیں۔“
 ”یار تمہیں خدا کا واسطہ مجھے ایسے خوفزدہ نہ کرو۔۔۔۔۔ تم تو ابھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہو، میں تو اس کوٹھی میں تنہا ہوں بالکل تنہا، باہر کے تمام رابطے ختم کر دیئے ہیں میں نے، مجھے اس طرح خوفزدہ نہ کرو۔“ راجیل رضا کی رندھی ہوئی آواز ابھری اور جابر زمان گردن ہلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا پھر وہ آہستہ سے بولا۔
 ”ٹھیک ہے راجیل رضا تم نے اپنے لئے ایک راستہ منتخب کر لیا، میں ابھی درمیان میں ہوں۔۔۔۔۔ دیکھوں گا اپنے بارے میں بھی سوچوں گا۔۔۔۔۔ اب یہ پتا نہیں کہ اعظم بیگ نے اپنے لئے کون کون سے راستے منتخب کئے ہیں، لیکن اب جب ہم نفسا نفسی کا شکار ہو گئے ہیں اور پانچ افراد کے گروپ میں دو افراد بے محروم ہو چکے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے طور پر ہی کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ اوکے میں چلتا ہوں، لیکن بہر حال جاتے ہوئے بھی تم سے یہی کہوں گا کہ اپنا خیال رکھنا صورت حال خطرناک نہ ہونے پائے، ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد ہم پر سے یہ عذاب ختم ہو جائے۔۔۔۔۔ ایسے وقت میں پھر کہیں نہ کہیں ہم ایک دوسرے کو تلاش کر لیں گے اور اپنی دوستی کو قائم رکھیں گے۔“ راجیل رضا پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور بولا۔
 ”بہر حال بہت کچھ کیا ہے ہم نے، بہت ساری دولت اکٹھی کر لی ہے ہم نے لیکن اب یہ دولت ہی ہمارے سینے پر سانپ بن کر کھل رہی ہے۔“ جابر زمان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، پھر وہ وہاں سے چل پڑا۔



کون کہتا ہے کہ وقت انسان کو سبق نہیں دیتا۔۔۔۔۔ بہت سے لوگ جن کے بارے میں یہ دیکھنے میں آتا ہے اور دنیا جان لیتی ہے کہ ان کا رخ برائیوں کی جانب ہے، تا صرف یہ بلکہ وہ اپنے برے اقدامات سے زندگی کی بہت سی آسائشیں حاصل کر لیتے ہیں اور ان کے قرب و جوار میں بکھرے ہوئے مفلوک الحال لوگ یہ سوچتے ہیں کہ دیکھو اپنی برائیوں کے ساتھ یہ کس طرح عیش کی زندگی گزار رہے ہیں، وہاں ان کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور

یہ زندگی جانے پر کیوں تل گئی ہے..... بہر حال صدف اور طاہر نے جو کارروائیاں کی تھیں، اس کے نتیجے میں شہاب ثاقب اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تھا۔ مرزا اعظم بیگ جانتا تھا کہ شیخ سلطان نے شہاب ثاقب کی موت کے لئے چینا کو مصروف کیا ہے، لیکن شیخ سلطان چینائی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص پر ہی قابو پایا جاسکے..... مرزا اعظم بیگ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ شہاب ثاقب کے بارے میں خود کوئی کارروائی کرے تو اس کے نتیجے میں اسے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، قدرت جس پر مہربان ہوتی ہے اسے اپنا تحفظ بھی عطا کرتی ہے..... شہاب ثاقب یقینی طور پر قدرت کے تحفظ میں تھا ورنہ آئرن کراؤن کے اژدھے اسے کبھی کانگل جاتے لیکن وہ بھی اس کا کچھ لگاڑ نہیں پارہے تھے..... بہر حال وہ اب دنیا سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار تھا..... کنارہ کشی کے بھی مختلف انداز ہوتے ہیں، وہ تو ایک ایسی کیفیت میں آ رہا تھا جہاں زندگی بے شک تھی لیکن موت کے مترادف..... پروگرام طے ہو چکا تھا اور اس طے شدہ پروگرام کے تحت وہ ان لوگوں سے بھی کٹ گیا تھا جن سے اس کا تعلق تھا، یعنی جابر زمان اور راجیل رضا جنہوں نے کئی بار اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اب طاہر بیگ نے تمام صورت حال سنیا لی تھی اور بڑی سادگی سے اس نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مرزا اعظم بیگ بیمار ہیں اور ڈاکٹروں نے پابندی لگا دی ہے کہ کسی کو ان سے ملنے نہ دیا جائے، تاکہ ان کے دل و دماغ پر کوئی برا اثر نہ پڑے..... درحقیقت اندر کی بیماری باہر سے بھی ظاہر ہو رہی تھی..... دوسرے بچے ابھی تک اصل صورت حال سے واقف نہیں تھے اور یہی سمجھ رہے تھے کہ باپ بیمار ہے، تندرست ہو جائے گا۔ یہ سارے گھماؤ صدف اور طاہر بیگ ہی اپنے دل پر سنبھالے ہوئے تھے، پھر حجرے میں منصوبہ بندی ہوئی تھی کیونکہ ساری صورت حال طاہر اور صدف کے سامنے تھی، غالباً شہاب سے بھی اس موضوع پر کوئی گفتگو ہوئی تھی اور شہاب نے کوئی منصوبہ بھی پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ اس وقت صدف اور طاہر حجرے میں داخل ہوئے تو مرزا اعظم بیگ نے خوفزدہ لگا ہوں سے انہیں دیکھا، دونوں بچوں نے باپ کی صورت دیکھی اور ان کے دل دہل سے گئے، وہ باپ جو شیر کی طرح گر جتا تھا، جس کو دنیا ایک عظیم محب وطن سے جانتی تھی اور جو دنیا کو دھوکا دینے میں نہایت کامیابی سے اپنے اقدامات کرتا رہا تھا۔ آج جڑیا کے پودوں کی پھر پھر اہٹ سے بھی خوفزدہ ہو جاتا تھا اور یہ یقینی طور پر اس کے اعمال کا

نیچہ تھا لیکن جن کے لئے دلوں میں محبت ہوتی ہے ان کی برائیوں کو جاننے کے باوجود ان کے لئے رحم کے جذبات سینے میں ضرور ابھرتے ہیں، یہ تو قدرت کا عطا کردہ احساس ہے جسے قدرت ہی ختم کر سکتی ہے۔ انسان کے بس کی بات نہیں..... فطرت کی کمزوری آخر کار نام نیک جذبات پر حاوی ہو ہی جاتی ہے، اس وقت بھی صدف اور طاہر بیگ کے چہرے پر باپ کی کیفیت دیکھ کر غم کے آثار ابھڑے تھے، لیکن انہیں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ اب اعظم بیگ انتہائی کمزور انسان ہے اور اس کے احساسات شدید سے شدید تر ہو چکے ہیں اور اب وہ کسی الٹی سیدھی بات کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ جس راستے کی جانب اس نے قدم اٹھائے ہیں اس میں نجانے کیا کیا مشکلات کا سامنا کرنا پڑے..... وہ دونوں باپ کے سامنے بیٹھ گئے۔

”کیسے ہیں ڈیڈی۔“ صدف نے مصنوعی مسکراہٹ سے پوچھا اور اعظم بیگ محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

”یہ سوال رسمی ہے؟“

”کیوں ڈیڈی۔“ صدف نے کہا۔

”اس لئے بیٹے جیسا میں ہوں تم اچھی طرح جانتی ہو۔“

”ڈیڈی آپ نے بلکہ ٹھہریے میں آپ کے ان احساسات کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہوں جو آپ نے اپنے سینے میں پال رکھے ہیں، دیکھئے پیدائش کے دن سے لے کر آج تک میں صرف اپنی بات کر رہی ہوں باقی لوگوں کی نہیں، آپ نے میرے ایک ایک لمحے کا خیال رکھا ہے، بیمار ہوں، تندرست ہوں، بھوکے ہوں، کوئی خواہش دل میں رکھتی ہوں، اگر آپ یہ خیال نہ رکھتے تو ڈیڈی آج میری شخصیت کی تشکیل اس طرح نہ ہو پاتی..... جب آپ زندگی بھر میرے لئے یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں اور آپ نے میرے کمزور ہاتھوں اور بیروں کو اتنی قوت بخش دی ہے کہ اب میں ان سے اپنی پسند کے مطابق کام لے سکتی ہوں تو مجھ پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ اب میں اور طاہر بھائی یا دوسرے سب لوگ آپ کا خیال رکھیں، آپ اگر کسی مشکل کا شکار ہو گئے ہیں تو اس مشکل میں آپ کے ساتھ بن جائیں..... ڈیڈی یہ تمام تاثرات اپنے ذہن سے نکال دیجئے..... میں پوچھتی ہوں آپ کیسے ہیں تو آپ کہتے ہیں جیسا ہوں تم جانتی ہو، ہاں ڈیڈی میں جانتی ہوں میں اس شخص کو جانتی

ہوں جس نے مجھے ایک ننھے سے کیزے سے ایک تناور شخصیت بنادیا ہے، اگر اس کے احسانات اپنے دل میں رکھوں تو سچی بات کہوں آپ سے ساری دنیا سے اس کے لئے مجھے جنگ کرنی چاہئے اور جنگ کروں گی، ڈیڈی صرف میں نہیں بلکہ یہ تمام لوگ جو آپ کے پرورش کردہ ہیں۔“ مرزا اعظم بیگ نے گردن جھکالی تھی..... صدف کچھ لمبے خاموش رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔

”کیسے ہیں ڈیڈی؟“

”ٹھیک ہوں بیٹی۔“ مرزا اعظم بیگ نے جواب دیا۔

”گڈ..... آپ کو بالکل ٹھیک رہنا ہوگا..... ایک غلطی ہو گئی ہے ڈیڈی ہم اس پر تائب ہیں، ان بے توبہ کرتے ہیں..... آپ ایک نئے انسان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے ہیں، بتاؤں ڈیڈی ہم جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں بے شک تھوڑا سا فاصلہ اختیار کر لیا ہے ہم نے اس سے، جو ہماری برائی اور کوتاہی ہے..... ڈیڈی میں کوئی مبلغ نہیں ہوں، نصیحت نہیں کر سکتی آپ کو..... دنیا کے جو رنگ آپ نے دیکھ لئے ان سے تو آپ اچھی طرح گونا گوں شناس ہو چکے ہیں..... اب دنیا کے اس رنگ کی جانب آجائیے جو رنگ فطرت ہے اور انسان کے لئے نجات کا راستہ مذہب اپنائیے ڈیڈی..... یہ جگہ جسے آپ نے حجرے کا نام دیا ہے اور جہاں لوگ آپ کو درویش کی حیثیت سے جانتے ہیں، اب آپ کے قابل نہیں ہے، کیونکہ یہاں سے ایک مصنوعی زندگی کا آغاز ہوا ہے..... ہم نے آپ کے لئے ایک جگہ منتخب کر دی ہے ڈیڈی، آپ وہاں جائیے ہم بساط بھر آپ کے لئے ہر آسائش مہیا کر دیں گے، وہیں آپ سے ملاقات کر لیں گے..... وہاں آپ عبادت الہی میں مصروف ہو جائیے، اب یہ کون جانے کہ یہ کون کون سے گناہوں کا سد باب کس طرح ہو سکتا ہے..... یہ تو وہی ذات باری جانتی ہے جو ہر چیز کی شناسا ہے..... ڈیڈی آپ سمجھ رہے ہیں نائیں یہ الفاظ اپنی عمر، اپنی حیثیت، اپنی بساط سے زیادہ ہی ادا کر رہی ہوں، لیکن کیا کیا جائے کہ ذمہ داری میرے شانوں پر آپڑی ہے تو اسے بساط بھر پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”اور کچھ نہ کہو صدف اس بارے میں اور کچھ نہ کہو۔“ اعظم بیگ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں صدف بہتر ہے کہ اب ان تمام باتوں کی بجائے ہم کام کی باتیں کریں۔“ طاہر

نے کہا۔

”کام کی باتیں۔“ صدف نے طاہر بیگ کو دیکھا۔

”نہیں میرا مطلب ہے کہ اب آگے جو کرنا ہے۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ صدف نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور اس کے بعد چند لمحات کے لئے گہری خاموشی طاری ہو گئی تھی..... طاہر بیگ نے کہا۔

”ڈیڈی ہم لوگ آپس میں مشورہ کرتے رہے ہیں..... شہاب صاحب اور ان کی مسز اس مشورے میں شامل ہیں، وہ دونوں نیک دل انسان ہماری درخواست پر جو کچھ کرنے آمادہ ہوئے ہیں ڈیڈی شاید اس کا صلہ ہم انہیں کبھی نہ دے سکیں..... آنے والے وقت میں ہانڈیکیٹ کے جتنے بھی ارکان ہیں ان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہونے والی ہیں..... بی آپ دیکھ لیجئے گا..... سن لیجئے گا کہ انکل راجیل اور انکل جابر کے لئے بھی وہی سب کچھ مین ہے جو انکل حیات اور انکل سلطان کے ساتھ ہو چکا ہے..... ڈیڈی شہاب کے بارے میں مجھے اتنا ہی اندازہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو چھوڑے گا نہیں..... خیر یہ بعد کی بات ہے، ہم ناپے طے کیا ہے کہ ایک طویل عرصے تک دونوں بھائیوں کو اور گھر کے دوسرے افراد کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا جائے گا، جس طرح اب تک ہم نے ان لوگوں سے صورت ل کو جس حد تک بھی چھپا سکتے ہیں چھپا کر رکھا ہے..... اس کے بعد ہی ہم ایک طویل عرصے تک اس صورت حال کو چھپائے رہیں گے..... ڈیڈی شہاب صاحب نے بہت مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے اور اس حد تک وہ ہمارے معاملات میں ملوث ہو چکے ہیں کہ آپ سوچ لیا سکتے..... طے یہ کیا گیا ہے ڈیڈی کہ کسی بھی وقت آپ کی بیماری کی شدت اور اس کے امیر سے منہ میں خاک آپ کی موت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ بیماری کی شدت کا اظہار آپ کرنا ہوگا..... ڈاکٹر جو آپ کی موت کی تصدیق کرے گا..... شہاب صاحب کا بھیجا ہوا ہوگا..... بوزمہ داری شہاب صاحب نے قبول کی ہے کہ وہ ایک ایسی لاش کا بندوبست کر دیں گے مائے چہرے پر آپ کا میک اپ ہوگا اور اس لاش کی تدفین کر دی جائے گی..... میک اپ اب صاحب خود اپنے ہاتھوں سے کریں گے۔“

”مگر لاش کا بندوبست کیسے ہوگا؟“

”ڈیڈی ایک ڈراما کہا جائے گا اور اس کی تمام تر ذمہ داری شہاب صاحب نے اپنے

شانوں پر لی ہے۔“

”بہر حال یہ پولیس کے لوگ ہیں، سب کچھ کر سکتے ہیں ٹھیک ہے پھر۔“

”بس ڈیڈی آپ کو اس جگہ منتقل کر دیا جائے گا جو آپ کے لئے منتخب کر دی گئی ہے۔“ آپ چاہیں تو اسے دیکھ سکتے ہیں۔“ طاہر نے کہا اور اعظم بیگ ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

”دیکھ سکتا ہوں۔۔۔۔۔ ہاں دیکھنا تو مجھے چاہئے لیکن دیکھ کر جو کچھ کیا ہے وہ غلط ہی رہا ہے بیٹا۔۔۔۔۔ ٹھیک ہوگی کیونکہ تم نے منتخب کی ہے۔“

”بس ڈیڈی ایک طویل عرصے تک آپ وہاں رہیں گے، ہم لوگ آپ سے ملتے رہیں گے اور اس کے بعد پھر باقی بھائیوں کو بھی اس بارے میں اطلاع دے دی جائے گی۔“

”جیسا تم مناسب سمجھو۔“ آخر کار یہ ڈراما آخری حد میں داخل ہو گیا۔۔۔۔۔ شہاب اور بیٹا اس میں براہ راست ملوث تھے، مرزا اعظم بیگ کی بیماری کے بارے میں باتیں پھیلتی چلی

گئیں۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ کو ایک بیمار کارول ادا کرنا تھا، اپنے بچوں کی ہدایت کے مطابق وہ اس رول کو سرانجام دیتا رہا۔۔۔۔۔ شہاب اور بیٹا بھی دو تین بار مرزا اعظم بیگ کے گھر اس سے

ملاقات کرنے گئے تھے اور مرزا اعظم بیگ کی آنکھوں کی کیفیت انہیں اس ممنونیت کا احساس دلاتی تھی جو مرزا اعظم بیگ کے دل میں موجود تھی۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ مقررہ وقت کا تعین

ہو گیا۔۔۔۔۔ سردار علی کو ڈاکٹر بنا کر اس وقت وہاں بھیجا گیا تھا جب انتہائی خفیہ طریقے سے مرزا اعظم بیگ کو وہاں سے ہٹا کر سول ہسپتال سے حاصل کردہ ایک مردہ جسم جو مرزا اعظم بیگ

ہی کی جسامت سے مطابقت رکھتا تھا۔۔۔۔۔ مرزا اعظم بیگ کی جگہ پہنچا دیا گیا تھا اور ایک مردہ چہرے پر مرزا اعظم بیگ کا میک اپ کرتے ہوئے خود شہاب کے ہاتھ بھی کانپتے رہے تھے،

لیکن بہر حال برائیوں سے تاب ایک شخص کی مدد کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد یہ کڑے گھونٹ شہاب کو پینا پڑے تھے اور پھر کچھ ایسے لوگوں کی مدد بھی اس میں شامل تھی جو اپنے

وقت کے اچھے لوگ تھے اور جنہوں نے برائی کو برائی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، بلکہ اسے بکیوں کے راستے ختم کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ سو مرزا اعظم بیگ کی موت کا اعلان ہو گیا اور

اس کے بعد اس کی تدفین بھی اسی انداز میں ہوئی، وہ بھولے بھٹکے لوگ جو اسے فرشتہ صفت سمجھتے تھے اس کے جنازے پر دھاڑیں مار رہے تھے اور مرزا اعظم بیگ خود اپنے جنازے کو

دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اگر اصل حالت میں وہ زندگی کے اس اختتام کو حاصل کرتا تو شاید

ان میں سے کوئی فرد بھی اس کے ساتھ موجود نہ ہوتا، نجانے کون نیک انسان ہے جس کا جنازہ جاتا تو اس کی شکل میں رہا ہے لیکن اسے اس کے اعمال کا انعام مل رہا ہے۔۔۔۔۔ سو یوں مرزا

اعظم بیگ کی تدفین ہو گئی، اس کے اہل خانہ ان انگشتبار تھے۔۔۔۔۔ طاہر اور صدف بھی غم زدہ تھے، دونوں دوسرے بھائی اور بیویاں جو کوئی بھی تھا مرزا اعظم بیگ کو یاد کر رہا تھا اور مرزا

اعظم بیگ خود کو بھی خود یاد کر رہا تھا کہ برائیوں میں کس قدر ملوث ہو گیا تھا کہ آج یہ عجیب و غریب کیفیت اس کی نگاہوں کے سامنے تھی، لیکن آخر کار اسے گھر چھوڑ کر اسی چھوٹے سے

ذبحہ صورت جنگلے میں منتقل ہونا پڑا جہاں تین ملازم اس کی تیمارداری کے لئے موجود تھے اور وہ افتخار صاحب کے نام سے متعارف کرا دیا گیا تھا اور یہ ساری کارروائی طاہر نے کی تھی، صدف

بھی اس میں پیش پیش تھی اور شہاب کا مکمل تعاون انہیں حاصل تھا، ایسے ڈرامے کبھی کبھی ہی ہوا کرتے ہیں اور ان کی نوعیت پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن بات وہی ہوتی ہے کہ

کوئی بھی چیز تصور کر لی جائے اس کا وجود ہوتا ہے اور پھر یہ ایسی انہونی بھی نہیں تھی۔۔۔۔۔ شہاب بھی ذہنی طور پر غیر مطمئن نہیں تھا کیونکہ شہنشاہ کی حیثیت سے جب اسے کوئی عمل

کرنا ہوتا تھا تو دنیاوی رکاوٹوں کا احساس اس کے دل سے اس جرم کی سنگین کیفیت کو منادیتا تھا جو وہ کرنے جا رہا ہوتا تھا، وہ تو ایک مجبوری ہوتی تھی جو ضمیر کی مانگ کہلاتی ہے اور ضمیر جو کچھ

مانگتا ہے وہ کبھی کبھی دنیا قبول نہیں کرتی، چنانچہ ایسے موقع پر یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ دنیاوی قوانین کو نگاہوں کے سامنے رکھا جائے یا ضمیر کی تڑپ کو، بہر حال اس سے پہلے بھی شہاب

بہت سی بار ضمیر کی تڑپ سے مجبور ہو کر ان لوگوں کے خلاف کام کر چکا تھا جو قانون کی گرفت سے نکلنے میں کمال رکھتے تھے۔۔۔۔۔ بہر حال یہ معاملہ اس طرح ختم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ نادر

حیات صاحب سے ملاقات ہوئی تو اعظم بیگ کے بارے میں خود اسے بتایا اور شہاب نے کہا۔

”جی سر۔۔۔۔۔ مجھے علم ہے۔“

”ایک بات بتاؤ گے، شہاب یہ سوال میرے ذہن میں بہت مشکل پیدا کر رہا ہے۔“

”جی سر۔“

”تم نے کہا تھا کہ پانچ چوہوں میں سے دو دم ہو گئے، تیسرے کی باری ہے۔۔۔۔۔ اعظم بیگ کے بارے میں یہی اطلاع ملی ہے کہ وہ خود طبعی موت کا شکار ہوا ہے۔“

”جی سر۔“

انہیں کام کرنے دیا جائے لیکن ان پر مکمل اعتماد قطعی طور پر ختم کر دیا جائے اور عارضی طور پر ان سے رابطہ بھی منقطع کر لئے جائیں، لیکن ان پر نگاہ بھی رکھی جائے، اس سلسلے میں رونا لڈ ڈکسن کو خصوصی اختیارات اس کی حیثیت سے بڑھ کر دے دیئے گئے تھے اور یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ رونا لڈ ڈکسن کو مزید افراد کی ضرورت ہے جس کے لئے اس نے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابھی یہاں کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مزید افراد کی کھپت ہو سکے، بعد میں اگر ضرورت پیش آئی تو سنڈیکیٹ سے اس بات کا مطالبہ کر دیا جائے گا..... رونا لڈ ڈکسن کی ملاقاتیں ان تینوں سے ہوتی رہتی تھیں اور خفیہ طور پر بہت سے منصوبے زیر عمل لائے جا رہے تھے..... ڈی آئی جی نادر حیات اور شہاب ثاقب کے بارے میں بھی یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ ان دونوں افراد کو ختم کر دیا جائے گا لیکن اس کے لئے بھی رونا لڈ ڈکسن اپنے خصوصی وسائل سے کام لینا چاہتا تھا، جب کہ راک، ہیل، گارون نے اس سلسلے میں خود پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ یہ ذمہ داری انہیں سونپ دی جائے تو رونا لڈ ڈکسن بولا تھا۔

”نہیں میرے بچو..... کوئی ایسا کام خود کرنے کی کوشش نہ کرنا جس کی اجازت میری جانب سے نہ ملی ہو..... بڑی مشکل سے میں نے تم تینوں کو مقتول بنایا ہے اور تمہارے لئے روپوشی حاصل کی ہے، ورنہ منظر عام پر رہ کر تم کبھی کوئی عمل نہ کر پاتے..... میری کسی کاوش کو ضائع کرنے کی کوشش کبھی بالکل نہ کرنا..... یہاں کی زندگی تم لوگوں کو کیسی لگ رہی ہے۔“

”سر ہم یہاں بہت مطمئن اور خوش ہیں۔“

”اپنی اصل حیثیت سے ہٹنے کے بعد تم کیا محسوس کر رہے ہو۔“

”نہیں سر..... ہم اپنی اصل حیثیت سے ہٹے نہیں ہیں..... یہ تو ایک عارضی قدم

ہے۔“ ہیل نے جواب دیا اور رونا لڈ ڈکسن ہنسنے لگا اور بولا۔

”تمہارے الفاظ سے مجھے خوشی ہوئی اور یہ اندازہ بھی ہوا کہ تم لوگ ذہین ہو اور نورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہو اور اس کے مطابق کام کر سکتے ہو..... خیر میرے کہنے کا مقصد یہی ہے کہ ہم لوگ اپنے طور پر ابھی بہت محتاط رہیں گے..... سب سے اہم مسئلہ جو ہمارے سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نے دیکھا ہو گا کہ ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان ان لوگوں کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے جن کو انہوں نے خود پالا تھا..... وہ ٹھیکیدار جس نے جیل میں لٹ شاہ کو زہر دیا تھا ڈاکٹر حیات کی موت کا باعث بنا اور اس نے کھل کر تمام باتوں کا اعتراف

”کیا اس کے پس پردہ کوئی عمل ہے؟“

”صرف اتنا ہے کہ اسے اس بات کا احساس دلادیا گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں بچ سکے گا..... دو افراد جس طرح حادثوں کا شکار ہوئے ہیں وہ بھی اسی طرح دنیا کھو بیٹھے گا..... بہر حال سر انسان کے اندر لاتعداد کمزوریاں ہوتی ہیں وہ بھی ان کمزوریوں سے الگ انسان تو نہیں تھا، اس دہشت کو برداشت نہ کر سکا اور اس کی موت اسی دہشت کا نتیجہ رہی۔“

”او گویا ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا تم نے۔“ نادر حیات صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا..... بعد میں ساری تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد بیٹا بولی۔

”شہاب کیا اس راز میں نادر حیات صاحب کو شریک نہیں کیا جاسکتا تھا۔“

”بیٹا کیا نادر حیات صاحب یہ بات جانتے ہیں کہ شہنشاہ نام جیسی کوئی چیز بھی وجود میں آئی ہوئی ہے..... میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر نادر حیات صاحب کو شہنشاہ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں تو وہ اپنی قانونی ذمہ داریوں کو مد نگاہ رکھتے ہوئے کبھی شہنشاہ کی زندگی کی اجازت نہیں دیں گے..... یہ تو ایک الگ ہی شعبہ ہے جس کا تعلق صرف ثاقب صاحب کے اس مشن سے ہے جس کے لئے انہوں نے جان دے دی تھی اور شہاب ثاقب نے سچ کا وہ مشن جاری رکھنے کے لئے اپنے باپ کی روح سے وعدہ کیا ہوا ہے اور باپ سے کئے ہوئے وعدے سے میں دنیا کے کسی اور شخص کو شریک نہیں کر سکتا۔“ شہاب نے جواب دیا تھا اور بیٹا ایک جھمر جھری سے لے کر خاموش ہو گئی تھی، کیونکہ شہاب کی آواز میں جو غراہٹ تھی اسے کسی درندے کی غراہٹ سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی تھی، کسی بھی درندے کی آواز میں اس قدر غراہٹ نہیں ہوتی۔



راکی..... ہیل اور گارون مسلسل رونا لڈ ڈکسن سے رابطہ رکھے ہوئے تھے..... سنڈیکیٹ کی جانب سے انہیں مکمل اختیارات دیئے گئے تھے کہ وہ یہاں کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کر دیں..... باڑی میں جس طرح پروڈکشن رک گئی ہے اسے پھر سے ترتیب پلائیں..... ان لوگوں سے رابطے قائم کریں جو پروڈکشن کے ذمے دار تھے، ان کے درمیان اعتماد بحال کیا جائے اور پروڈکشن دوبارہ شروع کرائی جائے..... یہ سارے احکامات رونا لڈ ڈکسن کو اس کی رپورٹ کے بعد ملے تھے، یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ پانچ افراد جو کام کر رہے ہیں،

کر لیا..... چینی نامی شخص کے بارے میں جیسا کہ تمہارے علم میں آیا تھا کہ شیخ سلطان نے اسے شہاب ثاقب کی موت کے لئے آمادہ کیا تھا اور چینی نے شیخ سلطان کو قتل کر دیا..... اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو تم۔“

”سر یہ کہ شہاب ثاقب شیطانی قوتوں کا مالک ہے..... اپنے خلاف ہونے والی سازش سے آگاہ ہونے والا اور کون جانے کن دو افراد کا قتل شہاب ثاقب کے ایماء پر ہوا ہو..... اس نے اپنے دشمنوں کو خود اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا، یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے سر..... ورنہ اور کیا وجوہات ہو سکتی ہیں۔“

”میرے ذہین دوستو! میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا اور یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ شہاب ثاقب کے خلاف یا سنڈیکیٹ کے مقاصد کے لئے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا ہمارے لئے خطرناک ہو سکتا ہے، کیونکہ شہاب ثاقب جیسا شخص اصل حقیقتوں سے ناواقف نہ رہا ہو گا اور تھوڑا بہت علم اسے اس بارے میں ضرور ہو گیا ہو گا کہ سنڈیکیٹ یہاں کیا کر رہی ہے، کچھ وقت کے لئے مکمل خاموشی اختیار کی جائے تو ہمارے لئے بہتر رہے گا، اپنے معمولات کو محدود رکھو اور کسی بھی سرگرمی میں حصہ نہ لو..... ہم اس کے بعد باڑی سے اپنے کام کا آغاز کریں گے..... پہلے میں مشنری کے تحت وہاں جانے کی تیاریاں کروں گا اور اس کے لئے میں نے کام کا آغاز کر لیا ہے..... ہماری مشنری اس کام میں مصروف ہو گئی ہے اور ہم ایک تبلیغی مشن لے کر ان پہاڑی علاقوں کا رخ کریں گے جہاں مثنیات کی کاشت ہوتی ہے..... ہم وہاں انسانیت کا درس دیں گے، لیکن ہمارا رابطہ کاشت کاروں سے ہو گا جو ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، سمجھ رہے ہونا۔“

”اور ہم آپ کے معقدین کی حیثیت سے آپ کے ساتھ جائیں گے سر۔“ گارون نے کہا اور سب لوگ ہنسنے لگے، چند لمحات یہ فضا قائم رہی، پھر رونا لڈاؤ کسن نے سر دلچے میں کہا۔

”لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی تمہیں اس بات سے باخبر بھی رہنا ہو گا کہ سرکاری پیانے پر یہاں کیا ہو رہا ہے..... اپنے آپ کو بالکل ہی چھوڑ کر نہ بیٹھ جانا کیونکہ یہ بات ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔“

”ہم جانتے ہیں فادر۔“ پیل کے منہ سے نکلا۔

”او کے..... محتاط رہو اور مجھے خبریں دیتے رہو۔“ پھر تینوں نے ایک بار اور رونا لڈاؤ کسن سے بات کر کے انہیں اعظم بیگ کی موت کی اطلاع دی تھی اور رونا لڈاؤ کسن کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔“

”تین..... تین گئے دو باقی رہ گئے ہیں، کیا ان دونوں کے معمولات کے بارے میں تمہیں علم ہے۔“

”نہیں سر..... ہم نے ان سے فاصلے ہی اختیار کر رکھے ہیں۔“

”اعظم بیگ کی موت کس طرح ہوئی۔“

”سروہ کچھ عرصے سے بیمار تھا اور آخر کار یہ بیماری اس کی جان لے بیٹھی۔“

”رپورٹ بالکل درست ہے۔“

”جی سر مکمل طور پر..... رات..... اصل کر لی گئی ہیں۔“

”گویا وہ خوف کا شکار ہو گیا اور ہونا بھی تھا اسے کیونکہ ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان بدترین موت کا شکار ہوئے تھے..... باقی دونوں کا کیا حال ہے۔“

”سر اگر آپ حکم دیں تو ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔“

”نہیں تمہارا پہلا طرز عمل ہی درست ہے..... ہاں اگر ان کی موت کی اطلاع مل جائے تو مجھے دے دینا میرے خیال میں ان دو افراد کا ختم ہو جانا بھی بے حد ضروری ہے۔“

”اگر اجازت ہو فادر تو ہم خود۔“ پیل نے کہا اور رونا لڈاؤ کسن اسے گھورنے لگا اور بولا۔

”یہ احقانہ خیال تمہارے دل میں کیوں آیا؟“

”نہیں سر..... اصل میں ہمیں۔“

”دیکھو..... میں تم لوگوں کو ذہین کہہ چکا ہوں، اب میں اپنے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا چنانچہ کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالو گے تم جس میں ایسا حماقت بھرا کوئی احساس ہو..... ہمیں کیا ضرورت ہے جب وہ خود اپنی موت مر رہے ہیں تو ہم کیوں اپنے آپ کو منظر عام پر لائیں..... سمجھ گئے۔“

”ٹھیک ہے سر..... آئی ایم سوری۔“ اور اس کے بعد وہ لوگ خاموش ہو گئے تھے۔



دونوں کے چہروں پر غم و اندوہ کے تاثرات منجھتے تھے..... آخر کار اعظم بیگ بھی چل

بسا تھا۔۔۔۔۔ یہ لوگ اس کی تمام رسومات میں شریک رہے تھے۔۔۔۔۔ اعظم بیگ کے خاندان کو تسلیاں بھی دی تھیں اور اس کے بعد اس کی تدفین سے فارغ ہو کر وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور راحیل رضا جابر زمان کی ہی کار میں تھا۔۔۔۔۔ تھکے تھکے انداز میں بولا۔

”جابر کہیں چل کر کافی پلاؤ۔۔۔۔۔ میں ذہنی طور پر بہت منتشر ہوں۔“ جابر نے کار ایک خوبصورت کافی ہاؤس کے سامنے روکی تھی اور دونوں اتر کر اندر داخل ہو گئے تھے، ایک میز منتخب کر کے بیٹھ گئے تو راحیل رضا نے جابر سے کہا۔

”کیا کہتے ہو اعظم بیگ کی موت کے بارے میں؟“

”وہ دہشت کا شکار ہو کر مر گیا۔“

”ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔۔۔۔۔ ہم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا، تفکرات کا آئینہ بنا ہوا تھا، یہ کیفیت ہماری اپنی بھی ہے، لیکن یار اس طرح تو موت آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ آخری دم تک جدوجہد کریں گے۔۔۔۔۔ ویسے تم اب تک گئے نہیں راحیل۔“

”تھوڑا سا کام باقی رہ گیا ہے۔۔۔۔۔ بچوں کی طرف سے بھی سخت مطالبہ ہو رہا ہے کہ میں باقی تمام چیزوں پر لعنت بھیجوں اور فوری طور پر آجاؤں لیکن جابر اپنے ہاتھ سے جو کچھ بنایا جاتا ہے اس کی تباہی برداشت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ ذرا سادہ کو سنا ہے بس کچھ ایسے کام باقی رہ گئے ہیں جنہیں مکمل کرنے کے بعد میں روانہ ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔ تم نے میری ہدایت پر عمل کیا یا نہیں اب تک۔“ جابر نے کوئی جواب نہ دیا کہ ویٹر آگیا تھا اور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا تھا۔۔۔۔۔ راحیل نے پھر اپنا سوال دہرایا تو جابر نے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ لیکن مجھے یہ سب کچھ اتنا آسان نظر نہیں آتا جتنا تم نے سب کچھ اپنے لئے آسان کر لیا تھا۔“ راحیل رضا ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

”اصل میں تم بھی اس کشمکش کا شکار ہو جس سے میں گزر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اعظم بیگ بھی اسی کشمکش کا شکار رہا ہو گا اور آخر کار یہی کشمکش اس کی جان لے بیٹھی۔“

”ممکن ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو لیکن یقین کرو میرا سارا خاندان یہاں بکھرا ہوا ہے، وہ سب ہیں یہاں پر جن سے ساری زندگی میں نے پیار کیا ہے، جن جن سے میرا تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ راحیل کتنا بڑا خاندان ہے میرا۔۔۔۔۔ سب میرے پیارے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے ان سب کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔۔۔۔۔ میں نے صرف اپنے آپ کو ہی نہیں بنایا بلکہ اپنے خاندان

کے لاتعداد افراد کو میں نے ایک اچھی حیثیت بخشی ہے۔۔۔۔۔ میں تو ان سے یہ کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ وہ یہ گھر چھوڑ دیں۔۔۔۔۔ یہ شہر چھوڑ دیں۔۔۔۔۔ یہ ملک چھوڑ دیں۔۔۔۔۔ چلو سب نہیں چھوڑ سکتے لیکن میں خود اپنے قریبی، اپنے اہل خاندان سے یعنی کہ میرا مطلب ہے اپنی فیملی کے بھی افراد سے یہ بات نہیں کہہ سکتا۔“

”کہنا پڑے گا تمہیں۔“

”تم نے اپنے بچوں سے کیا کہا تھا۔“

”میرے بچے اتنے بے وقوف نہیں کہ وہ خود سمجھدار تھے۔۔۔۔۔ میں نے انہیں حقیقتیں

بتائیں تو وہ یہاں سے بھاگنے کے لئے تیار ہو گئے اور یہی طریقہ میں نے محفوظ سمجھا تھا۔“

”آہ۔۔۔۔۔ نجانے کیوں میں اس سلسلے میں کمزور پڑ رہا ہوں۔“ جابر زمان نے کہا۔

”نہ پڑو تو بہتر ہے۔“ راحیل رضا بولا۔۔۔۔۔ پھر اس کے بعد وہ خاموشی سے کافی پیتے

رہے تھے۔۔۔۔۔ جابر زمان نے بعد میں راحیل رضا کو گھر چھوڑا تھا اور خود راحیل سے ہونے والی

باتوں پر غور کرتا ہوا اپنے گھر کی جانب چل پڑا تھا۔۔۔۔۔ کوئی حل نکالنا ضروری تھا، اب تو بس دو

ہی رہ گئے تھے بلکہ راحیل بھی کسی نہ کسی لمحے روانہ ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ تنہا یہاں رہ

جائے گا۔۔۔۔۔ ایک بار پھر اس کے دل میں سنڈیکیٹ کے خلاف نفرت کا طوفان اٹھا اور وہ

سوچنے لگا کہ اس نے زندگی کا بہت قیمتی حصہ سنڈیکیٹ کے کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا اور

اب سنڈیکیٹ ان سب کو ختم کرنے پر تل گئی ہے، کتنے افسوس کی بات ہے یہ تو ایک روایتی

طریقہ رہا۔۔۔۔۔ یہ روایت مناسب تو نہیں ہے، کوئی ملے تو اس سے بات بھی کی جائے۔۔۔۔۔

کون ہے آخر، کوئی ہے بھی تو نہیں، وہ تینوں بھی مر چکے ہیں کم بخت کتے کی موت مر گئے

ہیں، ہو سکتا ہے کہ سنڈیکیٹ کے افراد اس بات پر یقین رکھتے ہوں کہ ان تینوں کی موت کا

باعث میں ہوں یا ہم لوگ تھے۔ اچانک ہی جابر زمان کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور وہ اس

خیال کی بنیاد پر غور کرنے لگا، وہ گھر پہنچ گیا تھا۔۔۔۔۔ اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد اس نے

معمول کے مطابق دروازہ بند کر لیا۔۔۔۔۔ ویسے تو اپنے اہل خاندان کے ساتھ اس کا رویہ ہمیشہ

ہی اچھا رہتا تھا، لیکن ان دنوں وہ جن کیفیات سے گزر رہا تھا اس کے بعد طبیعت کی خوشگوار

کو قائم رکھنا بڑا مشکل کام تھا، چنانچہ اس کے اہل خاندان نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ وہ ذہنی

طور پر کچھ تھکا تھکا سا ہے۔۔۔۔۔ لوگوں کے سوالات کے جوابات میں بھی اس نے یہی کہا تھا کہ

ان دنوں اس کی طبیعت بہتر نہیں ہے..... وہ ڈاکٹر سے رجوع کر چکا ہے اور ڈاکٹر نے اس سے کہا ہے کہ وہ آرام کرے اور اپنے آپ کو کسی ذہنی الجھن کا شکار نہ ہونے دے، چنانچہ اہل خاندان اس سے تعاون کر رہے تھے..... اپنا کمر بند کرنے کے بعد وہ سوچ میں ڈوب گیا اور راحیل رضاملک سے باہر جا رہا ہے، اس نے جو اقدامات کر ڈالے ہیں وہ خاصے اہم ہیں، ہو سکتا ہے وہ اس کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کرے، لیکن اگر وہ تنہا ہی ہانگ کانگ جاکر سنڈیکیٹ کے افراد سے ملاقات کرے تو شاید اس کی بات سوچی اور سمجھی جائے اور اسے یہ آسانی حاصل ہو سکے کہ وہ بقیہ افراد کی طرح موت سے ہمکنار نہ ہونے پائے..... یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑتا چلا گیا، اس نے سوچا کہ راحیل رضا سے بھی اس بارے میں بات کی جائے، یہ سوچ کر اپنی جگہ سے ٹیلی فون کی جانب بڑھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اس کے بعد اس نے آگے بڑھ کر ریسپور اٹھالیا..... ویسے تو کوٹھی میں کئی اور بھی ٹیلی فون تھے لیکن اس ٹیلی فون کی لائن بالکل الگ تھی اور صرف اسی کمرے میں تھی..... جابر زمان نے ریسپور کان سے لگایا اور بولا۔

”ہیلو۔“

”کون بول رہا ہے؟“ دوسری جانب سے ایک اجنبی آواز سنائی دی..... ایک عجیب سی آواز تھی جسے نہ زمانہ کہا جاسکتا تھا اور نہ مردانہ..... جابر زمان اس آواز کو نہیں پہچان سکا تھا، اس نے کہا۔

”کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟“

”جابر زمان سے۔“

”میں بول رہا ہوں تم کون ہو؟“

”اللہ رکھا۔“

”کون اللہ رکھا۔“

”میں..... میں خود۔“

”کیا بات ہے، کیا چاہتے ہو؟“

”ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔“

”کیسی اطلاع؟“

”تمہیں معلوم ہے جابر زمان کہ تمہارے سنڈیکیٹ کے تین افراد ہیل، گارون اور راکی یہاں آئے ہوئے تھے۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو..... کیسا سنڈیکیٹ، کیسے افراد؟“

”اور ان لوگوں کا ایک آکل مینکر سے حادثہ ہو گیا تھا..... تمہیں اچھی طرح یاد ہوگا کہ مینی کے نمائندوں کی حیثیت سے ان کی لاشوں کی یہیں تدفین کر دی گئی تھی، اس لئے کہ وہ لاشیں ان کے گھروں کو بھیجنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔“

”تم پاگل معلوم ہوتے ہو، بکواس کئے جا رہے ہو، میں پوچھتا ہوں آخر تم ہو کون؟ اپنا تعارف بھی تو کرو۔“ جابر زمان کے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔

”لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہو گا کہ وہ تینوں زندہ ہیں۔“

”اگر تم نے اپنے بارے میں اور کچھ نہ بتایا تو میں ٹیلی فون بند کر دوں گا۔“

”اور ان کا پتا بھی نوٹ کرو..... کاغذ اور قلم اگر تمہارے پاس نہیں ہے تو اپنے پاس اٹھا کر رکھ لو۔“

دوسری جانب سے جابر زمان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جا رہی تھی..... جابر زمان کی نگاہیں، ادھر ادھر بھٹکنے لگیں اور پھر اس نے پھرتی سے پیڈ اور پنسل اپنے ہاتھ میں لے لی..... اس دوران دوسری طرف وقفہ رہا تھا، جابر زمان نے کہا۔

”ہیلو۔“

”ہاں مل گیا کاغذ اور پنسل، پتا نوٹ کرو تینوں اس پتے پر موجود ہوتے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو انتظار کر لینا۔“

”خدا کے بندے مجھے اپنے بارے میں کچھ تو بتا..... آخر تم ہو کون اور مجھ سے یہ فضول باتیں کیوں کر رہے ہو؟“

”خدا حافظ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔

جابر زمان کافی دیر تک ٹیلی فون کا ریسپور ہاتھ میں لئے کھڑا رہا تھا، اس کے پورے بدن میں سرد سرد لہریں دوڑ رہی تھیں اور نجانے کیوں اسے ایک عجیب سی ٹھنڈک کا سا احساس ہو رہا تھا..... ہاتھ پاؤں بے جان سے ہوتے جا رہے تھے..... لرزتے ہاتھوں سے اس نے ٹیلی فون کا ریسپور کرڈیل پر رکھا اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے مسہری کی جانب بڑھ گیا، لباس

تبدیل کر چکا تھا، مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے کے بعد اس نے دیر تک آواز پر غور کیا..... کوئی سازش کوئی خوفناک اور پراسرار سازش، آخر کس کی آواز تھی، کون تھا جو اس سنڈیکیٹ کے بارے میں جانتا تھا..... کیا سنڈیکیٹ کے افراد..... اوہ شاید، شاید ایسا ہی ہے، مجھے کوئی خفیہ اشارہ دیا گیا ہے، یا پھر یا پھر یہ بھی کوئی سازش ہے..... تین کے بعد ہو سکتا ہے چوتھا فرد میں ہی ہوں، جسے وہ لوگ راستے سے ہٹانا چاہتے ہوں..... آہ شاید ایسا ہی ہے جس کے لئے یہ گراؤنڈ تیار کیا گیا ہے، اب کیا کروں راحیل رضا کے علاوہ اور کون ہے جس سے رابطہ قائم کر کے دل کی بات کہوں..... آہ کتنا کٹ گیا ہوں میں اس دنیا سے..... ایک برائی کر کے میں نے ساری دنیا ہی اپنے لئے کھودی ہے..... کاش میں منشیات کی اس تجارت میں نہ پڑتا..... کاش میں ان خطرناک لوگوں کے چکر میں نہ پڑتا جنہوں نے میرے قدموں کے نیچے دولت کے انبار تو لگا دیئے لیکن باقی سب کچھ چھین لیا..... میرے دوست احباب، میرا خاندان، میرے بیوی بچے اور اب یہ مجھ سے میری زندگی بھی چھین لینا چاہتے ہیں..... یقیناً ایسا ہی ہے، یقیناً یہ کسی ایسی ہی سازش کا بھی آغاز ہے لیکن کیا کروں اور اس کے بعد وہ کمرے میں ٹہلنے لگا..... بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا..... ذہن شدید ہجماں کا شکار تھا، بہت دیر تک ٹہلنے کے بعد اس نے ٹیلی فون اٹھایا اور راحیل رضا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

حالانکہ اچھی خاصی رات گزر گئی تھی، لیکن جو لوگ اپنے دلوں کو کالا کر لیتے ہیں وہ اپنے ضمیر کی چھین سے نہیں بچ سکتے، کبھی نہ کبھی آخر کار ان کا ضمیر جاگتا ہے اور پھر وہ ان سے ان کا سکون چھین لیتا ہے..... راحیل رضا نے بھی فوراً ہی ریسیور اٹھایا تھا اور اس کی لرزتی آواز ابھری تھی۔

”ہیلو کون ہے؟“

”راحیل۔“ جابر زمان نے کہا۔

”کک کون..... کون..... مم میں پہچانا نہیں؟“

”اوہ..... میں..... جابر ہوں جابر زمان۔“

”یار آواز بدل کر بول رہے ہو کیا..... تمہاری آواز ٹیلی فون پر پہچانی کیوں نہیں جاتی۔“

”نہیں میں تو اپنی اصل آواز میں ہی بول رہا ہوں، لیکن تم پریشان معلوم ہوتے ہو۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے..... اصل میں تمہارے فون کی توقع نہیں تھی..... ابھی

تھوڑی دیر پہلے تو ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہیں..... خیر چھوڑو کہو کیا بات ہے، خیریت تو ہے۔“

”راحیل میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”کب؟“ راحیل نے سوال کیا۔

”ابھی اسی وقت۔“

”اس کا مطلب ہے کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے تم پریشان ہو؟“

”ہاں؟“ جابر زمان نے کہا اور دوسری طرف سے خاموشی طاری ہو گئی..... پھر

راحیل بولا۔

”کہاں ملیں؟“

”میں تمہارے پاس آ جاؤں؟“

”پتا نہیں کیا مسئلہ ہے..... اچھا تم یوں کرو بہرام سکوار والا فلیٹ دیکھا ہے میرا؟“

”ہاں دیکھا ہے۔“

”بس تم وہاں اس عمارت کے سامنے آ جاؤ۔“

”میں آ رہا ہوں..... تم وہیں پہنچ رہے ہو۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔“ جابر زمان نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا.....

پھر وہ جلدی سے تیار ہو کر نیچے اتر آیا، اپنا ریوالور ساتھ لینا نہیں بھولا تھا، کچھ دیر کے بعد اس کی کار بہرام سکوار کی جانب جا رہی تھی، وہاں تک پہنچنے میں اسے دقت نہیں ہوئی لیکن راحیل رضا کے آنے تک انتظار کرنا پڑا تھا..... تھوڑی دیر کے بعد راحیل رضا اس کے پاس پہنچ گیا..... جابر نیچے اتر آیا تھا..... راحیل رضا نے کہا۔

”آؤ فلیٹ پر چلتے ہیں..... یہاں رکنا مناسب نہیں ہے، کار سائیڈ پر کھڑی کر دو۔“ اپنی

کامیں ایک سائیڈ پر کھڑی کرنے کے بعد وہ دونوں فلیٹ میں آ گئے..... چھوٹا سا خوب

صورت سافلیٹ تھا، ہر طرح کی ضرورتوں سے آراستہ آرام پیشہ لوگ تھے، اپنے تحفظ کے

لئے انہوں نے لاتعداد انتظامات کر رکھے تھے۔

فلیٹ میں پہنچ کر راحیل رضا نے جابر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں اب بولو کیا بات ہے۔“

”یار مجھے ایک پراسرار ٹیلی فون موصول ہوا تھا۔“

”پراسرار ٹیلی فون؟“

”ہاں۔“

”تفصیل بتاؤ۔“

”بس یوں سمجھ لو کہ اللہ رکھانامی ایک شخص نے مجھے ایک عجیب و غریب اطلاع دی ہے۔۔۔۔۔ جابر زمان نے فون پر ہونے والی تمام گفتگو کی تفصیل راجیل رضا کو بتادی اور راجیل رضا سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطلاع دینے والا کون تھا۔“

”یوں سمجھ لو راجیل کہ بات اب زندگی اور موت پر آئی ہے۔۔۔۔۔ تین افراد ختم ہو گئے۔۔۔۔۔ آخر ان کے خاتمے کی بنیاد تو کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی اور پھر جس بنیاد پر کام ہو رہا ہے میرے خدا۔۔۔۔۔ اب یہ بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔“

”فیصلہ کرو۔“

دونوں دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے۔۔۔۔۔ پھر جابر زمان نے کہا۔

”میں تو ہر طرح کا رسک لینے کو تیار ہوں۔“

”مثلاً۔“

”جو بتایا گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ایک بار اسے دیکھ لیا جائے۔“

”فرض کرو بات ٹھیک نکلی تو۔“

”تو ان تینوں کو ختم کرنا ہمارے لئے از حد ضروری ہے۔۔۔۔۔ بعد میں دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔ میں تو تمہیں بتا ہی چکا ہوں اور تم۔۔۔۔۔ تم بھی۔“

”ہاں اگر وہ تینوں واقعی زندہ ہیں تو پھر یوں سمجھ لو کہ سارا کیا دھرا انہی کا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہم سے رابطہ ضرور قائم کرتے۔“

”بالکل۔۔۔۔۔ اب بولو کیا ارادہ ہے؟“

”نہیں میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔“ راجیل رضا نے کہا۔

”تو چلو پھر تیار ہو جاؤ۔۔۔۔۔ آج رات ہم اپنی زندگی کا سب سے اہم مشن سرانجام

دیں گے۔“

”اوکے۔“ راجیل رضا نے کہا اور دونوں اپنے چہروں پر خوفناک ارادے سجائے فلیٹ سے نیچے اتر آئے۔۔۔۔۔ پھر روانگی کے لئے راجیل رضا کی کار ہی منتخب کی گئی تھی اور دونوں اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔



توصیف جابر زمان کی کار کا تعاقب کر رہا تھا۔۔۔۔۔ اللہ رکھا کے نام سے شہاب نے جابر زمان کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا اور اب توصیف کی ڈیوٹی جابر زمان یہ تھی، جب کہ انجم شیخ اور سردار علی راجیل رضا پر نظر رکھے ہوئے تھے، احتیاط شرط تھی اور وہ بڑے محتاط تھے۔۔۔۔۔ توصیف کامیابی سے جابر کا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت تک پہنچ گیا، جہاں جابر زمان رکا تھا۔ توصیف نے اپنے لئے ایک جگہ منتخب کی تھی اور وہاں صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا، کچھ دیر کے بعد راجیل رضا کی کار بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔۔۔۔۔ انجم شیخ اور سردار علی اس کے پاس پہنچ گئے۔

”کیا صورت حال ہے؟“

”سامنے ہے۔“ توصیف نے کہا۔

”اوہو۔۔۔۔۔ وہ عمارت میں جا رہے ہیں۔“

”ہاں۔“

”کیا خیال ہے اندر چلیں۔“

”خطرناک ہے۔“

”تو پھر۔“

”بہیں انتظار کرو۔۔۔۔۔ میں شہنشاہ سے ہدایات لے لیتا ہوں۔“ انجم نے کہا اور ٹرانسمیٹر پر شہنشاہ کو کال کرنے لگا۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا تھا، تمام صورت حال شہنشاہ نے کہا۔

”میرا خیال ہے یہ یہاں سے آگے جائیں گے، اس کے بعد یہ جہاں پہنچیں گے وہاں تمہیں شہاب مل جائے گا، وہی تمہیں کمانڈ کرے گا۔“

”شہنشاہ کا کہنا درست نکلا۔۔۔۔۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ایک کار میں بیٹھ کر چل دیئے

ہوتے ہوئے دیکھا تھا جنہوں نے اپنے اپنے ہاتھوں میں ریوالتور سنبھال رکھے تھے، جس راہداری سے وہ گزر رہے تھے اس میں بھی روشنی تھی اور ان لوگوں نے اپنے چہرے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، چنانچہ انہوں نے انہیں پہچان لیا..... جابر زمان اور راحیل رضا تھے..... تینوں کے چہرے حیرت کا آئینہ بن گئے، یہ دونوں یہاں کس طرح پہنچے اور پھر اس انداز میں، بڑی سمنی خیز صورت حال تھی..... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن تینوں سانس روکے انہیں دیکھتے رہے اور انہوں نے اسی کمرے کی جانب رخ کیا تھا جہاں سبز روشنی جل رہی تھی..... راکی نے انہیں دروازے پر کے دیکھ کر اشارے سے پیل سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے اور پیل نے ہاتھ سیدھا کر کے اسے رکنے کا اشارہ کیا..... وہ لوگ بے آواز دوڑتے ہوئے دروازے تک پہنچے تھے اور جیسے ہی وہ دروازے تک پہنچے انہوں نے ڈس..... ڈس..... ڈس کی آوازیں سنیں اور اندازہ لگالیا کہ جابر اور راحیل رضانے ان کے بستر پر فائرنگ شروع کر دی ہے..... وہ خاموشی سے انتظار کرنے لگے..... پیل کی حکمت عملی کو انہوں نے سمجھ لیا تھا اور پیل ہی کے اشارے پر انہوں نے اپنے اپنے بستوں پر اپنے لباسوں میں رکھ لئے اور دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے..... اندر کی صورت حال کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا، جابر زمان اور راحیل رضا یقینی طور پر اب ان بستروں کو دیکھ رہے ہوں گے اور اس کے بعد وہ بے اختیار باہر نکلیں گے، چنانچہ خاموش منصوبے کے تحت وہ ان کے منتظر ہو گئے اور ان کا اندازہ بالکل درست نکلا..... برق رفتاری سے دروازہ کھلا تھا اور جابر زمان اور راحیل رضا باہر نکلے تھے، لیکن پیل اور راکی کی ٹانگیں آگے پھیلیں اور دونوں ان ٹانگوں میں الجھ کر اس بری طرح زمین پر گرے کہ مانو زمین پر کوئی ستون آگرا ہو، تھوڑی دیر کے لئے ان کی پسلیاں بھی گڑگڑا کر رہ گئی ہوں گی اور اس وقت ان لوگوں نے ان کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر اپنے لباس سے بستوں نکالے اور ان کی گردنوں پر رکھ دیئے، پھر گارون کی آواز ابھری۔

”بستوں آگے پھینک دو، ورنہ تم جانتے ہو ایک لمحے کی تاخیر تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دے گی..... گرنے والوں کی حالت تو ویسے ہی خراب ہو گئی تھی..... پیٹ کے بل گرے تھے..... سر میں بھی چوٹ لگی ہو گی..... بہر حال انہوں نے بے سدھ سے ہو کر اپنی بستوں پھینک دیں اور خود جگہ پڑے رہے، راکی نے دونوں بستوں اٹھائے..... پیل اور گارون نے ان کے پیچھے آکر دونوں کی ٹانگیں پکڑیں اور مردہ جانوروں کی طرح انہیں گھسیٹتے ہوئے

اور یہ سب احتیاط سے تعاقب کرنے لگے۔“



راکی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس کا آخری پیگ حلق میں اٹھایا اور پھر کھڑکی کے پاس سے ہٹنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک اسے گیٹ کے پاس کی دیوار پر کوئی حرکت محسوس ہوئی، بڑے گیٹ پر تالا لگادیا گیا تھا، رات کافی گزر چکی تھی..... دوسرے کمرے میں گارون اور پیل بھی ڈرنک کر رہے تھے، راکي اپنا گلاس لے کر اپنے کمرے میں آگیا تھا اور کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا باہر نکھری ہوئی رات کا نظارہ کر رہا تھا کہ اسے یہ منظر نظر آیا..... ایک لمحے تو اسے اپنے اوپر یقین نہ ہوا لیکن پھر اس نے دیوار پر چڑھ کر اندر کودنے والے سائے کو دیکھ لیا..... اس کے پیچھے دوسرا سایہ بھی کودا تھا..... راکي بہت ہی چالاک آدمی تھا..... حیرت سے ان لوگوں کا جائزہ لینے کے بجائے اس نے تیزی سے اندر کی سمت دوڑ لگادی اور برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اس کمرے میں آگیا جہاں پیل اور گارون موجود تھے..... اس نے فوراً ہی کمرے کی تیز روشنی بجھادی تھی، پیل اور گارون اسے اس حالت میں دیکھ کر اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”کیا بات ہے راکي؟“

”کچھ لوگ پر اسرار انداز میں دیوار کو دوکرائے ہیں اور یقینی طور پر ان کے ارادے اچھے نہیں ہوں گے..... پیل اور گارون بھی ہوشیار ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے انتہائی برق رفتاری سے اپنے اپنے ہتھیار حاصل کئے اور پھر ایسی جگہوں پر کھڑے ہو گئے، جہاں سے وہ اندر آنے والوں کا جائزہ لے سکتے تھے، وہ انتظار کرتے رہے، بڑے گیٹ کو تالا بے شک لگا ہوا تھا لیکن عمارت کے اندر آنے والے راستے پر انہیں کبھی تالا لگانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی، ابھی تو یہ عمارت ہر طرح ششہرے سے پاک رہی تھی اور کہیں بھی انہیں کوئی دقت نہیں محسوس ہوئی تھی، غرض یہ کہ وہ ستونوں کی آڑ میں انتظار کرتے رہے..... انہوں نے اپنے لئے ایک ہی بیڈروم بنایا ہوا تھا، بہت بڑا کمرہ تھا، جس میں تینوں نے اپنے بستر ساتھ ہی لگائے تھے، اس کمرے میں انہوں نے سبز روشنی جلا دی تھی اور اپنے اپنے بستر پر اس طرح تنکے بچھا کر کمبل اڑائیے تھے کہ دیکھنے والا یہی محسوس کرے کہ ان بستروں کے کمبل آرام کی گہری نیند سورہے ہیں، پھر اس کے بعد انہوں نے ان دونوں افراد کو اندر داخل

واپس کمرے میں لے گئے، ان کے حلق سے آوازیں نکل گئی تھیں، کمرے میں پہنچنے کے بعد راکی نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد تیز روشنی جلادی..... راجیل رضا اور جابر زمان کراہتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے تھے..... جابر زمان کی تواناک سے خون بری طرح بہہ رہا تھا..... راجیل رضا کی پیشانی زخمی ہوئی تھی اور اس نے ایک بڑا سا ابھار نظر آرہا تھا..... دونوں کے حلیے گہو گئے تھے، پیل، گارون اور راکی ان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور وہ دونوں آنکھیں بھیج بھیج کر گردنیں جھٹک رہے تھے..... پھر انہوں نے ان تینوں کو دیکھا اور ان کے چہروں پر مردنی سی پھیل گئی۔

”یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں مسٹر جابر..... مسٹر راجیل آپ لوگ یہاں اس انداز میں کیسے آئے اے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ آپ لوگ ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ ہمارا کوئی دشمن ہے پلیز اٹھئے سامنے صوفے پر بیٹھ جائیے..... خیریت کیا ہوا کیسے آنا ہوا آپ کا؟“

”تم لوگ..... تم لوگ زندہ ہو؟“

”آپ آرام سے اٹھ کر تو بیٹھئے۔“ راکی نے جابر کی بات کا جواب دیے بغیر کہا..... پھر ہاتھ آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا، جابر نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا..... راجیل بھی ہمت کر کے کھڑا ہو گیا تھا..... وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے، راکی اور اس کے ساتھیوں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”تم تینوں زندہ ہو؟“ راجیل رضا بولا۔

”تمہیں کیا نظر آرہا ہے اور تم ہماری موت کے خواہش مند کیوں تھے؟“

”اتنے عرصے سے تم لوگوں نے ہم لوگوں سے کوئی رابطہ بھی نہیں قائم کیا، اس کے علاوہ ہمیں تمہاری موت کی اطلاع بھی ملی تھی۔“

”تین لاشیں ملی تھیں جو جل کر خراب ہو گئی تھیں اور وہ گاڑی تباہ ہو گئی تھی جو تمہاری کمپنی کی تھی۔“ جابر زمان کہنے لگا۔

”پتا نہیں تم لوگ کہاں کہاں سے کہانیاں تلاش کرتے پھرتے ہو..... بہر حال تمہیں یقینی طور پر اس بات کا افسوس ہو گا کہ ہم قینوں زندہ ہیں؟“

”ہمیں افسوس کیوں ہوتا۔“ راجیل رضا بولا۔

”مگر تم نے ہم سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا؟“

”کیا یہ پابندی ہے ہم پر۔“ پیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں پھر بھی..... تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ڈاکٹر حیات..... اعظم بیگ اور شیخ سلطان مرچکے ہیں۔“

”ہمیں اس بات تک کا علم تھا کہ تم لوگ مسلح ہو کر ہماری تلاش میں یہاں تک آئے ہو تو پہلے کی باتوں کا ہمیں کیوں نہ علم ہوتا؟“

”تم جو بے پٹی کا کھیل کھیل رہے ہو ہمارے ساتھ۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”ہو نہیں سکتا، ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیخ سلطان..... ڈاکٹر حیات اور اعظم بیگ کو تم نے قتل کیا ہے۔“

”اوہ ویری گڈ..... اتنی اچھی معلومات کے صلے میں ہم تمہیں کیا دے سکتے ہیں؟“

”لیکن تم مرچکے ہو اور تمہیں اب مردہ ہی ہونا چاہئے۔“ جابر زمان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

”تم سنڈکیٹ سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو کیا؟“ پیل نے کہا۔

”نکو اس مت کرو..... میں تمہیں..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ جابر زمان پر جنون طاری ہو گیا تھا..... دوسرے لمحے اس نے صوفے سے اٹھ کر پیل پر چھلانگ لگادی، اس کی ناک سے مسلسل خون بہہ رہا تھا اور پیل کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی..... پیل نے اپنی جگہ خالی کی اور پستول کا رخ جابر زمان کی طرف کئے ہوئے بولا۔

”ابھی وقت سے پہلے کیوں موت کو آواز دے رہے ہو، لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ راجیل بھی پیچھے سے حملہ کرنے والا ہے..... راجیل نے بڑی مہارت کے ساتھ پیل پر چھلانگ لگائی لیکن اسی وقت گارون کی پستول سے دو گولیاں نکلیں اور راجیل کے سینے میں پوسٹ ہو گئیں..... جابر زمان پلٹا تو دوسری دو گولیوں نے بھی اس کا استقبال کیا اور وہ کئی فٹ اونچا اچھل کر راجیل کے جسم پر گر پڑا..... دونوں کے نازک مقامات پر گولیاں لگی تھیں، ان کے جاندار بدن کچھ لمحوں تک تڑپے اور اس کے بعد سرد ہو گئے..... پیل، گارون اور راکی انہیں دیکھ رہے تھے، اس کے بعد راکی نے آہستہ سے کہا۔

”پتا نہیں یہ بہتر ہوا یا غلط، اس سلسلے میں گولڈن کراؤن نہ جانے کس رویے کا اظہار

کرے۔“

”لیکن ظاہر ہے ہم ان کے ہاتھوں تو نہیں مر سکتے تھے، اگر ہم انہیں نہ مارتے تو وہ

ہمیں مار دیتے۔“

”اس چیز کو مستحکم بنانا ضروری ہے تاکہ ہم اس پر رونا لڈکسن کو صحیح صورت حال

بتا سکیں۔“

”ان کے پستول ان کے ہاتھوں میں تھما دو اور اس کے بعد فادر ڈکسن کو اطلاع دو۔“

پیل نے کہا اور اس کے بعد ان کی ہدایت پر عمل ہونے لگا۔ جابر اور راجیل رضائے بھی دم توڑ دیا تھا اور اس طرح اپنے وطن میں غیر ملکی دشمنوں کے ہاتھوں اپنے بھائیوں کا خون کرنے والوں کا یہ گروہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اور اس سلسلے میں جو پراسرار جال شہاب نے پھیلایا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ اس کی آخری کڑیاں تھیں جن میں آخر کار ان پانچوں کا خاتمہ ہو گیا تھا جنہوں نے اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھا تھا اور نادر حیات جیسی مخلص اور محبت وطن شخصیت کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔۔۔۔۔۔ اس وقت ان آخری دو افراد کی لاشیں مثال عبرت بنی ہوئی تھیں اور پیل، گارون اور راکی اپنے وجود میں ہمدردی کا کوئی احساس لئے بغیر اپنی بچت کی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔



ظلم کی انتہا ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ تاریخ اس کی گواہ ہے اور پھر یہ کوئی کہنے کی بات بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ خالق کائنات نے زمین پر بکھرے ہوئے ان کھلونوں کو مختلف رنگ دیئے ہیں۔۔۔۔۔۔ بھگنے والے بھگ کر اپنے آپ کو نجانے کس منزل پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انتہا موت ہی ہوتی ہے اور ان میں سے کوئی اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔۔۔۔۔۔ شداد، نمرود، فرعون، قارون اور ایسے لاتعداد کردار جنہوں نے اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھا تھا، لیکن آخر کار موت نے انہیں تسخیر کر لیا اور ساری کہانیاں صرف کاغذ سے چپک کر رہ گئیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کاغذات کو ہی نظر انداز کر دیا جائے جن پر یہ داستانیں تحریر ہیں، کچھ ایسے امور بھی ہوتے ہیں جن کی بنا پر کچھ لوگ تقدیر سے فائدہ اٹھا جاتے ہیں، جیسے مرزا اعظم بیگ اس کے تمام بچے محبت وطن تھے اور چونکہ ان کے دلوں میں خلوص تھا، اپنے وطن کے لئے اور افسردہ تھے وہ اپنے باپ کی ان دہشت ناک کارروائیوں سے۔۔۔۔۔۔ سوا اعظم بیگ بروقت سنبھل گیا اور قدرت نے اسے مہلت دے دی، لیکن دیکھنے والوں کے لئے وہ بھی نشان عبرت تھا، بھلا یہ جینا بھی کوئی جینا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ اہل خاندان آج تک اس کی تعزیت کے لئے آرہے تھے، اس کی قبر موجود تھی اور اس کے بچے نجانے کب تک اس کی مصنوعی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جانے پر مجبور تھے۔۔۔۔۔۔ وہ ساری دنیا سے کٹ کر رہ گیا تھا اور اپنے ہی گھر میں ایک ملازم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ جن پر اس نے حکمرانی کی تھی اسے کوئی بھی اہمیت نہیں دیتے ہوں گے لیکن بہر حال سانسیں بچ گئی تھیں، یہی کافی تھا اور اس وقت راجیل رضا اور جابر زمان زندگی سے محروم پڑے ہوئے تھے اور یہ تو ہونا ہی تھا۔۔۔۔۔۔ راکی، پیل، گارون اپنا کام سرانجام دے چکے تو انہوں نے اپنی سنڈکیٹ

کے سربراہ کو اطلاع دی..... فادر رونالڈ ڈکسن سے رابطہ قائم ہونے پر پیل نے کہا۔

”فادر آپ کے خادم بول رہے ہیں۔“

”کیا بات ہے..... یقینی طور پر کوئی ایسا ہی کام ہو گا جس کی بنا پر تم نے اتنی رات گئے مجھے مخاطب کیا۔“

”فادر آپ کو اپنی رہائش گاہ پر تکلیف دینا چاہتے ہیں۔“

”کیا۔“

”جی فادر..... حالات ایسے ہی ہیں۔“

”کیا میرا آنا ضروری ہے۔“

”جی فادر آپ کا ہی آنا ضروری ہے۔“

”حالات میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔“

”نہیں فادر اگر ایسا ہو تا تو ہم آپ کو زحمت دینے کی کوشش نہ کرتے۔“

”تم نے مجھے تجسس کا شکار کر دیا ہے..... بہر حال میں پہنچ رہا ہوں۔“ اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا تھا..... پیل، گارون اور راکی سخت تجسس نظر آرہے تھے..... پیل نے کہا۔

”جاؤ..... پہلے عمارت کے ارد گرد ایک چکر لگا کر آؤ اور یہ دیکھو کہ یہ دونوں تنہا ہی آئے تھے یا کوئی اور بھی ان کے ساتھ تھا..... بہت ضروری ہے ہم نے اس وقت صورت حال پر بے شک قابو پایا ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ آنے والے وقت میں ہمیں کس دقت کا سامنا کرنا پڑے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ پھر اس کے بعد دو افراد خاموشی سے باہر نکل آئے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پستول تھامے ہوئے تھے اور ایک ایک لمحہ چوکنا نظر آرہے تھے۔ ”وہ گاڑی دیکھی گئی جس میں یہ دونوں آئے تھے۔“ گارون نے کہا۔

”میرا خیال ہے اس کار کا اس عبارت کے سامنے موجود رہنا ٹھیک نہیں ہے۔“

”تو پھر۔“

”یوں کرتے ہیں اسے کہیں دُور چھوڑ آتے ہیں۔“

”میرا خیال اس سے مختلف ہے۔“

”کیا۔“

”میرا خیال ہے کہ فی الحال اسے عمارت کے عقب میں کھڑا کر دو مسٹر ڈکسن آجائیں..... اس کے بعد وہ جیسی بھی ہدایت دیں گے، اگر ضروری ہو تو ہم ان لاشوں کو کار میں رکھ کر کہیں دُور چھوڑ آئیں گے۔“ بات گارون کی سمجھ میں آگئی تھی، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور گارون نے کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی..... ماسٹر کی کے ذریعے کار کا لاک کھل گیا اور گارون کار سٹارٹ کر کے عمارت کے عقب میں لے گیا..... تاحہ نظر خاموشی اور سنائے کاراج تھا اور بظاہر یہ احساس ہو تا تھا کہ صورت حال بالکل معتدل ہے اور کسی بھی مشکل کے امکانات نہیں ہیں، اس کے بعد وہ واپس آگئے تھے..... پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک کار کی روشنیاں چمکیں اور گیٹ سے کچھ فاصلے پر موجود گارون اور راکی نے جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ لگا لیا کہ فادر رونالڈ ڈکسن آگیا ہے، اس کے بعد انہوں نے پادری کا استقبال کیا تھا..... رات کے اس حصے میں رونالڈ ڈکسن پادری ہی کے میک اپ میں یہاں تک آیا تھا تاکہ راستے میں اگر کوئی پولیس پیٹرول اسے روکنے کی کوشش کرے تو ایک مذہبی آدمی سمجھ کر اس کے ساتھ رعایت برتی جاسکے..... بہر حال عمارت کے احاطے میں ان دونوں نے فادر رونالڈ ڈکسن کا استقبال کیا تھا..... رونالڈ ڈکسن کے چہرے پر شدید تجسس نظر آرہا تھا..... اس نے کہا۔

”میں جانتا ہوں اگر کوئی ایسی سنگین صورت حال ہوتی جس میں خطرات پوشیدہ ہوتے تو کم از کم تم مجھے یہاں طلب نہ کرتے۔“

”جی سر ایسی کوئی صورت حال بے شک نہیں ہے، لیکن ہم اس سنگین صورت حال سے انکار نہیں کر سکتے جو اس وقت پیش آئی ہے، آپ براہ کرم اندر تشریف لائیے۔“ رونالڈ ڈکسن نے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور خاموشی سے ان کے ساتھ اندر چل پڑا تھا..... ان کا تیسرا ساتھی ابھی تک اسی کمرے میں موجود تھا جس میں جابر زمان اور راجیل رضا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں..... رونالڈ ڈکسن نے البتہ اس تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جس کی انہیں توقع تھی، بلکہ اس نے نہایت پرسکون انداز میں ان دونوں لاشوں کو دیکھا تھا..... پھر ایک دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”اب اس کے بعد تم مجھے ان کی یہاں آمد اور ان کی موت کی کہانی سناؤ گے۔“

”فادر یہ دونوں یہاں بہت خطرناک موڈ میں پہنچے تھے..... ظاہر ہے ان کا یہاں پہنچ جانا

چینی نامی غنڈ اور رمضان وہ شخص جو جیلوں کا ٹھیکیدار تھا ان دونوں کو جس طرح استعمال کیا گیا وہ ساری صورت حال انہی پر الٹ گئی، کیسے، آخر کیسے، آہ کاش اتنے شاندار دماغ سنڈکیٹ کو حاصل ہو جاتے تو ہم لوگوں کو کتنی آسانیاں فراہم ہو جاتیں..... سنڈکیٹ ایسے لوگوں کی دل و جان سے قدر بھی کرتا ہے اور عزت بھی کرتا ہے، لیکن یہ بے وقوف لوگ تھوڑی سی تنخواہوں کے لئے تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو حکومتوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں..... کوئی اگر مجھ سے پوچھے کہ انسانی صلاحیتوں کی کیا قیمت ہے تو صحیح معنوں میں میں اس کی قیمت لگاؤں۔“

”سوچنے کا انداز ہے جناب بس ان حقوق کے ذہن میں محبت و وطن ہونے کے جذبے سمائے ہیں اور یہ جذبے انہیں ایسی حماقتوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔“

”شہاب ثاقب کے بارے میں سچ پوچھو تو میرے دل میں ایک عجیب سی انسیت پیدا ہو گئی ہے..... کیا عظیم ذہانتوں کا مالک ہے یہ شخص، لیکن افسوس ہم ان ذہانتوں کو خرید نہیں سکتے..... کاش ان کا حصول ہمارے بس کی بات ہوتی، خیر چھوڑو ان باتوں کو، مسئلہ یہ ہے کہ اب تو یہ تمام لوگ ختم ہی ہو گئے اور ایک طرح سے یوں سمجھو کہ یہاں اس ملک میں اور اس شہر میں ہماری سنڈکیٹ کا آخری آدمی بھی ہلاکت کی منزل میں داخل ہو گیا، یعنی اب ہمارے پاس اور کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جسے ہم یہاں سربراہ کے طور پر استعمال کر سکیں۔“

”جی سر، یہ بات بھی باعث پریشانی ہے کیونکہ بہر حال سنڈکیٹ کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ہر ملک میں وہیں کے لوگوں کو ایسی ذمہ داریاں سونپی جائیں کیونکہ وہ صورت حال سے واقف ہوتے ہیں۔“

”بالکل..... میں سمجھتا ہوں ان پانچوں کی موت کے بعد ہمارا اب یہاں کوئی کام نہیں رہا ہے، چنانچہ بہتر ہو گا کہ ہم لوگ واپس چلیں، واپس جانے کے بعد یہ تمام مسئلہ سنڈکیٹ کے سربراہان کے سامنے رکھیں اور سربراہان اس سلسلے میں فیصلہ کریں کہ یہاں کن لوگوں کو منتخب کیا جائے گا، جہاں تک باڑی کا معاملہ ہے تو باڑی کا کھیل تقریباً ختم ہو چکا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ باڑی میں دوبارہ پوست کی کاشت شروع کرنے کے لئے ایک طویل وقت چاہئے، اس کے لئے ہمیں بالکل نئے لوگوں کو تیار کرنا ہو گا، حالانکہ یہ کام مشکل نہیں ہے، ہمیں وہیں پھر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد وہاں ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا ہو گا لیکن یہ

ہی ہمارے لئے ایک خطرناک عمل تھا، پتا نہیں انہیں کہاں سے اس بات کا علم ہو گیا کہ ہم زندہ ہیں اور یہاں موجود ہیں۔“

”جی فادر، حالانکہ آپ یہ بات جانتے ہیں کہ صورت حال کیا ہے..... ہم تو بہر حال ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ہماری زندگی کا علم ہمارے لئے کتنا خطرناک ہو سکتا تھا، اس سلسلے میں آپ نے ہی ہمیں ہدایت کی ہوئی ہے۔“

”نہیں خیر جو کچھ تم نے کہا میں اس سے منحرف نہیں ہوں، لیکن بہت سی باتیں قابل غور ہیں اور میں ان پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”پہلے تو ہمیں یہ بتائیے فادر کہ ہم ان لاشوں کا کیا کریں..... کیا انہیں کار میں ڈال کر کہیں دور چھوڑ آئیں۔“

”یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے..... ابھی رات باقی ہے، مر تو چکے ہیں بد بخت فیصلہ کر لیں گے کہ ان کے لئے کیا ہونا چاہئے..... آؤ دوسرے کمرے میں آؤ، بیٹھ کر باتیں کریں گے۔“ اور اس کے بعد یہ چاروں افراد ایک اور بڑے کمرے میں پہنچ گئے تھے جہاں خوبصورت فرنیچر پڑا ہوا تھا، وہ فادر رونالڈ کے بیٹھے کا انتظار کرنے لگے اور جب وہ بیٹھ گیا تو اس کے اشارے پر یہ تینوں بھی بیٹھ گئے۔

”کیا عجیب بات ہے اگر غور کرو تو، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ پراسرار اور ماورائی قوتیں مصروف عمل ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ماورائی قوتیں نہیں ہیں، البتہ اگر میرے نظریے سے اتفاق کرتے ہو تم تو انسان کا ذہن ہی سب سے زیادہ ماورائی قوتوں کا حامل ہوتا ہے..... سب کچھ ذہن ہی سے شروع ہوتا ہے اور ذہن ہی میں ختم ہو جاتا ہے..... میں یہ نہیں کہتا کہ مقامی پولیس کا سربراہ انسپکٹر جنرل ناویر حیات کسی معمولی شخصیت کا حامل ہو گا، لیکن اب تک مجھے جتنی معلومات حاصل ہوئی ہیں ان میں وہی شخص سر فہرست آتا ہے جس کا نام شہاب ثاقب ہے۔ تم لوگ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ باڑی سے دانی شاہ کو گرفتار کرنے والا شہاب ثاقب ہی تھا اور اسی نے یہ سارا چکر چلایا تھا، ہماری معلومات ہمیں اب تک کی رپورٹ یہی دیتی ہیں اور اس کے بعد سنڈکیٹ کے مقامی لوگوں نے جن لوگوں کو شہاب ثاقب کے قتل پر آمادہ کیا انہی کے ہاتھوں خود ان کا قتل ہوا..... میں ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان کی بات کر رہا ہوں، حالات سے تم بھی لاعلم نہیں ہو اور میں بھی لاعلم نہیں ہوں،

صور حال اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب ہمیں وہاں قیام کی اجازت دی جائے اور اس کے بعد کم از کم میں اپنے آپ کو اور تم تینوں کو غیر مناسب شخصیت سمجھتا ہوں، کیونکہ بہر حال ہم لوگ یہاں چند افراد کی نگاہوں میں آچکے ہیں۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں فادر رونالڈ، واقعی یہ سارا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔“
”تو پھر اس سلسلے میں آخری فیصلہ کرو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“ فادر رونالڈ نے کہا اور پھر اچانک ہی دونوں ہاتھ سیدھے کر کے خاموش ہو گیا۔ وہ فادر رونالڈ کے اس چوکے پن کو حیرت سے دیکھنے لگے تھے، پھر پیل نے کہا۔

”سر کوئی بات ہے۔“ فادر رونالڈ نے دونوں ہاتھ مزید اونچے کئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خاص آواز سننے کی کوشش کر رہا ہو اور ان تینوں نے اس کے کانوں کو ایک مخصوص انداز میں ہلتے ہوئے محسوس کیا تھا، پھر اس کی سنسنی خیز آواز ابھری۔
”کوئی ہے۔“

”جی۔“ وہ تینوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

”ہاں، کوئی ہے۔“ انہوں نے اپنے پستول ہاتھوں میں نکال لئے۔ پیل نے کہا۔
”کیا میں دیکھوں سر۔“

”نہیں ایک منٹ۔“ فادر رونالڈ نے کہا اور اپنا ایک ہاتھ کان پر رکھ لیا اور پھر اسی وقت عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

”دیر ہو گئی ہے اگر تم لوگ فائرنگ کرنے کی کوشش کرو گے تب بھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ پوری عمارت کے چپے چپے پر مسلح پولیس کے افراد موجود ہیں اور تم لوگوں کو ذرا سی جنبش پر بھون کر رکھا جاسکتا ہے۔ تم جانتے ہو اس وقت اس عمارت میں دو لاشیں موجود ہیں اور تمہیں با آسانی ان دونوں کے قتل کے الزام میں موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔ اس لئے ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے ریوالور پھینک دو اور ہاتھ بلند کر دو۔“ آواز عقب سے آئی تھی اور ایک روشن دان پر ایک سایہ سا لہراتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ پیل، گارون اور روکی نے سانپ کی طرح پلٹ کر اس جانب رخ کیا لیکن رونالڈ کی آواز ابھری۔

”خبردار، کوئی بھی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ تینوں اس آواز کو سن کر چونک پڑے تھے۔ رونالڈ ڈکسن کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔

ن نے آہستہ سے کہا۔

”ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں، ایک بھی فائر نہیں کیا جائے گا اور تم لوگ بھی یہ بات سن لو۔ ہمارے ساتھ کوئی سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تم سے مکمل طور پر تعاون کریں گے، کوئی جنبش نہیں کرے گا اس وقت تک اپنی جانب سے کوئی کارروائی کرنے کی کوشش نہ رنا، جب تک ہماری طرف سے کوئی عمل نہ ہو۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ریوالور نیچے ڈال دو۔“ عقب سے آواز آئی اور ریوالور نیچے پھینک دیئے گئے۔ رونالڈ ڈکسن نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر حرف بہ حرف عمل ہو، تم لوگ کسی بھی حالت میں اپنے بدن کو جنبش نہیں دو گے، کوئی ایسا عمل نہیں کرو گے جو ہماری موت کا باعث بن جائے، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے ان کی کیا مجال ہے کہ ہمیں کوئی نقصان پہنچاسکیں۔۔۔۔۔ میں ساری صورت حال سنبھال لوں گا۔“ یہ سرگوشی ان تینوں نے سن لی تھی۔۔۔۔۔ بہر حال ریوالور پھینک دیئے گئے اور اس کے بعد کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر جھے افراد اندر داخل ہوئے تھے، ان میں شہاب ثاقب تھا، نادر حیات تھے اور محکمہ خصوصی کے چار آفیسر تھے، جو مسلح تھے اور وردیوں میں ملبوس تھے، یہ سب آٹومینک ریوالور تھامے ندر داخل ہوئے تھے اور اس کے بعد سب سے پہلے زمین پر پھینکے ہوئے ریوالور قبضے میں کئے گئے اور پھر ان کے جسموں سے ریوالور کی نال لگا کر ان کی تلاشی لی گئی۔۔۔۔۔ رونالڈ ڈکسن کو بھی نہیں بخشا گیا تھا اس کے پاس سے بھی ایک بہت خطرناک قسم کا ریوالور دستیاب ہوا تھا۔۔۔۔۔ کسی نے ان ہتھیاروں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، اس کے بعد شہاب نے کہا۔

”ان لوگوں کو اس کمرے سے نکال لیا جائے، ہو سکتا ہے کہ یہاں ان کے پاس ایسے رابع موجود ہوں جن سے یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔“ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس کے بعد انہیں وہاں سے کسی اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ غالباً شہاب وغیرہ نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ عمارت میں ان چار افراد کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے۔ تمام تر مضبوطی کے بعد ہی یہ لوگ یہاں آئے تھے اور شہاب ثاقب نے جو منصوبہ ترتیب دیا تھا وہ اس کے مزاج کے مطابق ایک ایک لمحہ صحیح انداز میں عمل پذیر ہوا تھا، چنانچہ وہ مطمئن تھا، جس کمرے میں ان لوگوں کو لایا گیا تھا یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔۔۔۔۔ فادر رونالڈ ڈکسن کا

لہ ہم انہیں ہیڈ کوارٹر تک لے جائیں اور قانونی طور پر پولیس لاک اپ میں دے دیں تو یہ اپنا بچاؤ کر لیں گے، اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے اور اس وقت مسٹر رونا لڈ ڈکسن کا یہ رویہ ورنہ کی یہ کوششیں صرف اسی لئے ہیں کہ ہم انہیں گرفتار کر کے قانونی طور پر ہیڈ کوارٹر لے جائیں..... اس کے بعد ظاہر بات ہے کہ ان کی گرفتاری کے چرچے ہوں گے اور ساری صورت حال علم میں آجائے گی۔“ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں..... انہوں نے رونا لڈ ڈکسن اور باقی تینوں افراد کی طرف دیکھا، پہلی بار انہوں نے رونا لڈ ڈکسن کے چہرے پر کچھ بدحواسی کے آثار محسوس کئے..... شہاب نے آگے بڑھ کر رونا لڈ ڈکسن کا اصل چہرہ نمایاں کر دیا اور نادر حیات صاحب گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے اس خطرناک چہرے کو دیکھنے لگے، رونا لڈ ڈکسن کے چہرے پر اب کچھ پھیکا پن سا نظر آرہا تھا، اس نے نادر حیات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”انسپکٹر بھول صاحب..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ملک میں عہدوں کا تعین کیا ہوتا ہے..... یہ تیسرے درجے کا آفیسر ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ کو ہدایات دے رہا ہے..... کیا آپ کے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔“ نادر حیات کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے کہا۔

”رونا لڈ ڈکسن ہے تمہارا نام۔“

”جی۔“

”اور تم ڈرگ مافیا کے نمائندے ہو۔“

”جی۔“

”اور یقینی طور پر تمہیں ایک بڑے عہدے سے نوازا گیا ہوگا۔“

”ہاں..... میں بہت بڑا عہدے دار ہوں۔“

”اور یہ عہدہ تمہیں بلاوجہ ہی نہیں دیا گیا ہوگا۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم نے اپنے آپ کو اس عہدے کا اہل ثابت کیا ہوگا۔“

”انسان کو کوئی بھی مقام اپنے آپ کو اس مقام کا اہل ثابت کرنے سے پہلے نہیں ملتا۔“

”ویری گڈ، تو اگر اس آفیسر کے بارے میں تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ مجھے ہدایات دے

چہرہ اس طرح مطمئن نظر آرہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو اور وہ اپنے خاص ساتھیوں کے درمیان موجود ہو، پھر وہ چار افراد جو شہاب اور ڈی آئی جی کے ہمراہ آئے تھے ہتھیاروں سے مسلح مستعد کھڑے ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک باہر نکل گیا تھا اور غالباً باہر کے ماحول پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ بھی سپیشل سکواڈ کے لوگ تھے جو ایک طرح سے گونگے اور بہرے تھے، یعنی جو دیکھا، سنا لیکن زبان سے کبھی ادا نہ کیا..... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب رونا لڈ ڈکسن اور ان تین افراد کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے شہاب سے کہا۔

”تمہیں پورا پورا یقین ہے شہاب کہ ان کے اطراف اور لوگ موجود نہیں ہیں۔“

”اگر ان کے اطراف کوئی باقاعدہ فوجی دستہ بھی ہو تا جانا تو اس وقت ان بے وقوفوں کو قابو میں کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوتا..... آپ نے رونا لڈ کی شرافت دیکھی، انہوں نے ذر حقیقت ایک مذہبی آدمی ہونے کا ثبوت دیا ہے، حالانکہ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ان کی اصلی شکل دکھا دوں۔“

”ارے ارے نہیں، میں خود اپنا چہرہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کر سکتا ہوں..... یہ تو ایک مصنوعی چہرہ ہے جو میں نے ضرورت کے تحت اپنے چہرے پر چڑھا لیا ہے، ورنہ ہمارا تعلق تو ایک بین الاقوامی سنڈیکیٹ سے ہے جو منشیات کی ناجائز تجارت کرتی ہے اور آپ کے ملک میں بھی ہم نے بڑے پیمانے پر دھند ا پھیلا رکھا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو وہ تمام معلومات فراہم کر دینی جائیں گی جو آپ کیلئے بڑی کارآمد ہوں گی۔“ رونا لڈ ڈکسن نے کہا اور شہاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا، اسی وقت راکی جو یہ تمام کیفیت برداشت نہیں کر سکا تھا بول پڑا۔

”آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں فادر، کم از کم ہم اس سلسلے میں آپ کے شریک نہیں ہیں۔“

رونا لڈ ڈکسن نے خونی نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھا اور بولا۔

”کیا تم میری آواز پر اپنی آواز کو حاوی کرنا چاہتے ہو۔“

”شہاب اب کیا کہتے ہو، گرفتار کر کے لے جانا ہے انہیں۔“

”سر آپ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ یہ مسٹر رونا لڈ ڈکسن کس قدر ذہانت کا مظاہرہ

کر رہے ہیں، اصل میں ان کی خواہش ہے کہ ہم انہیں زندہ سلامت یہاں سے لے جائیں، یقینی طور پر ان کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں گے جس کی بنا پر یہ کوئی بہت بڑی مداخلت کر کے اپنے آپ کو اپنے ان تینوں ساتھیوں کو بچانے کی کوشش کریں گے اور یہ حقیقت ہے

رہا ہے تو احق آدمی کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ ہدایات دینے کا یہ منصب اسے کسی بنیاد پر ہی حاصل ہوا ہوگا۔“ رونالڈ ڈکسن سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا، نادر حیات نے کہا۔

”ہاں شہاب بولو..... کیا کرنا ہے تمہیں۔“

”جناب میں انہیں پولیس ہیڈ کوارٹر نہیں لے جانا چاہتا۔“
”تو پھر۔“

”تھوڑی سی معلومات درکار ہیں مجھے ان سے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان سے معلومات حاصل کر لوں لیکن اس کے لئے تنہائی ضروری ہے۔“

”کیا مطلب؟“ نادر حیات صاحب بولے۔

”ان شریف لوگوں سے مجھے بہت کچھ معلومات حاصل ہو جانے کی امید ہے، آپ براہ کرم مجھے اس کی اجازت دے دیجئے۔“

”گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں واپس چلا جاؤں۔“

”جی۔“

”اور یہاں تمہارے لئے سیکورٹی کا کیا انتظام ہے۔“

”آپ نے ہمیشہ مجھ پر بھروسہ کیا ہے، بہتر یہ ہوگا کہ اس وقت بھی آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔“

”اوہو..... کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... بھلا تمہاری کسی بات سے میں منحرف ہو سکتا ہوں، لیکن شہاب۔“

”سربراہ کرم۔“

”ٹھیک ہے بھئی..... ٹھیک ہے۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور پھر اپنے ساتھ آئے ہوئے چاروں آفیسروں کو دیکھ کر بولے۔

”چلو..... تم باہر چل کر گاڑی میں بیٹھو میں آ رہا ہوں۔“ وہ چاروں باہر نکل گئے تو نادر حیات صاحب نے ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”آؤ شہاب کچھ لحوں کے لئے میرا ساتھ دو۔“

”ایک منٹ جناب..... ذرا میں ان کے پاؤں بھی باندھ دوں۔“ شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ راکی کے پاس پہنچ گیا اور راکی نے خونخوار نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور شہاب کا

لھو نسا اس کے جبرے پر پڑا اور راکی اچھل کر کئی فٹ دور جاگرا..... شہاب نے اسے اوندھا کر کے اس کے دونوں پاؤں رسی سے کس کر باندھ دیئے، باقی لوگوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی، یہاں تک کہ رونالڈ ڈکسن نے بھی اپنے پاؤں بندھوائے تھے، لیکن اس کی آنکھوں میں سخت نفرت کے آثار تھے..... شہاب نادر حیات صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا۔

”پوچھ سکتا ہوں شہاب کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”سر آپ اجازت دے چکے ہیں، تھوڑی سی مہلت عطا فرمائیے..... اس کے بعد آپ کو بہت سی باتیں بتاؤں گا۔“

”اوکے..... ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... میں تمہیں اختیارات دے چکا ہوں۔“

”اور یہ سارا معاملہ ابھی ہمیں اپنے آپ تک محدود رکھنا ہے۔“

”ہاں..... کیوں نہیں..... ظاہر ہے..... پلیز اپنا خیال ضرور رکھنا۔“

”آپ مطمئن رہئے..... کل آپ سے ملاقات کروں گا۔“

”خدا حافظ۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور باہر نکل گئے..... شہاب کمرے کا دروازہ کھول کر واپس اندر داخل ہو گیا تھا۔



ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی اپنی زندگی بھی بڑی سنسنی خیز گزری تھی..... فطرتاً مہم جو آدمی تھے۔ سخت گیر اور سخت مزاج، تقدیر نے ساتھ دیا تھا کہ ہر دور میں انہیں کچھ ایسے سہارے مل گئے جن کی بنا پر وہ اپنا وقار، اپنی عزت اور اپنے اختیارات استعمال کرنے کے قابل رہ سکے تھے، ورنہ بہت کم لوگوں کو ایسے مواقع حاصل ہوتے ہیں جو اپنے عہدے کا صحیح منصب استعمال کر سکیں..... ہر اہل دل پر کوئی ایسا بے دل نازل ہو جاتا ہے جو اس کی اپنی شخصیت کو اس سے چھین لیتا ہے، زندگی میں نادر حیات صاحب کو بھی بہت سے ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن اس کے باوجود تقدیر نے انہیں بہترین مواقع بھی فراہم کئے تھے اور وہ بڑے بڑے شیطانوں کو جال میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس طرح سے ان کی اپنی ایک ساکھ تھی جو بہر حال عمر کے اس حصے تک برقرار رہی تھی اور قدرت نے اس سلسلے میں انہیں بڑی نوازشوں سے نوازا تھا..... بہت سے معاملات میں انہیں بے بسی کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا لیکن ایسے مواقع کم ہی آئے تھے اور اس وقت وہ انہی حالات سے گزر رہے

تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ انہیں بہت عرصے کے بعد ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا، جب کچھ جرائم پیشہ افراد زبردست اختیارات کے ساتھ منظر عام پر آئے تھے اور ڈی آئی جی صاحب کو باقاعدہ چیلنج کا سامنا کرنا پڑا تھا اور انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان برے لوگوں کے خلاف وہ اس انداز سے کام نہیں کر سکتے، جس انداز سے ان کے خلاف کام کیا جانا چاہئے، لیکن پچھلے کچھ عرصے سے جب سے ان کا شہاب ثاقب سے ساتھ ہوا تھا، انہیں ایک بار پھر ڈھارس مل گئی تھی..... شہاب ثاقب کے ماضی کے بارے میں انہیں سب کچھ معلوم ہو چکا تھا، ایک ایسے باپ کا بیٹا جس نے سچ کے ہاتھوں زندگی کھودی تھی..... ایک طرح سے چیلنج قبول کر کے میدان عمل میں آیا تھا اور اس نے اپنے چیلنج کو جس طرح پورا کر کے دکھایا تھا وہ بھی مثالی حیثیت رکھتا تھا..... اچھے برے لوگ ہر جگہ ملتے ہیں، ہر جگہ ہوتے ہیں..... محکمہ پولیس میں بھی بے شمار افراد شہاب ثاقب کے رویے سے نالاں تھے اور اس سے اختلاف بھی رکھتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو وقت کو وقت کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی تھے اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ ہر مجرم کو سزا ہونی چاہئے، بلکہ اس سلسلے میں ان کا یہ تعین تھا کہ سزا پانے والے مجرموں کا شعبہ الگ ہی ہونا چاہئے یعنی کہ وہ جس کا تعلق کسی بڑی حیثیت کے آدمی سے نہ ہو سزا کا مستحق ہوتا ہے اور جو ایسے لوگوں کے ساتھی ہوتے ہیں، جو اپنا تحفظ کرنا جانتے ہیں انہیں بہر حال سزا نہیں ہونی چاہئے..... نادر حیات صاحب اس مسئلے میں بڑے اُلجھے ہوئے تھے، رات کو جو واقعات پیش آئے تھے اور جس طرح شہاب نے انہیں اس عمارت سے واپس کر دیا تھا، وہ نادر حیات صاحب کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا، لیکن بہر حال بہت سے مشکل مرحلوں کے بعد اس سلسلے میں انہوں نے شہاب کو اختیارات دیئے تھے اور بحالت مجبوری یہ کہا تھا کہ اب شہاب جو دل چاہے وہ کرے، کیونکہ بہت بڑے بڑے لوگوں نے ان کے راستے میں مزاحمت کی کوشش کی تھی، چنانچہ رات کو بھی شہاب نے جب انہیں اس سلسلے میں اطلاع دی اور کہا کہ اس نے اپنا جال تنگ کر دیا ہے اور ایک ایک کر کے تمام افراد اب اس جال کی جانب بڑھ رہے ہیں اور فائنل نیچے کے لئے اسے ان کی ضرورت ہے تو انسپکٹر جنرل صاحب نے اپنے خصوصی سکواڈ کے چار افراد کو ساتھ لے کر شہاب کے ساتھ اس عمارت تک کا سفر طے کیا تھا اور پھر وہاں جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے انہیں بڑی عجیب سی کیفیت کا شکار کر دیا تھا..... رات کو سونے کی کوشش کی تھی، لیکن بس سوتے جاتے

ہی رہے تھے، نیند پوری طرح نہیں آئی تھی..... بے چین تھے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شہاب پر کیا گزری یا اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا..... آفس بھی وقت سے کچھ پہلے ہی پہنچ گئے تھے کہ اس دوران تین بار شہاب کے بارے میں معلوم کر چکے تھے، لیکن شہاب ابھی تک آفس نہیں پہنچا تھا، بے پناہ مضطرب تھے کہ ایس ایس پی بختیار حسین نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور ڈی آئی جی کی اجازت پر اندر آ گئے..... بختیار حسین نے سیلوٹ کر کے ڈی آئی جی صاحب کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

”جناب ایک واردات ہو گئی تھی رات کو، آپ کو زحمت دینا چاہتا تھا، لیکن پھر ہمت نہیں پڑ سکی، پھر میں نے سوچا کہ صبح ہی آپ کو اس کے بارے میں تفصیل بتائی جائے۔“

”خیریت..... کیا واردات ہوئی۔“ ڈی آئی جی صاحب نے پوچھا اور بختیار حسین نے کہا۔

”ایک عمارت ہے آرسن روڈ پر، وہاں آگ لگ گئی تھی اور ایسی سنسنی خیز آگ کہ آپ کو بتا نہیں سکتا..... ویسے تو اس آگ نے بعد میں پوری عمارت کو لپیٹ میں لے لیا، لیکن اس کا آغاز ایک کمرے سے ہوا..... میری تمام تر تحقیق کہتی ہے کہ یہ آگ لگائی گئی تھی..... کمرے میں پانچ لاشیں ملی ہیں..... یہ لاشیں خاصی خراب ہو چکی ہیں، لیکن بہر حال ان کی شناخت کر لی ہے میں نے..... ان میں سے دو لاشیں ہمارے ہاں کے دو بڑے صنعت کاروں کی ہیں جن میں سے ایک کا نام جابر زمان ہے اور دوسرا راحیل رضا کے نام سے روشناس ہے..... یہ دونوں افراد گولیوں سے ہلاک ہوئے ہیں اور انہیں قتل کیا گیا ہے، لیکن تین لاشیں اور ملی ہیں، جناب اور ان لاشوں کے بارے میں تحقیقات کرنے کے بعد ہم سب ششدر رہ گئے ہیں۔“ ایس ایس پی بختیار حسین یہ تفصیل سن رہے تھے اور ڈی آئی جی نادر حیات کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے، وہ سنسنی خیز نگاہوں سے بختیار حسین کو دیکھ رہے تھے، بختیار حسین نے کہا۔

”کچھ عرصے قبل آکل مینکر اور کار کے درمیان تصادم ہوا تھا..... یہ کار ایک کمپنی کی تھی اور کمپنی کے تین نمائندے اس کار سے سفر کر رہے تھے، یہ تین نمائندے ہانگ کانگ سے بلائے گئے تھے اور انجینئروں کی حیثیت رکھتے تھے، بعد میں تفصیلات سامنے آئی تھیں لیکن آپ کو حیرت ہو گی کہ ان تین نمائندوں کی تدفین ان کی کمپنی کے ایمپرائیڈ یہیں کر دی گئی تھی، چونکہ لاشیں اس کیفیت میں نہیں تھیں کہ انہیں ان کے ملک واپس کیا جاسکتا، اس

تدفین کے لئے اس ملک کے سفارت خانے نے اجازت دی تھی، لیکن وہ تینوں لاشیں جواب دستیاب ہوئی ہیں انہی تینوں افراد کی ہیں جو حادثے میں ہلاک ہوئے تھے۔ “نادر حیات صاحب نے نگاہیں اٹھا کر ایس ایس پی بختیار حسین کو دیکھا، ان کی نگاہوں کا مفہوم کچھ اور تھا لیکن بختیار حسین سمجھا کہ نادر حیات صاحب حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں، اس نے کہا۔

”جی جناب، صاف ظاہر ہے کہ وہ تین افراد کوئی اور تھے جو کار کے حادثے میں ہلاک ہوئے، ممکن ہے جان بوجھ کر یہ قدم اٹھایا گیا ہو اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ حادثہ خود کسی نہ کسی شکل میں کیا ہو، لیکن اب تین لاشیں انہی لوگوں کی ہیں۔“

”وہاں سے کل کتنی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔“ نادر حیات صاحب نے پوچھا۔

”پانچ۔“

”تین وہ نمائندے تھے۔“

”جی۔“

”اور دو یہ افراد تھے۔“

”جی۔“

”کیا، باقی پوری عمارت کی تلاشی لے لی گئی۔“

”جی۔“

”اور کوئی لاش وہاں سے نہیں ملی۔“

”نہیں۔“

”اس کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز، وہاں سے دستیاب ہوئی ہو جو ان حالات پر روشنی

ڈالتی ہو۔“

”بالکل نہیں۔“

”ہوں..... پھر آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں بختیار حسین صاحب؟“

”سر، متعلقہ تھانے کے انچارج ایس پی، ڈی ایس پی سب اس کیس کی تفتیش میں

مصروف ہیں، میں براہ راست اس میں دلچسپی لے رہا ہوں..... آپ کو رپورٹ پیش کر دی

ہے آپ جس طرح سے مناسب سمجھیں مجھے ہدایات دیں۔“

”تفصیلات معلوم کیجئے اور رپورٹ کو عام نہ ہونے دیجئے چونکہ معاملہ کچھ غیر ملکیوں کا ہے..... کمپنی اور اس ملک کے سفارت خانے سے رابطہ قائم کر کے اس سلسلے میں سوالات لئے جائیں گے، لیکن آپ مکمل احتیاط رکھیں گے..... ایس ایس پی صاحب، کیونکہ معاملہ بھ غیر ملکیوں کا ہے، ہم اس کے لئے کوئی رسک نہیں لے سکتے۔“

”میں سمجھتا ہوں جناب۔“

”اوکے..... آپ جاسکتے ہیں۔“ پھر جب ایس ایس پی بختیار حسین کمرے سے باہر نکلے تو نادر حیات صاحب اس قدر بے چین ہوئے کہ اپنی کرسی سے ہی اٹھ کھڑے ہوئے، وہ نہاب ثاقب کے لئے پریشان تھے اور پھر انہوں نے سوچا کہ گھر پر فون کیا جائے، چنانچہ انریکٹ فون سے انہوں نے شہاب ثاقب کے گھر کے نمبر ڈائل کئے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ سیوریہ نے اٹھایا تھا۔

”ہیلو۔“ بینا کی آواز سنائی دی۔

”کون..... بینا بول رہی ہیں۔“

”جی آپ کون ہیں۔“

”بینا..... میں نادر حیات بول رہا ہوں۔“

”اوہو..... ہو..... س..... سر سر آپ۔“

”بینا شہاب کہاں ہے۔“

”بس ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے گھر سے نکلے ہیں..... اصل میں رات کو ساڑھے پانچ بجے ان کی واپسی ہوئی تھی، آئے تھے، آکر سو گئے تھے، مجھ سے کہا تھا کہ بینا زرا جلدی سے ہی بگانا، اگر سو جاؤں تو، ورنہ کوشش کروں گا کہ نیند گہری نہ ہونے پائے..... پھر مجھے جاگنا ہی پڑا تھا جناب۔“

”خیریت سے تو ہے ناوہ۔“

”جی بالکل..... کوئی خاص بات ہے۔“

”ہاں بیٹے..... کبھی کبھی اس کے بارے میں برے برے خواب دیکھنے لگتا ہوں.....

صل میں اتنا سخت مزاج انسان ہے وہ کہ بس اس کے لئے ڈر ہی لگتا رہتا ہے۔“

”سر آپ کی محبت..... آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو شہاب کو کچھ نہیں ہوگا۔“

آپ نے اپنے قدم روک لئے تو بہتر ہو گا کہ پہلے مجھے صفحہ ہستی سے مٹا دیجئے گا، کیونکہ میں اپنے پاؤں اپنی زندگی کے آخری سانس تک نہیں روک سکوں گا، اسی طرح جس طرح میرے باپ نے سچی صحافت کا سہارا لے کر آخر میں موت قبول کر لی تھی۔ ”شہاب کا لہجہ بھرا لیا۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔

”نہیں شہاب۔۔۔۔۔ میں کیا اوقات رکھتا ہوں کہ تمہارے راستے روک سکوں۔۔۔۔۔ شاید وہی بھی تمہارے راستے نہ روک سکے، خیر چھوڑو جذباتی کیفیت سے نکل آؤ۔۔۔۔۔ ایس ایس پی نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں سے پانچ لاشیں دستیاب ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ تین تو وہ تھے جو نمائندے تھے، چوتھا قادر رونالڈ تھا اور دو لاشیں راحیل رضا اور جابر زمان کی تھیں۔۔۔۔۔ رونالڈ ڈکسن کہاں گیا؟“

”وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ سے اس کی ملاقات کرنا ضروری ہے۔“

”کہاں ہے وہ۔“

”میری تحویل میں۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ تم نے اسے زندہ رکھا ہے۔“

”جی ہاں۔“

”کوئی وجہ۔“

”اس سے ملاقات کے بعد ہی آپ کو اس کی وجہ بھی بتا سکوں گا۔“

”کب ملتا ہے مجھے اس سے۔“

”جب آپ پسند کریں۔“

”کچھ وقت انتظار کر لو گے کچھ حرج تو نہیں ہے۔“

”کوئی حرج نہیں ہے۔“

”تو بچ کے وقت اٹھ جاؤں گا، مجھے بتاؤ میری تم سے کہاں ملاقات ہونی چاہئے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ اب کوئی ایسی شخصیت ہمارے درمیان نہیں ہے جو اس سلسلے میں مداخلت کر سکے۔۔۔۔۔ آپ جب بھی مجھے حکم دیں گے، میں اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔“

”یقیناً اسے کچھ نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ اچھا بیٹے شکریہ۔“ نادر حیات نے ریسیور رکھ دیا اور اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجادی، لیکن اردلی کے پیچھے ہی پیچھے شہاب اندر داخل ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب شہاب کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور اردلی بھی اندر آگیا تھا اور انہوں نے کہا۔

”بہت عمدہ قسم کی چائے ہم دونوں کے لئے بھجوا دو اور سنو کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں ٹیلی فون کا ریسیور بھی نیچے رکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔ آپ ریٹر سے بھی کہہ دینا کہ سارے فون خود ہی ریسیو کرے۔۔۔۔۔ میں نے ڈائریکٹ فون بند کر دیا ہے۔“

”جی سر۔“ اور پھر اردلی باہر نکل گیا تھا۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا اور پھر بولے۔

”تو تم نے انہیں زندہ جلا دیا۔“

”جناب انہوں نے اب تک جو کیا ہے اس کے بعد تو یہ سزا ان کے لئے بہت کم ہے۔“

”خدا کی پناہ۔۔۔۔۔ میں نے تو مذاق میں کہا تھا۔۔۔۔۔ کیا واقعی تم نے ایسا ہی کیا ہے۔“ شہاب نے گردن جھکا لی تھی، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔۔۔۔۔ نادر حیات صاحب نے آہستہ سے کہا۔

”بہر حال میں نے تمہیں اختیارات دیئے تھے۔“

”آپ کو یہ اطلاع کہاں سے موصول ہوئی، میرا خیال ہے ابھی یہ خبر پریس تک نہیں پہنچی۔۔۔۔۔ میں تو خود آپ کو رپورٹ دینے کے لئے حاضر ہوا تھا اور آپ سے معافی مانگنا چاہتا تھا کہ صبح کو جاگنے میں دیر ہو گئی۔“

”بختیار حسین صاحب آئے تھے۔۔۔۔۔ ظاہر ہے عمارت کی آگ کا پتا چل گیا، لیکن۔“

”جناب عالی۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا، ہم جس طرح حالات کی ان

زنجیروں میں جکڑ گئے ہیں وہ اسی نوعیت کی حامل تھیں۔“

”تم نے۔۔۔۔۔ تم نے ایسا کیسے کر ڈالا۔“

”ملک کے دشمن۔۔۔۔۔ میرے وطن کے۔۔۔۔۔ لاتعداد لوگوں کے قاتل اس سے بھی

زیادہ بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں جناب اور آپ کی اجازت شامل حال رہی تو آپ یقین

کےجیسے ایسے ہزاروں واقعات منظر عام پر آئیں گے اور معافی چاہتا ہوں اس بات کی کہ اگر کہیں

”ایک بجے۔“

”ٹھیک وقت ہے۔“ شہاب نے جواب دیا اور بولا۔

”اجازت۔“

”ہاں۔“ نادر حیات صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور شہاب واپسی کے لئے دروازے کی جانب مڑ گیا۔ نادر حیات صاحب سنسنی خیز نگاہوں سے شہاب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ شخص پتا نہیں کیا تھا، کبھی کبھی تو وہ اس سے خوف محسوس کرنے لگتے تھے۔ پھر دوپہر کو ٹھیک ایک بجے وہ تیار ہو گئے۔ شہاب ان سے پہلے تیار تھا۔ نادر حیات صاحب اپنے آفس سے باہر نکلے تو شہاب ان کا منتظر تھا۔ نادر حیات صاحب خاموشی سے اپنی کار کی جانب چل پڑے۔ ان کا ڈرائیور مستعد تھا لیکن شہاب نے کہا۔

”سر، اس وقت آپ کی اپنی کار یہاں رہے تو زیادہ بہتر ہے۔“

”تمہاری گاڑی کہاں ہے۔“

”وہ موجود ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ نادر حیات صاحب نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ وہ یہیں رکے وہ ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں اور اس کے بعد شہاب نے آگے بڑھ کر اپنی کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور نادر حیات صاحب پیچھے بیٹھ گئے۔ شہاب نے اسٹیرنگ سنبھال لیا تھا۔ کار جب پولیس ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل آئی تو نادر حیات صاحب نے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

”کار رو کو شہاب۔“ شہاب نے حیرانی کے سے انداز میں کار سڑک کے کنارے لگا دی تھی۔ نادر حیات صاحب دروازہ کھول کر نیچے اترے۔ پھر گھوم کر لیفٹ سائیڈ آئے اور شہاب کے برابر کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔

”سر۔“ شہاب عجیب سے لہجے میں بولا۔

”چلو۔“ نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب نے ایک نیاز مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کار آگے بڑھادی اور پھر اس کے بعد راستہ بھر کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ نادر حیات صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے اور شہاب اپنے طور پر سوچوں میں گم تھا۔ نادر حیات صاحب نے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ شہاب انہیں کہاں لے کر جا رہا ہے، لیکن تھوڑی

دیر کے بعد کار کریم سوسائٹی کی ایک کوٹھی کے سامنے جا کر رکی تھی اور جوہر خان نے دروازہ کھول دیا تھا۔ نادر حیات صاحب نے دلچسپی کی نگاہوں سے اس عمارت کو دیکھا اور پھر اس کے پورٹیکو میں کار سے نیچے اتر گئے۔ شہاب انہیں ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا تھا۔ دو تین راہداریاں عبور کرنے کے بعد آخر کار شہاب ایک کمرے پر رک گیا، جہاں ایک اور شخص متعین تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور نادر حیات صاحب شہاب کے ساتھ اندر داخل ہو گئے، تب انہوں نے ایک بستر پر رونالڈ ڈکسن کو پڑے ہوئے دیکھا۔ ہسپتالوں جیسے لباس میں ملبوس تھا، ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے نہیں تھے۔ چہرے پر شدید بے بسی طاری تھی۔ نادر حیات صاحب کو دیکھا، شہاب کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار اس طرح ابھر آئے کہ خود نادر حیات صاحب کو اس پر رحم آنے لگا۔ شہاب نے ایک کرسی گھسیٹی اور بستر کے قریب کر دی۔ نادر حیات صاحب حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، اچھی خاصی جامت کا مالک یہ شخص جس کے چہرے کے نقوش سے یہ پتا چلتا تھا کہ ساری زندگی اس نے سنگدلی سے گزاری ہے اور شاید اس کے چہرے کے عضلات میں رحم کی کوئی لکیر نہیں ہے۔ بے بسی ایک الگ چیز ہوتی ہے اور رحم کا انداز بالکل مختلف، اس وقت سبھی ہوئی آنکھوں میں شہاب کی ہولناک شخصیت جھانک رہی تھی۔ نادر حیات صاحب نے بے اختیار پوچھا۔ ”تم نے اسے باندھ کر نہیں رکھا۔“ شہاب کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

”میں نے اسے اس طرح باندھ دیا ہے جناب کہ اب اس کی زندگی کی جتنی سانسیں باقی ہیں، یہ اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔“

”کیا مطلب؟“ نادر حیات صاحب چونک کر بولے۔

”میں نے اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں توڑ دی ہیں، یہ اب زندگی بھر کھڑا نہیں ہو سکتا۔“

نادر حیات صاحب نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے رونالڈ ڈکسن کے پیروں کی جانب دیکھا پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں لیکن ٹخنوں کے نیچے سے پاؤں تقریباً تین انچ نیچے کھسکے ہوئے تھے اور صرف کھال میں لٹک رہے تھے۔ نادر حیات صاحب نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بھیج لی تھیں، چند لمحات وہ سخت اذیت محسوس کرتے رہے، پھر انہوں نے کہا۔

”لیکن یہ یرسکون کیوں ہے۔ تم نے جس طرح اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں ایک

دوسرے سے جدا کر کے لٹا دی ہیں، اس کے تحت اسے کرب سے مر جانا چاہئے تھا۔“
 ”اس کے پاؤں میں نے ایک انجکشن کے ذریعے سن کر دیئے ہیں..... اسے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہو رہی..... ہاں، دوسرا انجکشن لگا کر اسے اس تکلیف کا احساس دلایا جاسکتا ہے..... اس وقت جب یہ زبان کھولنے میں کوئی دقت محسوس کرے تو وہ دوسرا انجکشن اسے لگا دیا جائے گا۔“

”او..... میرے خدا۔“ نادر حیات صاحب نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

”جناب عالی، اس کا تعلق ایک ایسے بین الاقوامی گروہ سے ہے جس نے دنیا کے بیشتر ممالک میں منشیات کی تجارت کا کام شروع کر رکھا ہے..... دنیا بھر کی بدترین منشیات یہ لوگ دنیا کے ہر ملک میں جہاں ان کے پاس وسائل ہیں پھیلاتے ہیں اور اربوں ڈالر کما رہے ہیں..... ان کے سنڈیکیٹ کے افراد بڑی مضبوط حیثیت کے حامل ہیں..... ان کا طریقہ کار یہی ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں یہ ایسے لوگوں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں جو سیاسی اور سماجی طور پر مستحکم ہوں..... انہیں طرح طرح سے بلک میل کر کے اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں اور پھر ان کی زندگی کو اس سکتے پر لے آتے ہیں کہ ان کے لئے موت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا..... ہمارے ملک میں ان کے پاس وہ پانچ افراد تھے جن کے نام آپ کے علم میں ہیں، وہ سب صاحب حیثیت تھے..... اپنی ایک آواز رکھتے تھے، اقتدار میں شریک لوگوں کی آنکھوں کا تازہ تھے، حالانکہ صاحب اقتدار لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اصلیت کیا ہے لیکن اقربا پروری، دوست نوازی ہمارے ہاں اس قدر جڑ پکڑ چکی ہے کہ خود صاحب اقتدار لوگ یہ نہیں سوچتے..... جن سانپوں کی وہ پرورش کر رہے ہیں وہ سانپ خود ان کے لئے کس قدر زہریلے ہیں اور انہیں کیا نقصان پہنچ سکتے ہیں، تو یہ ان لوگوں کا طریقہ کار تھا..... یہ تو سنڈیکیٹ کے چند افراد ہیں جو یہاں میرے ہاتھوں ہلاک ہوئے یا دیگر مشکلات میں پڑ گئے..... دنیا بھر میں ان لوگوں نے قابل نفرت کام پھیلار کھا ہے..... اس کے بعد کیا یہ کسی رعایت کے مستحق ہیں۔“ نادر حیات صاحب گہری نگاہوں سے رونا لڈ ڈکسن کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

”لیکن شہاب، اب کیا ارادہ ہے تمہارا، اس شخص کو کس حیثیت سے قانون کے حوالے کرو گے۔“ شہاب نے چونک کر نادر حیات صاحب کو دیکھا اور بولا۔

”قانون کے رجسٹر میں کیا اس کا نام درج ہے جناب..... کیا میں اسے ایک بین الاقوامی گروہ کے نمائندے کی حیثیت سے قانون کے حوالے کر سکتا ہوں..... آپ کو علم ہے کہ یہ اس حیثیت سے ملک میں داخل ہوا ہے اور اس نے یہاں آنے کے بعد کیا کیا کچھ کیا ہے..... جناب عالی، یہ ساری تفصیل تو قانون کے حساب میں ہے ہی نہیں، ہم جو کچھ کر رہے ہیں اپنے طور پر کر رہے ہیں۔“
 ”مطلب؟“

”میں نے صرف آپ کو ان حالات سے آگاہی فراہم کی ہے جو کہ میری ڈیوٹی تھی اور اس کے بعد میری ڈیوٹی کا ایک اور حصہ بھی ہے جو بہر حال مجھے سرانجام دینا ہے۔“
 ”وہ کیا؟“ نادر حیات صاحب نے پوچھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ خود ان کے تصور سے باہر تھا..... ایک بار پھر ان کے بدن پر لرزشیں طاری ہو گئی تھیں، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی کہ اپنی پولیس کی زندگی میں انہوں نے بڑے بڑے مجرموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا ہو، لیکن ایک طریقہ کار ہوتا ہے..... ایک عمل ہوتا ہے اور اس عمل کا ایک رد عمل بھی ہوتا ہے، وہ اس وحشت اور درندگی کے ساتھ نہیں جو اس وقت انہوں نے دیکھا کہ شہاب نے اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور اس کا رخ رونا لڈ ڈکسن کی جانب کیا اور پھر ڈز، ڈز کی آوازوں کے ساتھ پہلا سوراخ رونا لڈ ڈکسن کی پیشانی پر، دوسرا اس کے حلق پر، تیسرا سینے پر در پھر رقیقہ فائر اس نے رونا لڈ ڈکسن کے سینے پر ہی کئے تھے..... اس پر انسپٹر جنرل صاحب کا چہرہ ایک لمحے کے لئے دھواں دھواں ہو گیا تھا..... رونا لڈ ڈکسن نے کسی مرنے والے سانپ کی مانند دو تین لہریں لیں اور اس کے بعد سرد ہو گیا..... ڈی آئی جی صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ایک لمحے میں رونما ہونے والے اس عجیب و غریب واقعے کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے شہاب کی جانب دیکھا، لیکن نجانے کیوں ان کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا..... شہاب نے کہا۔

”آئیے..... آپ میرے ساتھ یہاں تشریف لائیے..... چائے وغیرہ تیار ہو گئی ہو گی، چائے پیتے ہیں۔“ نادر حیات صاحب سوچے سمجھے بغیر باہر نکل آئے تھے..... شہاب نہیں لئے ہوئے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ گیا..... نادر حیات صاحب کے اعصاب چند لمحات کے لئے کشیدہ ہوئے تھے اور اب وہ سوچ رہے تھے کہ شہاب نے جو عمل کیا ہے

قانونی طور پر وردی میں ملبوس ایک افسر اعلیٰ کے سامنے یہ عمل مناسب ہے یا نہیں، کم از کم اس سلسلے میں شہاب سے تھوڑی سی باز پرس تو ہونی چاہئے، لیکن پھر انہیں خود ہی اپنے خیال کی تردید کرنا پڑی، انہیں یاد آگیا کہ انہوں نے شہاب کے سلسلے میں فری ہینڈ دیا تھا اور یہ اعتراف بھی کیا تھا کم از کم شہاب جیسی شخصیت کے سامنے وہ ایک بے مقصد گفتگو کا آغاز نہیں کرنا چاہتے تھے، کچھ لمحے وہ خاموش بیٹھے رہے اور درحقیقت جو ہر خان نے چند لمحوں کے بعد ایک خوبصورت ٹرائی میں چائے وغیرہ کا سامان لا کر ان کے سامنے سجادیا..... شہاب بڑے پراخلاق انداز میں چائے وغیرہ بنا کر نادر حیات صاحب کو پیش کرنے لگا اور پھر خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

”اس بے تکلفی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں جناب، لیکن آپ یوں محسوس کیجئے کہ اس وقت آپ کے سامنے آپ کا ایک منہ چڑھنا تحت نہیں، بلکہ ثاقب کا بیٹا بیٹھا ہوا ہے، وہ ایک سچا صحافی جس نے زندگی میں ہمیشہ سچ لکھا اور سچ کی سولی پر چڑھ گیا..... میں اپنے باپ کے نام کے ساتھ بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کرتا ہوں اور جب میں اپنے آپ کو اپنے باپ کے نام کے ساتھ منسوب کرتا ہوں تو جناب اپنی شخصیت کو اتنا بڑا سمجھتا ہوں جناب کہ دنیا مجھے بہت چھوٹی نظر آتی ہے، کیونکہ وہ شخص جس نے زندگی میں سچ کو سب سے بڑا مقام دیا اور کبھی سچ کا سودا نہیں کیا اس دنیا کا انوکھا انسان ہے، میری نگاہ میں، میں اسی انوکھے انسان کا بیٹا اس وقت آپ کے سامنے ہوں..... براہ کرم میری حیثیت کو محکمہ پولیس کے آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کے آفیسر کے طور پر نہ محسوس کیجئے گا، اس وقت میں اپنے باپ کے نام کی عزت کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔“ نادر حیات صاحب اس قدر جذباتی ہوئے کہ انہوں نے اٹھ کر شہاب کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ ”ایسی باتیں مت کرو شہاب..... بے شک تم ایک سچے باپ کے بیٹے ہو، لیکن تمہارا اپنا مقام بھی میری نگاہوں میں کسی طور کم نہیں ہے، میں تمہیں بھی بہت بڑی حیثیت دیتا ہوں کیونکہ تم نے بھی اب تک جو کچھ کیا ہے اس کی بھی ایک تاریخ ہے اور یہ تاریخ بنے گی اور تمہارے بچے بھی اس فخر سے حکومت کے کسی افسر اعلیٰ کے سامنے بیٹھیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس باپ کے بیٹے ہیں جس نے کبھی حالات سے سودا نہیں کیا، بلکہ جس نے سکندر اعظم کی طرح حالات پر فتوحات حاصل کیں اور اپنے ذاتی نہیں بلکہ قانون کے

دشمنوں کو شکست دی..... مت کرو ایسی باتیں شہاب لاؤ پلیز ذرا یہ چائے کی پیالی مجھے اٹھا کر دو، میں تمہارا بزرگ ہوں۔“ شہاب کی آنکھوں میں خوشی رقصاں تھی، بڑے احترام کے ساتھ اس نے چائے کی پیالی اٹھا کر نادر حیات صاحب کے سامنے رکھی اور کہنے لگا۔ ”یہ پذیرائی میرے حوصلے اس قدر بڑھا دے گی جناب کہ بہت سے جرائم پیشہ افراد زندگی بھر کف افسوس ملیں گے کہ کاش یہ گٹھ جوڑ نہ ہوتا۔“

”نہیں شہاب..... ہمیں مجبور کیا گیا ہے۔ وہ لوگ اس قانون پر اپنا قبضہ جمائے ہیں جو ہمارا اپنا ہے اور جس کے لئے ہم تربیت حاصل کرنے کے بعد بڑی سچائی کے ساتھ حلف اٹھاتے ہیں، ہم اپنی نیکیوں میں حق بجانب ہیں..... ہم وہی کرتے ہیں جس کا حلف اٹھاتے ہیں، لیکن برے لوگ جن کا باطن خراب ہے ہمیں مجبور کر دیتے ہیں، ہمیں بہت مجبور کر دیتے ہیں وہ، بحالت مجبوری ہم وہ کرتے ہیں جو نہیں کرنا چاہئے..... ان برے لوگوں کے خلاف یہ مشن بڑی حیثیت کا حامل ہے..... خیر، ہاں اس لاش کا تم کیا کرو گے اور یہ عمارت میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔“

”بس جناب، کچھ ضروری امور کے لئے میں نے اسے حاصل کیا ہے، جہاں تک لاش کا معاملہ ہے وہ ٹھکانے لگادی جائے گی..... اس مسئلے کی کوئی تشہیر نہیں کریں گے، ہاں متعلقہ محکمہ ان لاشوں کے بارے میں بہر حال معلوم کر لے گا اور آپ جس طرح سے مناسب سمجھیں، باقی وہ سب کچھ ضروری تھا..... ویسے بھی انہیں وہی موت ملی ہے جو انہوں نے اپنے لئے منتخب کی تھی۔“

”کیا مطلب؟“

”نیکٹر میں کچھ بے گناہوں کو جلا کر انہوں نے یہ سوچا تھا کہ بات ان بے گناہوں تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گی، لیکن میں نے انہیں ان کی پسند کی موت دی، یعنی انہیں اسی طرح جلا کر خاکستر کر دیا جس طرح وہ لوگ خواہشمند تھے۔“ نادر حیات صاحب کپکپا کر رہ گئے تھے، پھر کافی دیر تک وہ خاموشی کے ساتھ چائے کے گھونٹ لیتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے کہا۔

”خیر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک طرح سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے یا اس میں اب بھی کوئی گنجائش باقی رہی ہے۔“

”میں خود اس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا تھا جناب۔“
”کیا؟“

”سندیکیٹ کے بارے میں جو تفصیلات میرے علم میں آئی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں کہ ہانگ کانگ، ہنگاک، سنگاپور اور پھر اس کے بعد کچھ دوسرے ایسے علاقے ہیں جہاں ان لوگوں کا وہ اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے، بات چونکہ ہمارے ایک علاقے کی ہے یعنی ہاڑی کا علاقہ، میں اس کام کو ہاڑی سے شروع کرنے کی بجائے ان علاقوں سے شروع کرنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ میں ان کے خلاف مہم پر نکلوں اور جس طرح بھی ہو سکے اس سندیکیٹ کے افراد کو چن چن کر قتل کر دوں، بنیادی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں دنیا بھر سے منشیات کی لعنت کو ختم کر دوں گا بلکہ بنیادی وجہ یہ ہے کہ منشیات کے ان تاجروں نے جس طرح میرے وطن کے نوجوانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے، جس طرح سڑکوں پر نالیوں کے کنارے نظر آنے والی لاشیں جن کے بارے میں اخبارات ایک چھوٹی سی سرخی لگا دیتے ہیں کہ ایک نشہ کا عادی فلاں جگہ مردہ حالت میں ملا، پھر اس کی لاش کتوں کی طرح گھسیٹ کر کسی جگہ مٹی میں دبا دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ جناب عالی اگر آپ غور کریں، اگر آپ سوچیں تو اس کی ماں نے بھی اسی طرح اسے جنم دیا ہوگا جس طرح ایک آرزوؤں اور امیدوں بھرے گھرانے میں ایک بچے کی پیدائش پر خوشی منائی جاتی ہے، اس بچے کو گندی نالی کے کنارے مرنے پر کون مجبور کرتا ہے۔۔۔۔۔ جناب عالی کیا آپ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ وہ بھی معاشرے کا ایک معزز فرد ہے جسے اگر عزت بخشی جاتی، جسے اگر وسائل مہیا ہوتے، جو اگر منشیات کی اس لعنت میں گرفتار نہ ہوتا تو یقیناً طور پر کسی گھر کا مالک، بیوی اور بچوں کا سرپرست ہوتا، کس طرح بے کسی کی موت مر جاتا ہے وہ چہرے پر اداسیاں سجائے ہوئے ہم معاشرے کے ہر فرد کو پاکیزہ انسان نہیں کہتے، کچھ برائیوں کو بخوشی اپناتے ہیں، لیکن ان کا بھی ایک پس منظر ہوتا ہے اور بات بہت دور تک نکل جاتی ہے، یعنی ان خاندانوں تک جن کے سربراہان یہ سوچنا چھوڑ دیتے ہیں کہ جس راستے سے ان کے پاس دولت آرہی ہے وہ کیا راستہ ہے۔۔۔۔۔ دولت آتی ہے، کبھی کبھی اس کی آمد کا راستہ گناہوں سے پر ہوتا ہے اور پھر گناہوں کی یہ کمائی اولادوں کے پیٹ میں جاتی ہے اور جناب عالی ایک مسلمان گھرانے میں اس ایمان کے ساتھ پیدا ہونے والا شخص جو ایک مسلم گھرانے کا سرمایہ اور ورثہ ہے، کبھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ

خون میں شامل ہونے والا حرام کسی طور پر بہتری کی جانب مائل کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ شاید میں مقرر بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ شاید میں انتہائی جذباتی تقریر کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو یہ الفاظ ادا کر کے ایک مبلغ، ایک مقرر اور ناصح سمجھ رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس لئے میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا، مطلب یہ ہے کہ اس گروہ کے خلاف ایک طویل مشن پر نکلنا چاہتا ہوں میں۔“ نادر حیات صاحب خاموشی سے یہ تمام تفصیلات سن رہے تھے، کچھ وقت خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”دیکھو شہاب، ہر انسان کو ایک منصب سونپا جاتا ہے، کچھ لوگ گھروں میں رہ کر اہل خانہ کی کفالت کے امین ہوتے ہیں، کچھ لوگوں کو سرحدوں پر دشمن پر کڑی نگاہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے، کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اندرونی دشمنوں کو خاک و خون میں نہلانے کے لئے کمر بستہ رہتے ہیں، اپنے منصب کو چھوڑ کر صرف اپنے جذبات کے ہاتھوں کھیلنا ایک طرح سے خود پرستی ہے۔۔۔۔۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں، مجھے اس بات کا جواب دو کہ اگر تم ملک سے باہر اپنے کسی ایسے مشن کی تکمیل کے لئے نکلے ہوئے ہو اور اندرون ملک کوئی ایسی گھٹاؤنی سازش وجود میں آتی ہے جس میں تم کسی ذمہ دار فرض شناس افسر کی ضرورت ہو تو تم اپنی پسند کا مشن سرانجام دو گے یا اپنی ذمہ داری پوری کرنا پسند کرو گے۔“ نادر حیات صاحب کے الفاظ پر شہاب نے چونک کر انہیں دیکھا، کچھ لمحے حیرانی سے انہیں دیکھتا رہا پھر ایک دم سے مسکرا پڑا۔

”اور بزرگ کبھی غلط نہیں کہتے جناب، ویسے تو بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے، لیکن آپ کے اس وقت کے الفاظ نے اس تجربے کو مزید جلا بخشی ہے۔“ نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ ابھری اور وہ بولے۔ ”نہیں، یہ تمہارا سوچنے کا انداز ہے۔۔۔۔۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”یہ کہ دو لفظوں میں آپ نے مجھے چت کر دیا اور میرے ہی داؤ پر مجھے مار دیا۔“
”نہیں نہ تو میں نے تمہیں چت کیا ہے نہ تمہارے داؤ پر تمہیں مارا ہے۔۔۔۔۔ کیا تم ان سچائیوں سے منحرف ہو سکتے ہو۔“
”نہیں“

”پھریوں کرو کہ ابھی کچھ وقت انتظار کر لو، برائیاں اندر پہنچیں تو ان کے منحنے اسی

طرح اتار دو جس طرح تم نے، اف میرے خدا شہاب ایسا کیسے کیا تم نے، خیر میرا خیال ہے کہ میں اصل راستے سے بھٹک رہا ہوں..... مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا اس مشن پر جانا مناسب نہیں ہے..... ہاں، ایک وعدہ میں تم سے کرتا ہوں کہ اگر ضرورت پیش آئی اور بات کسی بھی شکل میں آگے بڑھی تو پھر ہم ایک جامع پروگرام ترتیب دیں گے۔“

”ٹھیک ہے جناب، ظاہر ہے میں آپ کے حکم سے منحرف نہیں ہو سکتا..... جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

”تو اب مجھے اجازت دو، بہت دیر ہو گئی ہے اور سنو اس لاش کو احتیاط سے ٹھکانے لگا دو اور یہ بھی سنو کہ ہم لوگ کم از کم اس سلسلے میں براہ راست اپنے ملوث ہونے کا اظہار نہیں کریں گے، بلکہ جو محکمہ جاتی کارروائی ہوگی بس اسی تک محدود رہیں گے، خصوصاً یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ سنڈیکیٹ کو ابھی اپنے پیچھے لگا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ ہم ان کی کارروائیوں سے لا تعلق رہیں..... ہمیں در پردہ ان کی نگرانی کرنی ہے اور اس کیس کو براہ راست کوئی اہمیت نہیں دینی، خصوصاً پریس وغیرہ کے مسئلے میں۔“

”جی سر۔“ پھر اس کے بعد شہاب نادر حیات صاحب کے ساتھ باہر آیا تھا اور انہیں لے کر چل پڑا تھا۔

